وہ فرشتہ بن گیا جو خدا سے ہمکلام تھا۔ لڑکی کے آنسو نکل آئے تھے۔ جوں جوں آنسو بہتے گئے اُسے ایسے لگا جیسے اس کا وجود تبریز کے وجود میں سماتا جا رہا ہو۔

تبریز نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ وہ شاید بھول گیا تھا کہ اس گُف میں کوئی اور بھی ہے، یا یہ کہ لڑکی گہری نیند سوئی ہے۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ "خدائے عزوجل! مجھے گناہوں سے دامن پاک رکھنے کی ہمت عطا فرما۔ میری روح کو اتنی پاکیزگی عطا فرما کہ تیری اتنی خوبصورت امانت کو خیانت کے بغیر منزل تک پہنچا سکوں۔ تیرا یہ بندہ کمزور اور ناتواں ہے۔ مجھے شیطان کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور جرأت عطا فرما۔"

تبریز فرشتہ نہیں تھا۔ وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے پناہ مانگ رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ منہ پر پھیرے اور گھوم کر دیکھا۔ دیرا اسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے رخساروں پر آنسو بہے جا رہے تھے۔ تبریز اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ لڑکی نے کوئی حرکت نہ کی۔

"باہر جاؤ۔" تبریز نے اُسے کہا۔ "اُس طرف صاف پانی کا چشمہ ہے۔ منہ دھو آؤ۔" اُس نے اپنے سر پر پہنا ہوا سوتی کپڑے کا گز بھر لمبا چوڑا رومال اتار کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔ "منہ اچھی طرح دھو آؤ۔ بالوں کو بھی جھاڑ پونچھ لو۔ میں تمہیں اُسی روپ میں تمہارے رشتہ داروں کے حوالے کرنا چاہتا ہوں جس حرج تم شیطانی میں گرنے سے پہلے تھیں۔"

دیرا اُس کے ہاتھ سے رومال لے کر ایسے انداز سے باہر نکل گئی جیسے گونگا اور بہرہ بچہ کسی کے شانے پر چل پڑا ہو۔ تبریز کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا وہ گھوڑے کے ساتھ بندھا تھا۔ اب کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ دیرا کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

☆

دیرا منہ سر دھو کر واپس آئی تو تبریز کو یوں دھچکا سا لگا جیسے کسی نے اُسے کانٹا چبھو دیا ہو۔ اس سے پہلے دیرا کے بال مٹی سے اٹے ہوئے اور جُڑے ہوئے تھے۔ چہرے کا بھی یہی حال تھا۔ اب بال اور چہرہ دُھل گئے تو تبریز جیسے اُسے پہچان ہی نہ سکا۔ وہ ایسے طلسماتی بالوں کو کبھی تصور میں بھی نہیں لا سکا تھا۔ جنگل میں رہنے والے دیہاتی نے ایسا حسن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چہرہ اتنا ملائم اور آنکھوں میں ایسی دل کشی اُسے حیران کر رہی تھی۔ تبریز اُس تبریز کے ہاتھ سے نکلنے لگا جو کچھ دیر پہلے خدا کے حضور کھڑا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔ "کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ ہمیں خالی پیٹ سفر کرنا پڑے گا، چلو۔"

وہ اُٹھنے لگا تو دیرا نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ذرا دیر بیٹھو۔ میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔" تبریز سلت عبر اس لڑکی کے لیے دہشت بنا رہا تھا، اب اس کی ذہنی کیفیت یہ تھی جیسے یہ لڑکی اُس پر غالب آگئی ہو۔ کچھ کہے بغیر اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا۔ "تم جب خدا کے ساتھ باتیں کر رہے تھے تو خدا تمہیں نظر آ رہا تھا؟"

"خدا ہمیں نظر نہیں آیا کرتا۔" تبریز نے کہا۔ "میں عالم نہیں، اس لیے بتا نہیں سکتا کہ خدا نظر

آئے بغیر کس طرح اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ خدا میری دعائیں سنتا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ یہ خدا تھا جس نے تمہیں اپنی قوت دی کہ تم نے مجھے طغیانی سے نکال لیا؟" دیرا نے پوچھا۔

"ہمیں خطیب نے بتایا ہے کہ روح پاک ہو تو خدا ہر شکل میں مدد دیتا ہے۔" تبریز نے جواب دیا۔ "اگر میں اس ارادے سے تمہیں بچانے کی کوشش کرتا کہ تم بہت خوبصورت لڑکی ہو اور تمہیں بچا کر کہیں لے جاؤں گا تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈوب جاتا۔"

"مگر میری روح پاک نہیں ہے۔" دیرا نے دکھیارے سے لہجے میں کہا۔ "خدا نے میری مدد کیوں کی ہے؟ مجھے ڈوبنے سے کیوں بچایا ہے؟"

"ہمیں چل کے خطیب سے پوچھیں گے۔" تبریز نے کہا۔ "مجھ میں اتنی عقل نہیں۔"

"اور تم نے میرے جسم سے کیوں بے رُخی کی؟" دیرا نے اُس سے پوچھا۔

"اگر میں ایسا کرتا جیسے تمہیں ڈر تھا تو میں تمہارے خنجر سے نہ بچ سکتا۔" تبریز نے جواب دیا۔ "تم خدا کی امانت ہو، اور"..... وہ چپ ہو گیا۔ ذرا دیر بعد بے اختیار بولا۔ "تم بہت ہی خوبصورت امانت ہو دیرا! آؤ چلیں۔" وہ بے قرار سا ہو کر اٹھنے لگا۔ دیرا نے اُسے اٹھنے نہ دیا۔ تبریز نے کہا۔ "مجھے اپنے قریب زیادہ دیر نہ بیٹھنے دو۔ مجھے اتنے سخت امتحان میں نہ ڈالو لڑکی! مجھے خدا کے حضور سرخرو ہونے دو۔"

"تمہیں اپنے خدا کی قسم!" دیرا نے کہا۔ "مجھے بھی خدا کے حضور سرخرو ہونے کے قابل بناؤ۔ تم اپنے جیسے انسانوں سے بہت اونچے ہو۔ تم خدا کے ایلچی ہو۔"

"تم رو کیوں رہی ہو؟"

"میں گناہگار ہوں۔" دیرا نے جواب دیا۔ "خدا مجھ سے ناراض ہے۔ جب ارنٹ نے مجھے طغیانی میں گرا دیا تھا تو بھی مجھے خدا یاد نہیں آیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ جو کچھ ہے وہ جسم ہے اور مجھے اپنے جسم کو بچانا چاہیے۔ تم مجھے طغیانی سے نکال کر یہاں لے آئے تو بھی میرے سامنے یہی مسئلہ آگیا کہ مجھے تم سے اپنا جسم بچانا ہے۔ اپنے جسم کو بچانے کے لیے ہی میں نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔ میں طغیانی سے بھی بچ گئی۔ تم سے بھی بچ گئی لیکن تمہاری عبادت اور دعا نے مجھے بتایا کہ مجھے بچانے والی قوت کوئی اور تھی۔ مجھے بتاؤ وہ قوت کیا ہے؟ کہاں ہے؟"

"یہ خدا کی قدرت ہے۔" تبریز نے جواب دیا۔ "یہ روح کی پاکیزگی کا کرشمہ ہے۔"

"میری ساری زندگی ایک گناہ ہے۔"

"مجھے صاف لفظوں میں بتاؤ۔" تبریز نے پوچھا۔ "تم رقاصہ ہو؟ امیر لوگوں کے پاس رہتی ہو؟

میں نے سنا ہے کہ ایسی لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ میں نے ایسی خوبصورت لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔"

دیرا خاموش رہی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ سرک کر تبریز کے قریب ہوگئی۔ تبریز پرسے سرک گیا۔ دیرا نے کہا۔ "مجھے ڈر آتا ہے طغیانی کی دہشت مجھے ابھی تک ڈرا رہی ہے۔ مجھے اپنے قریب رکھو۔"

"نہیں"۔ تبریز نے عجیب سی مسکراہٹ سے کہا۔ "میرے اتنا قریب نہ آؤ۔ میں بھٹک جاؤں گا۔"

"دیکھ لیا، میں کتنی گناہگار ہوں؟"۔ دیرا نے کہا۔ "تم اس لیے مجھ سے دُور رہنا چاہتے ہو کہ بھٹک نہ جاؤ۔ میں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے"۔ اُس نے دیکھ لیا کہ تبریز کے پاس مذہبی جذبات ہیں اور جذبہ بھی لیکن اس کی سوچ میں گہرائی نہیں ہے۔ اگر اُسے کسی سانچے میں ڈھالا جائے تو ڈھل جائے گا۔ دیرا نے اُس کے ساتھ کھل کر باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگی۔ "اگر میں تمہیں کہوں کہ آؤ ہم ساری عمر کے سفر میں اکٹھے رہیں تو کیا جواب دو گے؟"

تبریز نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ذرا سا مسکرایا اور سنجیدہ ہوگیا۔ بولا۔ "آؤ چلیں۔ سورج نکل آیا ہے سفر مشکل ہو جائے گا۔"

دیرا اپنی ذلت میں ایک انقلاب محسوس کر رہی تھی جسے وہ اچھی طرح سمجھ نہ سکی۔ وہ اُس کے ساتھ اُٹھ کر چل پڑی۔ وہ راستے کو کم اور تبریز کو زیادہ دیکھ رہی تھی۔ گذشتہ رات وہ تبریز کو قتل کر کے حمص کو بھاگ جانے کی فکر میں تھی لیکن اب وہ تیز چلنے سے گریز کر رہی تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تبریز کے ساتھ رہنے کی خواہش لیے ہوئے تھی۔ ایک بار اُس نے تبریز کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "آہستہ چلو۔"

"ہمیں آہستہ نہیں چلنا چاہیے"۔ تبریز نے کہا۔ "ورنہ ایک اور رات آجائے گی۔"

"آنے دو"۔ دیرا نے کہا۔ "میں نیز نہیں چل سکتی۔"

"جہاں رہ جاؤ گی وہاں تمہیں اُٹھا لوں گا"۔ تبریز نے کہا۔ "آہستہ نہ چلو۔"

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل نے صلیبی بادشاہ بالڈوِن کو حماۃ کے قلعے کے باہر بہت بڑی شکست دی تھی جس سے بوکھلا کر بالڈوِن کی فوج بکھر کر پسپا ہوئی تھی۔ اس معرکے کی تفصیل سنائی جا چکی ہے۔ اس صلیبی بادشاہ نے بڑی مشکل سے اپنی بکھری ہوئی فوج کو یکجا کیا تھا۔ تب اسے اندازہ ہُوا تھا کہ اس کا کتنا جانی نقصان ہُوا ہے۔ اُس کے پاس نصف سے کچھ زیادہ فوج رہ گئی تھی۔ وہ تو دمشق تک کے علاقے پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ اُس کی فوج العادل کے چھاپہ مار حملے میں مری تھی اور جب صلیبی بھاگے تو ان میں سے بہت سے وادیوں اور ویرانوں میں بھٹک گئے تھے۔ ان میں سے کئی ایک کو مسلمان گڈریوں، خانہ بدوشوں اور دیہاتیوں نے مار ڈالا اور ان کے ہتھیاروں اور گھوڑوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

جب بالڈوِن نے بچی کھچی فوج کو حماۃ سے دُور ایک جگہ جمع کر لیا تو اُسے بتایا گیا کہ فوج کے وہ

سپاہی اور عہدیدار جو اکیلے اکیلے آ رہے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں۔ بالڈوِن شکست سے بوکھلایا ہُوا تھا، اس اطلاع سے اُس کا غصہ اور تیز ہوگیا۔ اُس نے حکم دیا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کا کوئی گاؤں نظر آئے اسے لوٹ لو، جوان لڑکیاں اٹھا لاؤ اور گاؤں کو آگ لگا دو۔ چنانچہ یہ فوج جب نفری اور دیگر نقصان پورا کرنے اور حملے کی از سرِ نو تیاری کرنے کے لیے پیچھے جا رہی تھی مسلمانوں کے گاؤں تباہ کرتی گئی۔

اب یہ فوج حمص سے چھ سات میل دور خیمہ زن تھی۔ بالڈوِن اس کوشش میں تھا کہ کوئی صلیبی حکمران اُس کے ساتھ تعاون کرے اور اپنی فوج اسے دے دے جس سے وہ العادل سے شکست کا انتقام لے سکے اور دمشق تک اپنی حکمرانی جسے وہ صلیب کی حکمرانی کہتا تھا قائم کرنے کا عزم پورا کر سکے۔ اسی سلسلے میں وہ ایک اور صلیبی بادشاہ ریجنالڈ آف شائتون کے ہاں گیا ہُوا تھا۔

دیرا کی تلاش سے مایوس ہو کر بوڑھا عیسائی اور اُس کے ساتھی رات بھر چلتے رہے اور صبح حمص پہنچے۔ قافلے کے دوسرے لوگ بھی پہنچ گئے۔ ان میں سے کوئی بھی حمص کا نہیں تھا۔ انہیں آگے جانا تھا۔ تبریز کا گھوڑا اُن کے ساتھ تھا۔ انہوں نے گھوڑا ایک مسجد کے امام کے حوالے کر کے بتایا کہ اس کا مالک حمص کا رہنے والا تھا۔ وہ طغیانی میں گھوڑے سے گر کر ڈوب گیا تھا اور گھوڑا باہر آگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑا پہچان لیا گیا۔ جب گھوڑا تبریز کے گھر پہنچا تو وہاں کہرام بپا ہوگیا۔

وہاں ایک یہودی تاجر کا گھر تھا۔ یہ ایک دولت مند یہودی تھا۔ وہ جو اپنے آپ کو دیرا کا باپ کہتا تھا، اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس یہودی کے گھر میں بیٹھا تھا۔ وہ بتا چکا تھا کہ دیرا ڈوب گئی ہے۔ سب افسوس کا اظہار کر رہے تھے لیکن اُن کا مسئلہ افسوس کرنے سے حل نہیں ہو سکتا تھا۔ بوڑھے نے یہودی میزبان سے پوچھا کہ حمص کے مسلمانوں کی سرگرمیاں اور عزائم کیا ہیں۔

"بہت خطرناک"۔ میزبان نے جواب دیا۔ "انہیں باقاعدہ ٹریننگ دی جا رہی ہے اور یہ قصبہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کا اڈہ بنتا جا رہا ہے۔ خطیب صرف خطیب نہیں فوج کا کمانڈر اور استاد معلم ہوتا ہے۔"

"اگر اسے قتل کرا دیا جائے تو کیا فائدہ ہوگا؟"۔ بوڑھے عیسائی نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں"۔ یہودی تاجر نے جواب دیا۔ "اس کا نقصان یہ ہوگا کہ مسلمان ہم پر شک کر کے ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ یہ قصبہ ان کی سلطنت میں ہے۔"

"یہاں جو عیسائی اور یہودی گھرانے ہیں، کیا اُن کی لڑکیاں کچھ نہیں کر سکتیں؟"۔ بوڑھے نے پوچھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ اس کام کے لیے کتنی ٹریننگ اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے"۔ میزبان نے جواب دیا۔ "ہماری لڑکیوں میں کوئی ایک بھی اتنی چالاک نہیں۔"

"اور آپ ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں کے مسلمان جنگی ٹریننگ حاصل نہ کریں؟"۔ بوڑھے نے پوچھا۔

"آپ کیا حکم لے کر آئے ہیں؟" — میزبان نے پوچھا۔

"حکم تو بڑا سخت ہے" — بوڑھے نے کہا — "ان مسلمانوں کو آپس میں ٹکرانا اور انہیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے۔ دیرا کے لیے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ اس کے بغیر یہ مہم ممکن نہیں رہی۔ ہمیں دو لڑکیاں یہاں لانی پڑیں گی۔"

"وقت کم ہے" — میزبان نے کہا — "آپ جانتے ہیں کہ رملہ کی لڑائی کو کتنے مہینے گزر چکے ہیں جس میں صلاح الدین ایوبی کو شکست ہوئی تھی۔ آپ اگر حقیقت کو تسلیم کریں تو یہ شکست صلاح الدین ایوبی کے عزم اور جذبے کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ وہ سنبھل چکا ہے اور اس نے فوج تیار کر لی ہے۔ قاہرہ سے جاسوس جو خبریں بھیج رہے ہیں وہ اچھی نہیں۔ صلاح الدین قاہرہ سے کوچ کرنے والا ہے۔ ابھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس طرف رُخ کریگا اور کہاں حملہ کرے گا۔ اِدھر اُس کے بھائی العادل کو دمشق سے کمک مل گئی ہے۔ اس نے شاہ بالڈوِن کو ایسی شکست دی ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی شاہ بالڈوِن سنبھل نہیں سکا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی شب خون اور چھاپوں کی جنگ لڑتا ہے۔ ہماری فوجوں کی رسد اس سے محفوظ نہیں رہتی۔ اگر حمص کے مسلمانوں نے اسے چھاپہ ماروں کے لیے اڈہ مہیا کر دیا تو یہ لوگ ہماری رسد اور آگے جانے والی کمک کے لیے مصیبت بن جائیں گے ....

"اِن حالات میں آپ کا یہ حربہ کارگر بالکل بے کار ثابت ہوگا کہ تربیت یافتہ لڑکیوں کو یہاں لا کر مسلمانوں میں رقابت پیدا کی جائے اور اُن کی کردار کُشی کی جائے۔ اس کے لیے حالات اور مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ میں آپ کے اُن افسروں پر حیران ہوں جنہوں نے ایک لڑکی یہاں بھیجی تھی۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"صفایا" — میزبان نے اپنے ہاتھ کو تلوار کی طرح دائیں بائیں جنبش دے کر کہا — "پورے قصبے کو آبادی سمیت ختم کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں ہم بھی یہاں نہیں رہ سکیں گے۔ ہم اپنے بیوی بچوں کو اور مال و دولت کو یہاں سے پہلے نکال دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ صلیبی بادشاہ ہمیں کسی دوسری جگہ آباد کرنے میں مدد دیں گے اور ہمارا مالی نقصان پورا کر دیں گے۔ میں یہودی ہوں۔ میں ہیکلِ سلیمانی کی خاطر اپنا گھر تباہ کرانے کے لیے تیار ہوں۔"

"لیکن اس قصبے کی تباہی کا انتظام کیا ہوگا؟" — بوڑھے نے پوچھا — "اس کے لیے فوج کی ضرورت ہے۔"

"فوج موجود ہے" — یہودی نے کہا — "شاہ بالڈوِن کی فوج پانچ چھ میل دور خیمہ زن ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس فوج نے پسپائی کے راستے میں آنے والی تمام مسلمان بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اس سے حمص بھی تباہ کرایا جا سکتا ہے۔ میں آج ہی روانہ ہو جاؤں گا اور شاہ بالڈوِن کو بتاؤں گا کہ ہمارا قصبہ اس کی فوج کے لیے کس قدر خطرناک ہے۔"

"مقصد یہ نہیں کہ قصبہ تباہ کرایا جائے" — بوڑھے نے کہا — "بلکہ یہ کہ یہاں کے کسی مسلمان کو

زندہ نہ رہنے دیا جائے۔"

"اور لڑکیوں کو فوج اٹھا لے جائے۔"

سب متفق ہو گئے اور فیصلہ ہوا کہ میزبان یہودی اُسی رات شاہ بالڈوِن کی خیمہ گاہ کو روانہ ہو جائے۔

وہ باہر نکلے تو انہیں ایک گھوڑ سوار قصبے میں داخل ہوتا نظر آیا۔ وہ کوئی اجنبی تھا۔ خطیب کا گھر نظر آ رہا تھا۔ یہ سوار خطیب کے گھر کے سامنے گھوڑے سے اُترا۔ دروازے پر دستک دی۔ خطیب باہر آیا۔ اجنبی سے ہاتھ ملایا اور اسے اندر لے گیا۔

"یہ سوار دمشق یا قاہرہ کا قاصد ہے" — میزبان یہودی نے کہا۔

☆

عشا کی نماز کے بعد نمازی چلے گئے۔ پانچ چھ آدمی خطیب کے پاس بیٹھے رہے۔ اِن میں یہ اجنبی گھوڑ سوار بھی تھا۔ خطیب نے کسی سے کہا کہ سب کا دروازہ اندر سے بند کر دیا جائے۔

"میرے دوستو!" — خطیب نے کہا — "ہمارا یہ دوست اللک العادل کی طرف سے خبر لایا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی بہت جلد قاہرہ سے کوچ کرنے والے ہیں۔ آپ سب فوجی ہیں اور شبخون کے استاد ہیں۔ آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اب کیا کرنا ہے۔ تربیت اور مشق تیز کر دو۔ العادل نے یہ اطلاع بھیجی ہے کہ صلیبی بادشاہ بالڈوِن کی فوج [illegible] سے بھاگی تھی۔ ہمارے قریب کہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ہمیں اس پر نظر رکھنی ہے اور اس کی نقل و حرکت کی اطلاع العادل تک پہنچانی ہے۔ انہوں نے یہ حکم بھی بھیجا ہے کہ اگر ہم ضروری سمجھیں تو صلیبیوں کی اس فوج پر شب خون ماریں یا چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھیں تاکہ یہ فوج چین سے نہ بیٹھ سکے ....

"اس کے ساتھ ہی العادل نے یہ بھی کہا ہے کہ اس فوج نے مسلمانوں کے بہت سے گاؤں تباہ کر دیئے ہیں۔ چونکہ العادل کے پاس فوج کی کمی تھی اس لیے صلیبی فوج کا تعاقب نہ کیا جا سکا۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر بالڈوِن کی فوج اور پیچھے اپنے علاقے میں چلی جاتی ہے تو اُسے نہ چھیڑا جائے کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ حمص کو تباہ کر دے گی۔ ہمیں تربیت اور مشق تیز کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے سلطان ایوبی کسی طرف حملہ کریں تو بالڈوِن اُن پر عقب یا پہلو سے حملہ کر دے۔ اس صورت میں ہمیں بالڈوِن کے عقب پر شب خون مارنے ہیں اور اُسے یہیں اُلجھائے رکھنا ہے۔"

خطیب نے ایک آدمی کو یہ کام سونپا کہ وہ اس فوج کو دیکھ آئے۔

اُس وقت تبریز اور دیرا اس حالت میں قصبے میں داخل ہوئے کہ دیرا تبریز کی پیٹھ پر تھی۔ راستے میں پانی تو مل گیا تھا لیکن کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا۔ دیرا صلیبیوں کی شہزادی تھی۔ وہ پیدل سفر کی عادی نہیں تھی۔ تبریز رات کے لیے کہیں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے دیرا کو پیٹھ پر اُٹھا لیا اور باقی سفر اسی طرح طے کیا۔ اُس نے لڑکی کو اپنے گھر کے سامنے اتارا اور اُسے اندر لے گیا۔ اس کے گھر والوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ تبریز زندہ ہے۔ اس کا گھوڑا پہلے ہی گھر پہنچ چکا تھا۔ اُس نے گھر والوں کو بتایا کہ اس پر کیا بیتی ہے۔

دیرا کو معلوم تھا کہ اس کی منزل یہودی تاجر کا گھر ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اس کے گھر فوراً جانا چاہتی ہے۔ شاید اس کا باپ زندہ آگیا ہو۔ تبریز اس کے ساتھ گیا۔ اُسے یہودی تاجر کا گھر معلوم تھا۔ راستے میں اندھیرا تھا۔ دیرا اچانک رک گئی اور تبریز سے لپٹ گئی۔ کبھی چہرہ اُس کے سینے پر رگڑتی، کبھی اُس سے الگ ہو کر اُس کے ہاتھ چومتی اور آنکھوں سے لگاتی۔

"ہماری منزلیں جُدا ہیں"۔۔۔ دیرا نے جذبات اور رقت سے بوجھل آواز میں کہا۔ "مگر ہم کسی دوراہے پر پھر ملیں گے۔ میں اپنی روح سے بیگانہ تھی وہ مل گئی ہے اور میں نہیں جانتی تھی محبت کیا ہے، وہ تم نے دے دی ہے۔ دل میں تمہاری یاد لے کے جا رہی ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ گے"

"نہیں دیرا"۔۔۔ تبریز کی جذباتی کیفیت دیرا سے زیادہ متزلزل تھی۔ کہنے لگا۔۔۔ "میں تمہیں بھول نہیں سکوں گا۔ میں نے تمہیں راستے میں کہا تھا کہ اب تک ایک باطل مذہب کی پجاری رہی ہو، باقی عمر اسلام کے سائے میں گزارو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے دل میں اب کوئی لڑکی نہیں سما سکے گی تم اب اسی قلعے میں رہو گی۔ ہم ملا کریں گے لیکن وہاں جہاں کوئی دیکھ نہ سکے"

تبریز نے امانت میں خیانت نہیں کی تھی۔ دورانِ سفر یہ لڑکی اُس کی مرید ہو گئی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ لڑکی تبریز کے دل میں اُتر گئی۔ اب وہ دل پر پتھر رکھ کر اسے یہودی کے حوالے کرنے جا رہا تھا۔۔۔۔ وہ جب اُسے یہودی کے گھر لے گیا تو وہاں اُسے بوڑھا عیسائی ملا۔ اُس نے دیرا کو گلے لگا لیا۔ یہودی تاجر کا گھر نہیں تھا۔ وہ فیصلے کے تحت شاہ بالڈوِن کی خیمہ گاہ کو روانہ ہو گیا تھا۔ تبریز بوڑھے کے اصرار کے باوجود وہاں رُکا نہیں۔ وہاں سے وہ مسجد میں چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دستک دی۔ دروازہ کھلا تو وہ اندر چلا گیا۔

☆

سلطان صلاح الدّین ایوبی نے ایک سال کے اندر اپنی فوج تیار کر لی تھی۔ اس نے مزید انتظار نہ کیا۔ جس رات حمص کا ایک یہودی تاجر شاہ بالڈوِن سے یہ کہنے جا رہا تھا کہ وہ اپنی فوج سے حمص کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دے اُس رات سلطان ایوبی کی فوج قاہرہ سے نکل گئی تھی۔ اس کی منزل دمشق تھی۔ کُوچ بہت تیز تھا۔ سلطان ایوبی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس دَور کے وقائع نگاروں کے مطابق، سلطان ایوبی دمشق قیام کر کے وہاں کے حالات، غدّاریوں اور سازشوں کا جائزہ لے کر اور ان کا سدِّباب کر کے العادل سے ملنا چاہتا تھا اور وہاں سے اُسے جنگی کارروائی کا آغاز کرنا تھا مگر راستے میں ہی اُس نے راستہ بدل دیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُسے عزالدّین کا ایک ایلچی راستے میں ملا۔ وہ سلطان ایوبی کے نام قاہرہ پیغام لے کر جا رہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی وہاں سے کُوچ کر آیا ہے۔ آدھے راستے میں اس نے ایک فوج آتی دیکھی۔ جھنڈوں سے پہچانا گیا کہ یہ سلطان ایوبی کی فوج ہے۔ وہ قلب میں چلا گیا جہاں

سلطان ایوبی تھا۔ ایلچی نے اُسے عزالدّین کا پیغام دیا۔ عزالدّین نورالدّین زنگی مرحوم کے شیر دلوں میں سے تھا۔ امیر کا درجہ حاصل تھا۔ وہ مردِ مومن تھا، اس لیے زنگی کا منظورِ نظر۔ زنگی نے وفات سے پہلے اسے حلب کے صوبے میں فارا حصار کے نام کا قلعہ دے کر اُس کا امیر بنا دیا تھا۔ تقریباً علاقہ اس قلعے کے تحت آتا تھا۔ اس سے ملحق ابن لاوون کی ریاست تھی جو صلیبیوں کے ساتھ صلیبی اور مسلمانوں کے ساتھ مسلمان بن جاتا تھا۔ اُس نے صلیبیوں کی شہ پر عزالدّین کے علاقے میں سرحدی جھڑپوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ عزالدّین اکیلا اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ حلب اور موصل والوں سے مدد نہیں لینا چاہتا تھا کیونکہ جب سے حلب اور موصل کے حکمرانوں الملک الصالح اور سیف الدّین وغیرہ نے سلطان ایوبی کے خلاف محاذ قائم کیا تھا، عزالدّین نے اُن کے ساتھ تعلقات توڑ لیے تھے۔

اُس نے سلطان ایوبی کو جو پیغام بھیجا وہ یوں تھا۔۔۔ "قابلِ احترام سلطان صلاح الدّین ایوبی بن نجم ایوب سلطان مصر و شام! آپ پر اور سلطنتِ اسلامیہ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میری وفاداری کے متعلق آپ کو شک نہیں ہوگا۔ میں نے نُور خالد کی طرف سے صلیبیوں کا راستہ روک رکھا ہے۔ تمام ترعلاقہ اور پیش قدمی کے راستے میرے چپّہ چپّہ پر ماروں کی نظر میں رہتے ہیں۔ صلیبیوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے ابن لاوون کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میری سرحد اس علاقے سے ملتی ہے جو دراصل آرمینیوں کا علاقہ ہے ۔۔۔ ان آرمینیوں نے میری سرحدی چوکیوں پر حملے شروع کر دیے ہیں۔ اب آگاہ ہوں گے کہ میرے پاس فوج کی کمی ہے۔ صلیبیوں اور آرمینیوں نے میرے پاس دو بار اپنی مشترکہ تحائف کے ساتھ بھیجے تھے۔ وہ مجھے دعوت دے رہے ہیں کہ میں اُن کا اتحادی بن جاؤں اور آپ کے خلاف لڑوں۔ انکار کی صورت میں انہوں نے مجھے حملے کی دھمکی دی ہے۔۔۔۔

"میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنی زمین کے تحفظ کے لیے یہ دعوت قبول کر لیتا۔ یہ جگہ اتنی دُور ہے کہ وقت پڑے تو مدد کو آنے والے بروقت نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے باوجود میں نے اُن کی دعوت کی بجائے اُن کی دھمکی قبول کی ہے اور میں نے یہ اقدام اللہ کے بھروسے پر کیا ہے۔ میں اپنا قلعہ اور اپنا علاقہ اور اس کے ساتھ اپنی جان قربان کر دوں گا، صلیبیوں کے ساتھ اتحاد نہیں کروں گا۔ میں نورالدّین زنگی مرحوم کی روح کے آگے جواب دہ ہوں اور میں اُن لاکھوں شہیدوں کے آگے جواب دہ ہوں جو قبلۂ اوّل کے نام پر قربان ہو چکے ہیں۔۔۔۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کا آئندہ اقدام کیا ہوگا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ رملہ کے حادثے کے بعد آپ تنظیم نو اور دیگر تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ محترم الملک العادل میری مدد کو آنے کے قابل نہیں۔ میں آپ کو اپنے احوال سے خبردار رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے علاقے اور فارا حصار سے دستبردار ہو کر اپنی فوج آپ کے پاس لے آؤں۔ دوسری صورت میں مجھے ہدایت دیں کہ میں کیا کروں۔ میں کسی قیمت پر صلیبیوں اور آرمینیوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گا۔"

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھا۔ اسی وقت اپنے سالاروں اور نائبوں کو بلایا۔ پیغام انہیں پڑھ کر سنایا اور یہ حکم دیا کہ سب کو حیران کر دیا کہ کوچ کا۔ سنتے ہی دو تین امیروں کے ہاتھ قبضے پر تلوار کر گئے۔ سلطان ایوبی ڈکٹیٹروں کی طرح حکم نہیں دیا کرتا تھا اور وہ جذبات سے مغلوب ہو کر بھی کوئی جنگی فیصلہ نہیں کیا کرتا تھا مگر اس حکم کے پیچھے جنگی فہم و فراست کے ساتھ جذبات بھی کارفرما تھے۔

"یہ اصلاح الدین زنگی مرحوم کی نشانی ہے" سلطان ایوبی نے کہا اور یوں لگا جیسے انہیں الفاظ میں مجھے زنگی مرحوم کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ میں اس شخص کو فنا نہیں ہونے دوں گا جو اسلام کے مقدس نام کے ساتھ غداری کا اعمار کرتا ہے۔"

"سلطان محترم!" ایک سالار نے کہا "حقائق کو سامنے رکھیں اور کسی جذباتی فیصلے پر نہ پہنچیں۔"

"حقائق یہ ہیں کہ ہمیں پہلے دمشق جا کر وہاں کے حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔" سلطان ایوبی نے کہا "اب اگر ہم دمشق چلے گئے تو ان لوگوں کی پشت پر حملہ کرنے کو کوئی نہیں رہے گا۔ یہ صلیبی ہیں۔ تم سب اللہ کے نام پر اس کے نام پر جان قربان کرنے کا عہد کر چکے ہو۔ اس عہد کا تقاضا ہے کہ ہم اللہ کے دشمن کو ہر جگہ ختم کریں۔ صلیبی دوستی کے پابند ہیں تو اس نے ہمارے ساتھ کر رکھا ہے لیکن وہ ہمارے دوست نہیں۔ ان کی دوستی کا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم صلیبیوں کے ساتھ لڑ کر ایک بار پھر ان کی دوستی حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم ان کو یہیں الجھا نہیں چھوڑ سکتے۔"

کچھ دیر عمل پہلوؤں پر بحث مباحثہ ہوا اور پھر قتل خالد کی سمت روانہ ہو گئے۔ سلطان ایوبی نے عزالدین کے ایلچی کو زبانی پیغام دیا جس میں کہا کہ عزالدین ان سے جنگ نہ کرے۔ دوستی کا دھوکہ دے لیکن اسے اپنے علاقے میں داخل اندازہ نہ ہونے دے۔ اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے اور اسے یہاں تک دھوکہ دے کہ وہ اپنی فوج اس کے حوالے کر دے۔ سلطان ایوبی نے ایلچی کو تیار کیا کہ اس نے اپنی فوج کو قتل خالد کی طرف تیز کوچ کا حکم دیا ہے۔

☆

صلیبی جاسوس سلطان ایوبی کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ صلیبیوں تک خبریں پہنچا رہے تھے جن کے مطابق انہوں نے اپنے حملوں اور اپنے علاقوں کا دفاع مضبوط کر لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان ایوبی کے اقدامات کے متعلق کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ صلیبیوں کے مشترکہ ہیڈ کوارٹر میں جب جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ سلطان ایوبی کی فوج دمشق کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسری سمت جا رہی ہے تو ان کے سرکردہ سالاروں نے کہا کہ ایوبی اپنے آزمائے ہوئے حربوں میں کوئی نیا حربہ آزمانا چاہتا ہے۔

حمص کا یہودی تاجر جو حمص کو تباہ کرانے کے لیے شاہ بالدوین کے پاس گیا تھا، وہیں آ گیا تھا۔ شاہ بالدوین نہیں تھا۔ وہ اپنے صلیبی دوستوں سے مدد مانگنے گیا تھا۔ اس کے مشیروں نے یہودی سے کہا تھا کہ وہ شاہ بالدوین کے حکم کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ کریں گے وعدہ۔ یہودی حمص واپس آ گیا تھا

بتایا گیا کہ وہ زندہ آ گئی ہے اور اسے تبریز نام کا ایک مسلمان لایا ہے۔ تبریز کو صلیبیوں اور یہودیوں نے نقد انعام پیش کیا تھا جو اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا تھا کہ اس نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

اب یہودی تاجر وہیرا کو بیکار سمجھتا تھا کیونکہ قصبے کو تباہ کرانے کا انتظام ہو چکا تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہیرا کو واپس ہیڈ کوارٹر میں بھیج دیا جائے لیکن وہیرا چاہتی تھی کہ اس نے کہا کہ وہ خطیب کے اعصاب پر غالب آ جائے گی اور مسلمانوں کو جنگی تربیت دینے والوں کے درمیان نفاق کی دشمنی پیدا کر دے گی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ یہاں کے مسلمانوں کے حکم عدولی کرنے کے لیے بھی اس کی ضرورت ہے چنانچہ اسے قصبے ہی میں رہنے دیا گیا لیکن کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ صرف تبریز کی خاطر وہاں کچھ دن اور رکنا چاہتی ہے۔

وہ تبریز سے ملتی رہی۔ رات کو وہ قصبے سے نکل جاتے اور بہت دور ریتلی جگہ پر ملتے رہتے تھے۔ اس صلیبی لڑکی کے مقابلے میں تبریز کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو امراء وزراء اور بادشاہوں کے خلاف استعمال ہونے والی لڑکی تھی۔ دمشق میں اس نے انتظامیہ کے دو اعلیٰ حکام کو اپنے قدموں میں جھکا لیا تھا اور ان کے خلاف ایسی سازش تیار کروا دی تھی جس کی اطلاع پر سلطان ایوبی دمشق جلد بازی میں فرقہ باطنیہ کی دہشت گرد تنظیم کے کرداروں نے اسے ایسا جھٹکا دیا تھا کہ اس کی ذات میں خلوص اور جذبات بیدار ہو گئے تھے۔ وہ تبریز کی پرواہ کرنے لگی تھی اور تبریز اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔

"تبریز میرات بتاؤ" ایک رات وہیرا نے اس سے پوچھا "خطیب اور دوسرے چند ایک آدمی جو تمہیں جنگی تربیت دیتے ہیں وہ کہاں سے آئے ہیں؟"

تبریز جواب دینے لگا تو وہیرا بول اٹھی "رہنے دو۔ کہنے دو تبریز! ہمیں اس سے کیا۔ کوئی کہتا ہے۔ ہم اتنی خوبصورت رات کو جنگ کی باتوں سے کیوں گندہ کریں؟"

اس عمر کی وہ ہر محبت میں کھو گئی تھی۔ تبریز کے ساتھ ہوتی تو وہ معصوم اور پاک لڑکی ہوتی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ اس نے ایک بار تبریز سے خطیب اور دوسرے استادوں کے متعلق پوچھا لیکن اس سے اس نے دھوکہ کھا گیا اور تبریز کو جواب دینے سے روک دیا۔ کئی دن جب یہودی تاجر کے گھر پر بیٹھی ہوتی تو مسلمانوں کی تباہی کی باتیں کرتی تھی۔

☆

ڈیڑھ دو مہینے گزر گئے تھے۔ ایک شام وہیرا تبریز کے گھر چلی گئی اور اس کی ماں کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اس نے تبریز کو اشارہ کیا جسے وہ سمجھتا تھا۔ وہ چلی گئی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی تبریز اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ ملا کرتے تھے۔ وہیرا آئی تھی۔ تبریز کو قصبے سے لے گئی۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ تبریز کے پوچھنے پر بھی اس نے نہ بتایا کہ اس کی گھبراہٹ کی وجہ کیا ہے۔ انہیں آوازیں سنائی دیں۔ کوئی دوڑتا ہوا قریب سے گزرا۔ تبریز نے پوچھا "کیا بات ہے؟" وہیرا نے کچھ نہ بتایا۔ اس کے بعد [illegible]

[illegible] کرنے شروع کر دیے۔ "میں جب تمہارے پاس ہوتی ہوں تو میں اپنے کس

[illegible] کی آواز سنا چاہتی ہے:

[illegible] دیر تک تبریز کو دیکھتی رہی۔ تبریز نے کہا۔ "جھوٹ تھا وہ جو میں نے شور سنا۔ دوسرا ایک لمحہ گئے وہاں کسی کی آواز نہیں پہنچی تھی۔ تبریز نے کہا۔ "جھوٹ تھا وہ جو میں نے شور سنا۔ دوسرا ایک لمحہ گئے وہاں کسی کی آواز نہیں پہنچی تھی۔ تبریز نے کہا۔ "جھوٹ تھا وہ جو میں نے شور سنائی دیتا ہے۔ تم بھی سننے کی کوشش کرو۔ یہ سناٹے جیسے بیحد و حساب دور گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔"

دیر نے کہا۔ "مجھے ان کی آواز نہیں سنائی دیتی۔"

دیر نے ہنس کر کہا۔ "ہوا کے تیز جھونکے چٹانوں سے ٹکرا کر گزر رہے ہیں۔"

تبریز نے کہا۔ "یہ ہوا کی آواز نہیں ہے۔"

دیر نے اُسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ وہ اس کے گھنے بالوں اور چہرے پر بوسے ثبت کرنے لگا۔ تبریز نے کہا۔ "یہ آوازیں ہوا کی ہیں جو بہت دُور کے شور کی طرح سنائی دیتی ہیں مگر اُسے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ آوازیں کس کی ہیں۔ بستی کے لوگوں کی ہیں۔ اور وہاں کی تیاریاں ہو چکی ہے جو یہودی تاجر چاہتا تھا۔ تبریز کو معلوم تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ آوازیں تبریز کے کانوں تک پہنچتی ہیں۔

یہ بات کس طرح ثابت ہوئی تھی کہ تبریز کے کان بہت تیز تھے۔ اُسے مشکوک کیا تھا۔ اُسے مشکوک کیا تھا۔ یہودی نے اُسے بتایا کہ حملے کے سامان کیا جا رہے ہیں اور وہ کس طرح صلیبی فوج کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ بالدوین کا یہ سب سے بڑا شکار تھا۔ اُس نے یہودی کو بتایا کہ وہ کس رات چپکے سے قلعے پر حملہ کرائے گا۔ اُس نے یہودی سے یہ بھی کہا کہ عیسائی اور یہودی اُس رات قلعے سے پرے قبضے سے نکلیں۔ اگر وہ بالدوین کے دشمن نکلے تو مسلمانوں کو شک ہو جائے گا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ یہودی نے کہا۔ "پس اگر جب اپنے دشمنوں کو یہ سکیم بتائی تو دیر نے کہا کہ وہ تبریز کے کہنے کو سچا جانتی ہے۔

"اسے ہم صلیب سے خدا کی قسم کھائیں گے۔" بوڑھے عیسائی نے کہا۔

"سانپ کے بچوں کو بچانا کہاں کی عقل مندی ہے؟" یہودی تاجر نے کہا۔

"یہاں مسلمانوں کے دو گھر ایسے ہیں جن کے ساتھ میرے دلی تعلقات ہیں۔" وہاں کے رہنے والے ایک عیسائی نے کہا۔ "لیکن میں انہیں بچانے کی نہیں سوچ رہا۔ ہمیں مسلمان کا خون چاہیئے۔ مسلمان میرا ذاتی دوست ہو سکتا ہے۔ میرے مذہب کا وہ دشمن ہی رہے گا۔"

"میں اُسے زندہ رکھنا چاہتی ہوں جس نے مجھے موت کے منہ سے نکالا تھا۔" دیر نے غصے سے کہا۔

"ہم نے اُسے اتنا انعام پیش کیا تھا جو اُس نے کبھی خواب میں نہیں دیکھا ہوگا۔" یہودی تاجر نے کہا۔

"اُس نے کہا کہ اُس نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ہم نے اُسے انعام پیش کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب وہ ہمارا دشمن اور ہم اُس کے دشمن ہیں۔"

"میں اُسے دشمن نہیں سمجھتی۔" دیر نے جھنجھلا کر کہا۔ "یہ صرف ایک آدمی ہے جس نے میرے جسم پر

[illegible] دیکھ تو نہیں لی۔ تم سب گنہگار ہو۔ تم میں کوئی ہے جس کی نیت میرے متعلق میں خراب ہے۔ میں اپنے بچے کو دیکھو۔"

"تم دونوں تبریز کو بچا لو۔" یہودی تاجر نے کہا۔ "لیکن اُسے یہ بتا دینا کہ یہ ہمارے لئے کیا ہونے والا ہے تو وہ ساری آبادی کو خبر کر دے گا۔ اور تم اس کے پیچھے کتنے لوگ ہو گے کہ وہ تمہیں پوچھیں گے؟ تم کیا بتاؤ گی؟ تم ایک مسلمان کو کیسے دھوکا دو گی؟ تم اس کا اعتماد کیسے حاصل کرو گی جو بات پہلے ہو چکی ہے۔"

"مجھے اس کی فکر نہ کرو۔" دیر نے کہا۔ "میں صلیب کو چھو کر نہیں بدلوں گی۔"

اگلے دن شام دیر تبریز کے گھر سے باہر نکلی۔ اس نے آدمیوں کا ہجوم دیکھا۔ وہ سب کے سب مسلح تھے۔ دیر کو دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھے۔ دیر نے کہا۔ "تبریز کو بلاؤ۔" ایک آدمی تبریز کو بلانے گیا۔ تبریز باہر آیا تو دیر نے کہا۔ "تبریز! تم نے کہا تھا کہ تم مجھے کبھی دھوکا نہیں دو گے۔ میں تمہارے پاس آئی ہوں۔

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟" دیرا نے اُسے بازوؤں میں لے کر اُس کا چہرہ اتنا قریب کرلیا کہ اُس کے بکھرے ہوئے ریشمی بال تبریز کے گالوں کو چھونے لگے۔ یہ وہی بال تھے جنہیں گُف میں دُھلا ہُوا دیکھ کر تبریز نے اپنی ذات میں عجیب سا لرزہ محسوس کیا تھا۔ اب تو دیرا کی محبت اُس کے دل میں دُور تک اُتر گئی تھی۔ اُس پر خمار سا طاری ہوگیا۔ "ہم کب تک چوروں کی طرح ملتے رہیں گے؟ میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگر تمہارے دل میں میری محبت ہے تو مجھ سے ابھی یہ نہ پوچھو کہ میں تمہیں کہاں لے جارہی ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ ہم وہاں چلیں گے جہاں ہمارے درمیان مذہب کی دیواریں حائل نہیں ہوں گی۔ تم مرد ہو۔ مجھے دیکھو۔ کمزور سی عورت ہوکر تمہاری محبت کی خاطر کتنا بڑا خطرہ مول لے رہی ہوں۔"

کمزور دراصل تبریز تھا۔ دیرا اُس کی عقل پر غالب آگئی تھی۔ وہ اس کوشش میں تھی کہ تبریز اپنے قصبے میں واپس نہ جائے۔ وہ جانتی تھی کہ وہاں اُسے اپنے گھر کے جلے ہوئے کھنڈر اور گھر والوں کی جلی ہُوئی لاشیں ملیں گی، پھر وہ پاگل ہوجائے گا ہوسکتا تھا دیرا کو کسی شک کی بنا پر قتل ہی کردے۔ دیرا کے دماغ میں کچھ اور آگیا تھا۔ اُس نے محبت کی خاطر اسے نادانی سے بچانے اور اُسے باعزت حمص لانے کے صلے میں صلیبیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا تھا اور اب اپنے گھر کی بربادی دیکھنے کی اذیت سے بچانا چاہتی تھی۔ اُس نے تبریز کو اٹھا لیا اور چل پڑی۔ تبریز اُس کے ساتھ یوں جارہا تھا جیسے ہپناٹائز کرلیا گیا ہو۔

صبح طلوع ہوئی تو حمص جلے ہوئے کھنڈروں میں تبدیل ہوچکا تھا۔ وہاں کوئی مسلمان زندہ نہیں رہا تھا۔ بڑی مسجد کے مینار کھڑے تھے۔ خطیب اور اس کے ساتھی مقابلے کے بغیر شہید ہوگئے تھے۔ اس وقت دیرا تبریز کو ساتھ لیے صلیبی فوج کی خیمہ گاہ تک پہنچ چکی تھی۔ تبریز کا دماغ بیدار ہوگیا۔ اُس نے دیرا سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا لینے آئی ہے۔ دیرا نے اُس کے وسوسے اپنی زبان کے کمال سے رفع کردیئے۔ اُسے ایک طرف کھڑا کرکے اُس نے ایک کماندار سے بات کی۔ کماندار نے اُسے کوئی راستہ سمجھایا۔ دیرا تبریز کو ساتھ لیے اُدھر چلی گئی۔

وہ جہاں پہنچے وہ شاہ بالڈوِن کی ذاتی خیمہ گاہ تھی جس پر محل کا گمان ہوتا تھا۔ محافظوں نے بہت کچھ پوچھ کر دیرا کو بالڈوِن کے خیمے میں جانے دیا۔ کچھ دیر بعد تبریز کو اندر بلایا گیا۔ بالڈون نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا — "یہ لڑکی تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔ اس نے ایسی خواہش کا اظہار کیا ہے جسے ہم رد نہیں کرسکتے۔ تمہیں کسی قسم کا شک یا ڈر نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں اپنا مذہب تبدیل نہیں کروں گا۔" تبریز نے کہا۔

"تمہیں مذہب تبدیل کرنے کو کس نے کہا ہے۔" دیرا نے کہا۔

"پھر کیا ہوگا؟" تبریز نے پوچھا۔ "میں یہاں رہ کر کیا کروں گا؟ مجھے واپس جانا ہے۔"

"تبریز!" دیرا نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرکے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور کہا — "میں نے تمہیں کیا کہا تھا۔ مجھے بھی وہیں جانا ہے جہاں تمہیں جانا ہے۔"

تبریز کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

☆

عزالدین کا ایلچی سلطان صلاح الدین ایوبی کا جواب لے کر کبھی کا عزالدین کے پاس پہنچ چکا تھا۔ سلطان ایوبی کی ہدایت کے مطابق عزالدین نے ابن لاعون سے ایک ملاقات کرلی تھی اور اُسے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ دوستی کرے گا اور سلطان ایوبی کو دھوکہ دے گا۔ اُس نے ابن لاعون کو ایسے سبز باغ دکھائے تھے کہ وہ پوری طرح اُس کے جھانسے میں آگیا تھا۔ اس کے بعد ابن لاعون اُسے ملنے قارا حصار آیا تھا۔ قارا حصار زرخیز اور سرسبز علاقہ تھا جسے دیکھ کر ابنِ لاعون کے چہرے پر رونق آگئی تھی۔

اس سے چند ہی روز بعد سلطان ایوبی اپنی فوج کے ساتھ قارا حصار کے قریب جا خیمہ زن ہُوا۔ اس کی فوج تھکی ہوئی تھی لیکن وہ آرام میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ حملے میں تاخیر ہو گئی تو ابن لاعون کو فوج کی آمد کی خبر مل جائے گی۔ اُسے توقع تھی کہ ابنِ لاعون کے ساتھ بڑا سخت مقابلہ ہوگا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر اُس نے حلب کی فوج کو بھی بلا لیا تھا۔ یہ اُس معاہدے کے تحت تھا جو سلطان ایوبی نے الملک الصالح کو شکست دے کر اُس کے ساتھ کیا تھا۔

آدھی رات سے کچھ دیر بعد سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو یلغار کے لیے کوچ کا حکم دیا۔ انٹیلی جنس رپورٹوں سے معلوم ہوگیا تھا کہ آرمینیوں کی چوکیاں کہاں کہاں ہیں اور ان میں کتنی کتنی نفری ہے۔ نفری جتنی بھی تھی وہ بے خبر پڑی تھی۔ عزالدین کی طرف سے تو انہیں حملے کا خطرہ ہی نہیں تھا اور سلطان ایوبی کا وہاں اتنی خاموشی سے پہنچ جانا اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی یلغار سہ طرفی تھی۔ ہر حملہ آور کالم کے ساتھ عزالدین کے مہیا کیے ہوئے گائیڈ تھے۔ سلطان اُس کالم کے ساتھ تھا جس نے نہرالاسود (دریائے سیاہ) کی طرف سے حملہ کیا تھا۔

یہ دریا ابنِ لاعون کے ملک کی سرحد تھا۔ اس پر کشتیوں کا پُل بنا ہُوا تھا۔ دریا کے کنارے آرمینیوں کا قلعہ محافظۃ الاحزان تھا۔ ابنِ لاعون اسی قلعے میں مقیم تھا۔ اُسے سر کرنے سے تمام تر علاقہ فتح ہوسکتا تھا۔ اسی لیے سلطان ایوبی اپنی فوج کے اس کالم کے ساتھ رہا۔ اس کی قیادت سلطان ایوبی کا بھتیجا فرخ شاہ کررہا تھا جو غیر معمولی طور پر بہادر اور حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ دوسرے دو کالموں نے چوکیوں پر حملے کرکے دشمن کی فوج کو ہلاک یا قید کرلیا اور چوکیوں کو آگ لگا دی۔ دہشت پھیلانے کے لیے بعض بستیوں کو بھی آگ لگا دی گئی۔

ابن لاعون کی آنکھ اُس وقت کھلی جب سلطان ایوبی کے جانباز کمندیں پھینک کر قلعے کی دیواروں پر چڑھ گئے تھے اور منجنیقوں سے وزنی پتھر پھینک کر قلعے کا دروازہ توڑا جاچکا تھا۔ قلعے میں فوج سوئی ہوئی تھی۔ ابنِ لاعون دوڑ کر قلعے کے ایک مینار پر گیا۔ دُور اُسے آگ کے شعلے نظر آئے۔ وہ ابھی سوچ بھی نہ پایا تھا کہ یہ کیا ہورہا ہے اور وہ کیا کرے کہ سلطان ایوبی کا ایک جانباز جیش اُس پر ٹوٹ پڑا۔

اُس کے محافظوں نے مقابلہ تو خوب کیا لیکن مارے گئے اور ابنِ لاعون کو قید کر لیا گیا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب ابن لاعون کو سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ سلطان ایوبی حکم دے چکا تھا کہ قلعے کو مسمار کر دیا جائے۔ اس کی فوج اس کام کے لیے کافی نہیں تھی۔ عزالدین بھی سلطان ایوبی کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی کے کہنے پر ابن لاعون نے ہر طرف قاصد اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ تمام فوج ہتھیار ڈال کر قلعے کے قریب آجائے .... فوج کے آنے تک سلطان ایوبی نے عزالدین کے کہنے پر ابنِ لاعون کے ساتھ صلح کی شرائط طے کر لیں۔ ان میں ایک یہ تھی کہ ابن لاعون اپنی آدھی فوج سلطان ایوبی کے حوالے کر دے۔ دوسری یہ کہ ابنِ لاعون کی فوج کی حد مقرر کر دی گئی۔ تیسری یہ کہ ابن لاعون سالانہ جزیہ دیتا رہے — اور ایسی چند اور شرائط تھی جنہوں نے ابن لاعون کو برائے نام حکمران رہنے دیا۔

جب ابن لاعون کی فوج ہتھیار ڈال کر قلعے کے قریب اکٹھی ہو گئی تو سلطان ایوبی نے اس فوج کو حکم دیا کہ قلعے کو اس طرح مسمار کر دے کہ اس کا یہاں نشان بھی نہ رہے۔ شکست خوردہ فوج نے اُسی وقت قلعہ مسمار کرنا شروع کر دیا اور سلطان ایوبی اپنی فوج کو مصافہ نام کے ایک گاؤں کے قریب لے گیا۔ اس نے حلب کی فوج واپس بھیج دی اور اپنی فوج کو آرام کی لمبی مہلت دی۔ ابنِ لاعون کی جو آدھی فوج اُس نے لے لی تھی وہ عزالدین کو دے دی، مگر سلطان ایوبی کو معلوم نہ تھا کہ اُس کی فوج کی خیمہ گاہ جس سلسلۂ کوہستان کے دامن میں ہے، اس کے اندر اور اس کی بلندیوں پر بالڈوِن کی فوج آچکی ہے اور وہ عقاب کی طرح اس پر جھپٹنے کو پر تول رہی ہے۔ سلطان ایوبی نے اس علاقے میں دیکھ بھال کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کیونکہ اُسے کسی فوج کا خطرہ نہیں تھا۔

تقریباً تمام مؤرخوں کی تحریروں سے حیرت کا اظہار ہوتا ہے کہ سلطان ایوبی نے عزالدین کے پیغام پر کیوں اپنا اتنا بڑا پلان تبدیل کر کے ابنِ لاعون جیسے غیر اہم حکمران پر فوج کشی کی جس میں اُس نے بے شک فتح حاصل کی لیکن جو وقت اور جو فوج ضائع ہوئی اُس کی قیمت زیادہ تھی۔ ارنول نام کا مؤرخ لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی ارد گرد کے خطروں کو کم کرنا چاہتا تھا۔ اُس وقت کے وقائع نگار جن میں اسدالاسدی قابلِ ذکر ہے، لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی عزالدین کا پیغام پڑھ کر جذبات کے غلبے میں آگیا تھا۔ بہرحال جنگ کے ماہرین نے سلطان ایوبی کے اس حملے کو سراہا نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ قریب ہی کہیں شاہ بالڈوِن کی فوج ہے جو سلطان ایوبی پر اُس وقت حملہ کر سکتی تھی جب وہ ایک ہی رات میں حاصل کی ہوئی فتح کے مابعد کے انتظامات میں مصروف تھا۔ مؤرخ اس پر بھی حیران ہیں کہ بالڈوِن نے اپنی فوج کو اُس وقت پہاڑی علاقے میں جنگی ترتیب میں پھیلا دیا تھا جب سلطان ایوبی کی فوج پہاڑیوں کے دامن میں خیمے گاڑ رہی تھی۔ شاہ بالڈوِن نے حملے میں تاخیر کی۔ کسی بھی مؤرخ کو معلوم نہیں کہ یہ اس کی شاہانہ حماقت تھی یا کوئی مجبوری، اگر وہ اُسی وقت حملہ کرتا تو سلطان ایوبی کی حالت وہی ہوتی جو رملہ میں ہوئی تھی۔ شکست، اور پسپائی!

☆

سلطان ایوبی کو وہاں خیمہ زن ہونے کے بعد بھی پتہ نہ چلا کہ شاہ بالڈوِن اس کے سر پر بیٹھا دانت تیز کر رہا ہے۔ بلندیوں سے بالڈوِن کے دیکھ بھال والے آدمی سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کو دیکھتے رہتے اور بالڈوِن کو بتاتے رہتے تھے۔ یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ سلطان ایوبی کا جاسوسی اور دیکھ بھال کا نظام ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

تبریز بھی اس فوج کے ساتھ تھا۔ دیرا نے ابھی تک اُسے بتایا نہیں تھا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ کیوں لے آئی ہے۔ وہ شاید اُسے عیسائی بنا کر جاسوس بنانا چاہتی تھی۔ اُس میں دونوں باتیں تھیں۔ صلیب کی وفاداری بھی اور تبریز کی محبت بھی۔ شاہ بالڈوِن کو تبریز کے ساتھ کوئی دلچسپی تھی یا نہیں اُسے دیرا کے ساتھ گہری دلچسپی تھی کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ ایک روز دیرا نے بالڈوِن سے کہا تھا کہ وہ اُسے اُس کے ہیڈ کوارٹر میں بھیج دے جو عکرہ میں تھا۔ بالڈوِن نے اُسے روک لیا تھا۔

یہ اُس جگہ کی باتیں ہیں جو حمص کے قریب تھی۔ ایک روز بالڈوِن کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ سلطان ایوبی کی فوج تل خالد کو جا رہی ہے۔ بالڈوِن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان ایوبی ابنِ لاعون پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ وہ اس علاقے سے واقف تھا۔ اُس نے فوراً اپنی فوج کو مصافہ کی پہاڑیوں کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اُس کا پلان یہ تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو ان پہاڑیوں میں گھسیٹ کر لڑائے گا۔ اس پلان کے مطابق اُس نے پہاڑیوں کی موزوں بلندیوں اور ڈھکی چھپی جگہوں میں اپنی فوج کو پھیلا دیا۔ یہ بہت بڑے پیمانے کی گھات تھی۔

اُس نے جب حمص کے قریب کی خیمہ گاہ سے کوچ کا حکم دیا تھا تو دیرا نے اُسے کہا کہ وہ اُس کے پاس پناہ لینے آئی تھی۔ تبریز کے متعلق اُس نے بالڈوِن کو ساری کہانی سنا کر بتایا تھا کہ وہ اُسے کیوں ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہے۔ اب جبکہ بالڈوِن لڑنے کے لیے جا رہا تھا دیرا اور تبریز کا اُس کے ساتھ رہنے کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ مگر بالڈوِن نے دیرا کو نہ جانے دیا۔

"میرے ہاں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں"۔ بالڈوِن نے کہا — "مگر تم پہلی لڑکی ہو جس نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم میرے پاس ہوتی ہو تو مجھے روحانی سکون محسوس ہوتا ہے۔ تم کچھ عرصہ اور میرے ساتھ رہو"۔

دیرا اپنے بادشاہوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ بالڈوِن کی نیت کو سمجھنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ اُس نے صاف الفاظ میں اُسے کہہ دیا — "اگر بات روحانی سکون کی ہے تو مجھے یہ سکون اس مسلمان سے ملتا ہے جس کا سارا کنبہ قتل کرا کے میں اُسے ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہوں۔ میں بتا نہیں سکتی کہ میں نے اسے اس کے کنبے کے قتل سے بے خبر رکھنے کا جو گناہ کیا ہے اس کا کفارہ میرا ضمیر مجھ سے کس طرح ادا کرائے گا"۔

"تمہاری بھی روح ہے؟" بالڈوِن نے طنزیہ کہا — "تمہارا ضمیر ہے؟ رافیں مسلمان امراء کے ساتھ گزارنے والی گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی بھی سوچ سکتی ہے؟"

"آپ کے سامنے میں صرف جسم ہوں، دلکش جسم"۔۔۔ دیرا نے کہا۔ "اور جب میں ہر برز کے پاس ہوتی ہوں تو روح ہوتی ہوں، پیار کی پیاسی روح"

بالڈوِن بادشاہ تھا۔ اُس نے بادشاہوں کی طرح حکم دیا۔۔۔ "تم میرے ساتھ رہو گی۔۔۔ اس نے دربان کو بلا کر کہا۔۔۔ "اس مسلمان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دو جو ہماری خیمہ گاہ میں رہتا ہے"

اور جب بالڈوِن معانہ کی پہاڑیوں میں پہنچا تبریز زنجیروں میں بندھا ہُوا قیدی تھا اور دیرا ایسی قیدی جسے زنجیر نہیں ڈالی گئی تھی، وہ محافظوں کے پہرے میں تھی۔ یہاں آکر بالڈوِن اپنی فوج کے ڈیپلائے میں معروف ہوگیا۔ فارغ ہُوا تو اُس نے دیرا کو تڑپانا شروع کر دیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ تبریز کو اپنے سامنے بلا لیتا۔ دیرا کو سامنے کھڑا کر لیتا اور حکم دیتا کہ تبریز کو کوڑے مارے جائیں۔ کوڑے تبریز کی پیٹھ پر پڑتے تو چیخیں دیرا کی نکل جاتی تھیں۔ بالڈوِن دیرا سے کہتا۔۔۔ "تم اپنے آپ کو مجھ سے بچا نہیں سکتیں، میں تمہیں اس زبان درازی کی سزا دے رہا ہوں جو تم نے میرے ساتھ کی تھی"

تبریز تو جیسے گونگا اور بہرہ ہوگیا تھا۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ اُسے یہ سزا دیرا دلا رہی ہے۔ دیرا کی چیخوں اور آہ و زاری سے وہ سمجھ گیا کہ دیرا بھی مظلوم ہے۔ تبریز برداشت کرتا رہا مگر ایک روز دیرا کی برداشت ٹوٹ گئی۔ وہ بالڈوِن کے پاس چلی گئی۔ اُس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور کہا کہ جب تک کہیں گے اور جس طرح کہیں گے آپ کے ساتھ رہوں گی، تبریز کو چھوڑ دیں۔

بالڈوِن کے حکم سے تبریز کی زنجیریں کھول دی گئیں اور اُس کی مرہم پٹی کا انتظام کر دیا گیا۔ دیرا شاہ بالڈوِن کی تنہائی کی رونق بن گئی۔

چند دنوں بعد بالڈوِن نے رات شراب اور دیرا کے حُسن سے بدمست ہو کر اُسے کہا۔۔۔ "اگر میں صلاح الدین ایوبی کو تبریز کی طرح زنجیروں میں باندھ کر تمہارے سامنے کھڑا کر دوں تو مان جاؤ گی کہ میں اتنا بُرا نہیں جتنا تم سمجھتی ہو؟"

"میں صلاح الدین ایوبی سے کہوں گی کہ میں ملکہ بالڈوِن ہوں"۔۔۔ دیرا نے کہا۔۔۔ "اپنی تلوار میرے قدموں میں رکھ دو"

"دو روز بعد میں تمہیں یہ کر کے دکھا دوں گا جو میں نے کہا ہے"۔۔۔ بالڈوِن نے کہا۔

"ممکن انکار نہیں آتا"۔۔۔ دیرا نے کہا۔

"تم نے دیکھا نہیں کہ صلاح الدین نے میرے قدموں میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے؟"۔۔۔ بالڈوِن نے کہا۔ "پرسوں صبح کی تاریکی میں ہم اُس پر حملہ کریں گے۔ پیشتر اس کے کہ اسے معلوم ہو کہ یہ کیا ہُوا ہے وہ میرا قیدی ہوگا۔ اُسے میری موجودگی کا علم نہیں"

☆

تبریز زندہ تھا۔ اس کے متعلق بالڈوِن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ چلا جائے، رہے یا کیا کرے۔ وہ

شاہی مہمان بنا ہُوا تھا۔ صبح طلوع ہوئی تو دیرا تبریز کے خیمے میں گئی۔ تبریز بے تابی سے اُسے ملا اور اس پر برسا۔

"زیادہ باتوں کا وقت نہیں"۔۔۔ دیرا نے اُسے کہا۔۔۔ "میں آج تمہارے احسان کا صلہ اور تمہاری محبت کا جواب دینا چاہتی ہوں۔ میں جو کہتی ہوں وہ کرنا۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں۔ تمہارا حمص تباہ ہو چکا ہے۔ وہاں نہ جانا۔ وہاں کھنڈر ہوں گے اور تمہیں وہاں اپنے گھر والوں کی ہڈیاں ملیں گی"۔۔۔ اُس نے تبریز کو اس تباہی کی اور تبریز کو بچانے کی تفصیل سنا کر کہا۔۔۔ "تمہیں بالڈوِن کی فوج سے انتقام لینا ہے۔ آج رات اس طرح پہاڑی علاقے سے نکل جاؤ کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔ صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ اور اُسے بتاؤ کہ صلیبی فوج تمہارے سر پر بیٹھی ہے اور پرسوں تم پر حملہ کرے گی"۔ دیرا نے اُسے بالڈوِن کے حملے کا سارا پلان بتا دیا اور کہا۔۔۔ "اب میری طرف نہ دیکھو ورنہ میاں سے بل نہیں سکو گے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہماری منزلیں جُدا جُدا ہیں۔ آج ہم دونوں نے اپنی اپنی منزل پا لی ہے"

اگر دیرا اُسے حمص کی تباہی اور قتلِ عام کی کہانی نہ سناتی تو تبریز وہاں سے اتنی جلدی نہ چلتا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لے کر دیرا سے جُدا ہُوا۔۔۔ شام تاریک ہوتے ہی وہ چپکے سے نکلا اور بچتا بچاتا نکل آیا۔ سلطان ایوبی کی فوج کی خیمہ گاہ میں آیا اور کہا کہ وہ سلطان کے پاس جانا چاہتا ہے۔ اسے وہاں پہنچا دیا گیا۔ سلطان ایوبی نے اُس کی ساری داستان تحمل سے سنی اور اُس سے بالڈوِن کی فوج اور اُس کے پلان کے متعلق پوری اطلاع لی۔ اس نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلایا اور ضروری احکام دیئے۔

شاہ بالڈوِن نے تیسری رات کے آخری پہر سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ پر حملہ کیا مگر وہ صرف خیمے تھے، فوج نہیں تھی۔ اچانک فضا میں نیلتے والے تیروں کے شرارے اُڑے اور خیموں پر گرے۔ خیمے جن کے اندر خشک گھاس اور اس پر آتش گیر سیال چھڑکا ہُوا تھا۔ مہیب شعلے بن گئے۔ بالڈوِن نے یہ حالت دیکھی تو اُس نے اپنے مزید دستوں کو حملے کے لیے بھیجا۔ اُن پر دائیں اور بائیں سے تیروں کی بوچھاڑیں پڑیں۔ صبح ہوگئی بالڈوِن کی اس فوج پر جو وادیوں میں چھپی ہوئی تھی حملہ ہوگیا۔ تب بالڈوِن کو احساس ہُوا کہ اُس نے سلطان ایوبی کو بے خبری نہیں میں لیا بلکہ وہ خود سلطان ایوبی کی گھات میں آگیا ہے۔

بالڈوِن ایک بلندی پر جا کھڑا ہُوا اور اپنی فوج کا حشر دیکھنے لگا۔ عقب سے اُس پر تیر آئے مگر وہ اس کے دو محافظوں کو لگے۔ وہ بھاگ کر نیچے اُترا تو آگے سے سلطان ایوبی کے سپاہی آگئے۔ بالڈوِن ایک تنگ سے راستے سے نکل بھاگا۔

اکتوبر ۱۱۷۹ء (۵۷۵ ہجری) کے اس معرکے میں بالڈوِن قیدی ہوتے ہوتے بچا۔ سلطان ایوبی نے رملہ کی شکست کا انتقام لے لیا جس سے اس کی فوج کا حوصلہ بلند اور خود اعتمادی بحال ہوگئی۔۔۔ اور دیرا اور تبریز تاریخ کی تاریکیوں میں روپوش ہوگئے۔

☆

جب بیٹا مر رہا تھا

رضیع خاتون کو خادمہ نے اطلاع دی کہ اُسے اُس کی بیٹی شمس النسا ملنے آئی ہے۔ رضیع خاتون کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ پھر ان آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ماں بیٹی اُس وقت جدا ہوئی تھیں جب بیٹی کی عمر نو سال تھی۔ اب بیٹی پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ ماں کو دوڑ کر باہر نکل جانا اور اپنی بچھڑی ہوئی بیٹی کو سینے سے لگا لینا چاہیئے تھا مگر ماں نے غصے سے پوچھا۔ "وہ کیوں آئی ہے؟"

"آپ سے ملنے آئی ہے خاتون!"۔ خادمہ نے کہا۔ "شاید آپ کے پاس واپس آگئی ہے۔"

ماں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ خادمہ منتظر کھڑی تھی۔ ماں نے کہا۔ "اُسے کہو واپس چلی جائے اپنے غدار بھائی کے پاس جائے۔ میرے سامنے آنے کی جرأت نہ کرے۔"

"یہ تو اُس وقت بچی تھی جب آپ کا بیٹا اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا"۔ خادمہ نے کہا۔ "معصوم بچی کو کیا معلوم تھا کہ بھائی اسے کہاں لے جا رہا ہے۔"

"میں جانتی ہوں اسے بھائی نے بھیجا ہے"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "اور میں یہ بھی جانتی ہوں کیوں بھیجا ہے۔ میرا بیٹا غدار اور بے غیرت ہے.... میں بیٹی سے نہیں ملوں گی۔"

رضیع خاتون نور الدین زنگی مرحوم کی بیوہ تھی۔ آپ اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ اسلام کی عظمت کا پاسبان نور الدین زنگی فوت ہو گیا تو اس کے امراء وزراء اور بعض فوجی حکام نے سن مانی کرنے کے لیے اس کے بیٹے الملک الصالح کو سلطان بنا دیا تھا۔ الصالح کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ شمس النسا اس کی چھوٹی بہن تھی۔ عمر آٹھ نو سال تھی۔ زنگی مرحوم کی سلطنت کے تحت بعض امراء اور قلعہ داروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور وہ بغداد کی خلافت تک سے آزاد ہو گئے۔ ان سب نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی مصر میں تھا۔ زنگی مرحوم اور سلطان ایوبی کے خلاف ان امراء وغیرہ کو یہ شکایت تھی کہ ان دونوں نے عیش و عشرت ممنوع قرار دے رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے جینے کا مقصد صرف یہ بنا رکھا تھا کہ صلیبیوں کے عزائم کو تہس نہس کریں گے، فلسطین کو آزاد کرائیں گے اور سلطنتِ اسلامیہ کو وسعت دیں گے۔

باغی امراء پر صلیبیوں کے اثرات بھی تھے۔ اسی لیے وہ عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ صلیبیوں کی بھیجی ہوئی لڑکیوں اور زر و جواہرات نے ان کا ایمان خرید لیا تھا۔ نور الدین زنگی تو فوت ہو ہی گیا تھا،

اب یہ لوگ سلطان ایوبی کو شکست دے کر اس کی حکمرانی کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ زنگی مرحوم کی آدھی فوج باغی کر لی گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ صرف سات سو سواروں کے ساتھ دمشق میں داخل ہوا۔ شہریوں نے اس کا استقبال کیا۔ شہر کے قاضی نے اسے شہر کی چابی دے دی مگر فوج کا جو حصہ باغی تھا وہ لڑا۔ یہ خانہ جنگی تھی۔ نورالدین زنگی کی بیوہ سلطان ایوبی کی حامی تھی۔ وہ اپنے خاوند کے مقاصد کی تکمیل چاہتی تھی۔

ایک ہی رات میں باغی فوج کو شکست ہوئی۔ رات ہی رات الملک الصالح، اُس کے حاشیہ بردار اُمراء اور دو تین سالار اور باغی فوج دمشق سے بھاگ کر حلب چلے گئے۔ الملک الصالح اپنی بہن شمس النسار کو بھی ساتھ لے گیا۔ جن اُمرا اور قلعہ داروں نے خود مختاری کا اعلان کیا ان میں حران کا قلعہ دار گمشتگین اور موصل کا امیر سیف الدین غازی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ الملک الصالح نے حلب کو اپنا دارالحکومت بنا لیا، پھر یہ شہر اس کی فوج، گمشتگین اور سیف الدین کی افواج کا مشترکہ ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ ان سب کے پاس صلیبی مشیر آ گئے۔ ان کے ساتھ شراب اور لڑکیاں بھی آئیں جو صرف خوبصورت ہی نہیں تھیں بلکہ جاسوسی اور ذہنی تخریب کاری کی ماہر تھیں۔ صلیبیوں نے انہیں برائے نام جنگی مدد بھی دی اور اپنی پراپیگنڈہ مشینری کو اس طرح استعمال کیا کہ ان کے دلوں میں سلطان ایوبی کی مخالفت پختہ ہو گئی۔

نورالدین زنگی کی بیوہ رضیع خاتون دمشق میں رہی جہاں اُس نے لڑکیوں کو فوجی ٹریننگ دینے کا انتظام کر لیا اور اُس نے جہاں ضرورت پڑی ان لڑکیوں کو استعمال کیا۔ وہ جوانی کی عمر میں تھی۔ اُس کا خاوند مر چکا تھا اُس سے دو ہی بچے تھے۔ دونوں اس سے چھن گئے۔ وہ معصوم بچے تھے۔ ماں نے سینے پر سل رکھ لی اور اپنے آپ کو یہ یقین دلا لیا کہ اس کے بچے بھی مر گئے ہیں مگر کبھی کبھی مامتا اُبھر آتی تھی اور اُس کے آنسو نکل آتے۔ سلطان ایوبی نے اپنے جاسوس حلب، حران اور موصل میں بھیج دیئے تھے۔ وہ بڑی خطرناک اطلاعیں بھیج رہے تھے۔ وہاں صلیبیوں کی زیرِ نگرانی زور و شور سے سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے مصر سے فوج بلا لی۔ دمشق کی فوج کا بڑا حصہ اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے پہلے تو تمام باغی امراء کو پیغام بھیجے کہ وہ عظمتِ اسلام کی خاطر صلیبیوں کے ہاتھوں میں نہ کھیلیں اور اُس کا ساتھ دیں تاکہ صلیبیوں کو عالمِ اسلام سے بے دخل کر کے یورپ پر چڑھائی کی جائے مگر اُن ایمان فروشوں نے سلطان ایوبی کے ایلچیوں کا مذاق اُڑایا اور جواب دیئے بغیر واپس بھیج دیا۔ گمشتگین نے جو قلعہ دار سے خود مختار حاکم بن گیا تھا، سلطان ایوبی کے دو ایلچیوں کو قید میں ڈال دیا۔

سلطان ایوبی نے پیش قدمی کی۔ نورالدین زنگی کی بیوہ دمشق سے دو کوس تک اُسے رخصت کرنے گھوڑے پر سوار اُس کے ساتھ گئی اور بوقتِ رخصت کہا ــــ "اگر میرا بیٹا تمہارے تیر اور تلوار کی زد میں آئے تو بھول جانا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ وہ غدار ہے۔ اُس کی لاش ملے تو دفن نہ کرنا۔ گدھوں اور گیدڑوں کے

آگے پھینک دینا" ــــ ماں کی آنکھیں خشک تھیں لیکن سلطان ایوبی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رضیع خاتون اُس سے چھوٹی تھی۔ اُس نے سلطان ایوبی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما اور کہا ــــ "اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے" ــــ وہ بہت دیر تک فوج کو جاتے دیکھتی رہی تھی۔

یہاں سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا طویل اور خون میں ڈوبا ہوا دور شروع ہو گیا۔ آپ ان تمام لڑائیوں کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں جو سلطان ایوبی کو مسلمان امراء کے خلاف لڑنی پڑیں۔ صلیبیوں نے یہ پلان بنایا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی بجائے انہیں آپس میں لڑایا جائے اور ان کے اتحاد کے ساتھ ساتھ ان کی جنگی طاقت کو بھی ختم کیا جائے۔ اس دوران انہوں نے حسن بن صباح کے فدائیوں سے سلطان ایوبی پر قاتلانہ حملے بھی کرائے۔ اللہ نے ہر بار اسلام کی عظمت کے اس پاسبان کو بچا لیا۔ مسلمان تین چار سال آپس میں لڑ لڑ کر مرتے رہے۔ سلطان ایوبی کو خدائے ذوالجلال نے ہر میدان میں فتح عطا فرمائی۔ ایک لڑائی میں زنگی کی بیوہ کی بھیجی ہوئی سینکڑوں لڑکیوں نے بھی معرکہ لڑا اور معرکے کا پانسہ پلٹ دیا تھا مگر سلطان ایوبی نے سختی سے حکم دے دیا کہ آئندہ کوئی عورت میدانِ جنگ میں نہ آئے۔

آخری معرکے میں سلطان ایوبی حماۃ تک جا پہنچا اور حلب کا دفاعی قلعہ اعزاز لے لیا۔ الملک الصالح نے اپنی بہن شمس النسار کو اپنے ایلچیوں کے ساتھ سلطان ایوبی کے پاس صلح کے معاہدے کے لیے بھیجا اور بہن سے یہ بھی کہلوایا کہ اعزاز کا قلعہ انہیں واپس دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے بہن کو گلے لگا لیا۔ الملک الصالح کی پیش کش منظور کر لی۔ اعزاز کا قلعہ بہن کو دے دیا۔ چند اور شرائط طے کر کے الملک الصالح کو حلب کا نیم خود مختار حکمران رہنے دیا۔ ان شرائط میں یہ بھی تھا کہ سلطان ایوبی کو جب فوج کی ضرورت پڑے گی الملک الصالح اسے فوج دے گا۔ یہ صلح کا معاہدہ تھا۔ گمشتگین کو الملک الصالح نے اپنے خلاف سازش کے جرم میں مروا دیا تھا۔ باقی امراء نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی۔

پچھلی قسط میں آپ نے پڑھا ہے کہ سلطان ایوبی نے قارا حصار کے حکمران ابنِ لاعون کو شکست دی۔ اس جنگ میں معاہدے کے مطابق حلب سے بھی فوج بھیجی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے ایک صلیبی بادشاہ بالڈون کو جو سلطان ایوبی پر حملہ کرنے آیا تھا، بہت ہی بری شکست دی۔ بالڈون فید ہوتے ہوتے بچا اور اُس کی فوج کا انجام بہت ہی برا ہوا۔ اب سلطان ایوبی انہی علاقوں میں کہیں خیمہ زن تھا اور صلیبی اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اُس کی اگلی پیش قدمی کس طرف ہو گی۔

☆

نومبر ۱۱۷۴ء (رجب ۵۷۰ھ) کا واقعہ ہے کہ الملک الصالح کی چھوٹی بہن شمس النسار حلب سے دمشق اپنی ماں کو ملنے آئی۔ وہ ماں سے جدا ہوئی تو اس کی عمر آٹھ نو سال تھی۔ اب وہ پندرہ سولہ سال

کی جوان لڑکی تھی۔ الملک الصالح سترہ اٹھارہ سال کا جوان ہو گیا تھا۔ شمس النسار کے ساتھ محافظ بھی تھے۔ خادمہ نے نورالدین زنگی کی بیوہ کو بتایا کہ اُس کی بیٹی آئی ہے۔ اُس نے بیٹی سے ملنے سے انکار کر دیا۔ خادمہ بھی عورت تھی۔ اُس نے رضیع خاتون کو قائل کرنے کے لیے مامتا کا واسطہ دیا اور کہا ــــ "وہ اتنی دُور سے اتنے عرصے بعد آئی ہے۔ اسے اندر بلا کر کہہ دیں کہ وہ چلی جائے۔"

"مامتا مر چکی ہے" ــــ رضیع خاتون نے کہا۔

اتنے میں کمرے میں ایک نوجوان لڑکی داخل ہوئی۔ اس کے چہرے، بالوں اور کپڑوں پر گرد کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ لمبے سفر سے آئی ہے۔ رضیع خاتون نے حیران ہو کر اُسے دیکھا اور پوچھا ــــ "تم کون ہو؟"

لڑکی خاموش کھڑی رہی۔ خادمہ ایک طرف ہٹ گئی۔ رضیع خاتون آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اُس کے بازو اپنے آپ ہی پھیلتے جا رہے تھے۔ اس کے منہ سے سرگوشی نکلی ــــ "تم میری بچی ہو۔ شمس النسار۔ میری شمسی" ــــ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی ــــ "تم اتنی بڑی ہو گئی ہو" ــــ شمس النسار دروازے کے پاس خاموش کھڑی رہی۔

رضیع خاتون اپنی بیٹی سے دو تین قدم دُور رہ گئی تو رک گئی۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو اُس کے پہلوؤں میں گر پڑے۔ اُس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ دو تین قدم آگے جانے کی بجائے وہ دو تین قدم پیچھے ہٹ آئی۔ اُس کے دانت جو مسکرائے تھے غصے سے پسنے لگے۔ مامتا جو اپنے آپ بیدار ہو گئی تھی اپنے آپ بجھ گئی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" ــــ ماں نے دبی ہوئی مگر تہمر بھری آواز میں پوچھا۔

"ماں!" ــــ شمس النسار نے بندھی ہوئی آواز میں کہا اور بازو پھیلا کر آگے بڑھی ــــ "میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔ میں نے بارہ روز کی مسافت تین دنوں میں طے کی ہے۔"

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" ــــ ماں نے بلند آواز سے پوچھا اور کہا ــــ "دُور کھڑی رہو۔ میں صلیبیوں کے سائے میں پلی ہوئی لڑکی کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔"

"ماں! میری بات سن لو" ــــ بیٹی نے منت کی ــــ "میرے اوپر جو گرد پڑی ہے اسے دیکھو۔ اس گرد سے مجھے مجاہدینِ اسلام کے خون کی بُو آ رہی ہے۔" ــــ ماں نے کہا ــــ "یہ اُن مجاہدین کا خون ہے جو میرے بیٹے کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ یہ خانہ جنگی کا خون ہے۔"

"ماں!" ــــ شمس النسار دوڑ کر آگے آئی اور ماں کے قدموں میں گر پڑی۔ رو رو کر کہنے لگی ــــ "بھائی الملک الصالح مر رہا ہے۔ شاید مر چکا ہو۔ وہ آپ کو بلا رہا ہے۔ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ اُس نے مجھے بھیجا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ ماں کو لے آؤ، میں اُس سے دودھ کی دھاریں اور گناہ بخشواؤں گا۔"

"میں اُسے دودھ کی دھاریں بخش سکتی ہوں" ــــ ماں نے کہا ــــ "اُسے وہ خون کون بخشے گا

جو اُس نے مسلمان کی اولاد ہو کر مسلمانوں کا بہایا ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی غداری کا ماتم نہیں کر سکتی۔"

"ماں! وہ آپ کا اکلوتا بیٹا ہے" ــــ شمس النسار نے کہا۔ "وہ آپ کے عظیم شوہر کی نشانی ہے۔"

"اُس نے باپ کی عظمت کو صلیبیوں کے قدموں تلے پھینک دیا ہے" ــــ ماں نے کہا

"وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکا ہے" ــــ شمس النسار نے کہا ــــ "اب ان کی آپس میں کبھی لڑائی نہیں ہو گی۔"

"کیا تم مجھے حلفیہ بتا سکتی ہو کہ اُس کے ہاں کوئی صلیبی موجود نہیں؟" ــــ ماں نے تڑپ کر بیٹی سے پوچھا ــــ "کیا اُس کے حرم میں کوئی صلیبی اور یہودی لڑکی نہیں؟ وہ اب اٹھارہ سال کا جوان ہو گا۔ اُس کے نیچے اب گھوڑا بھی محسوس کرتا ہو گا کہ پیٹھ پر کوئی مرد سوار ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ میرے بیٹے کے دربار سے صلیب کے مکروہ سائے اٹھ گئے ہیں تو تم نے بارہ روز کی جو مسافت تین دنوں میں طے کی ہے وہ میں ڈیڑھ دن میں طے کر کے اپنے بیمار بیٹے کے پاس پہنچوں گی۔"

"وہ اب کسی لڑکی کو دیکھنے کے بھی قابل نہیں رہا ماں!" ــــ بیٹی نے کہا ــــ "اُس کی زندگی کے لیے دعا کرو۔"

"میں دعا نہیں کروں گی" ــــ ماں نے کہا ــــ "اور میں بددعا بھی نہیں دوں گی۔" ــــ اُس کی آواز کو جذبات نے دبا لیا۔ وہ رقت میں دبی ہوئی آواز میں بولی ــــ "میں بددعا نہیں دیا کرتی لیکن میں کی ہوئی کو خدائے ذوالجلال نظر انداز بھی نہیں کیا کرتے۔ میں روزِ محشر اُن ہزارہا شہید ہونے والی ماؤں اور بیٹیوں کے آگے شرمسار بھی نہیں ہونا چاہتی جو میرے بیٹے کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں۔ میں ان شہیدوں کی مقدس روحوں کو اپنی مامتا کے خون کا خراج دوں گی۔"

"وہ اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہا ہے ماں!" ــــ بیٹی نے روتے اور چلاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی مجھے فریب نظر آتا ہے" ــــ ماں نے کہا ــــ "مجھے معلوم ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب کو تہہ تیغ کر لیا تو اُس نے تمہیں صلاح الدین ایوبی کے پاس حرّان کے قلعے کی بھیک مانگنے کو بھیجا تھا۔ اس عظیم سلطان نے تمہیں اپنی بیٹی سمجھ کر قلعہ تمہیں بخش دیا تھا۔ الصالح خود سلطان کے سامنے کیوں نہیں آیا تھا؟ اُس نے شکست کھائی تھی تو اُسے اپنے گناہوں سے شرمسار ہونا چاہیے تھا۔ اُسے خود آ کر اپنی تلوار ایوبی کے قدموں میں رکھ دینی چاہیے تھی۔ ایوبی اُس کا دشمن نہیں تھا۔ اُسے وہ ماموں جان کہا کرتا تھا۔ مگر اپنا ایمان نیلام کر دینے والوں میں اپنے گناہوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ وہ بزدل اور فریب کار ہو جاتے ہیں، عیّار اور مکّار ہو جاتے ہیں۔"

"پتھر دل نہ بنو ماں!" ــــ شمس النسار نے کہا۔

"ہر وہ شہید جو اس خانہ جنگی میں شہید ہوا ہے اُس کی ماں نے دل پر پتھر رکھا ہوا ہے۔" ــــ ماں نے کہا ــــ "وہ کسی کو بتاتے ہوئے شرمسار ہوتی ہیں کہ انہوں نے جو بیٹے اسلام کے دشمنوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجے تھے وہ آپس میں لڑ کر مارے گئے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟.... میرا بیٹا!"

"وہ اُس وقت بہت چھوٹا تھا ماں!"

"تو میرے پاس رہتا"۔ ماں نے کہا۔ "اُس کا شعور جب بیدار ہو گیا تھا تو میرے پاس آجاتا۔ حلب سلطان ایوبی کے حوالے کر دیتا۔۔۔ تم چلی جاؤ۔ تم جلدی چلی جاؤ۔ اگر اسلام کی مائیں جذبات میں اُلجھ گئیں تو اللہ کی راہ میں کوئی بیٹا شہید نہیں ہوگا۔ میں مامتا کو مار چکی ہوں۔ مامتا شہید ہو چکی ہے"۔

"مائیں اپنی بیٹیوں کو یوں رخصت کیا کرتی ہیں ماں؟"

"تو میرے پاس رہو"۔ ماں نے کہا۔ "مگر اس شرط پر کہ میرے سامنے بھائی کا کبھی نام نہیں لو گی"۔

"ماں! یہ ممکن نہیں"۔ بیٹی نے کہا۔ "جس بھائی نے مجھے پالا پوسا ہے اُس کا نام میں کیوں نہیں لوں گی"۔

"تو اُسی کے پاس چلی جاؤ"۔ ماں نے کہا۔ "تم صلیبیوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہو۔ یہاں کی بیٹیوں کو دیکھو۔ اسلام کے نام پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ میں جب انہیں جنگی تربیت دیتی اور انہیں ڈانٹتی اور جھڑکتی ہوں تو ڈرتی ہوں کہ ان میں سے کوئی مجھے یہ نہ کہہ بیٹھے کہ ذرا اپنی بیٹی کی بھی خبر لو۔۔۔ کیا تم اس غلیظ حقیقت کو جھٹلا سکتی ہو کہ میرا بیٹا صلیبیوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتا ہے اور اُس کے حرم میں صلیبی اور یہودی لڑکیاں ہیں؟"

شمس النساء کا سر جھک گیا۔ وہ انکار نہ کر سکی۔

"اپنی ماں کے گھر کا کھانا قبول کر لو اور جاؤ"۔ ماں نے کہا۔ "اگر میرا بیٹا زندہ ہوا تو اُسے کہنا کہ ماں نے تمہیں دودھ کی دھاریں بخش دی ہیں مگر شہیدوں کا خون نہیں بخشتا۔ اُسے کہنا کہ تمہارے سینے میں صلیبیوں کا تیر اُتر گیا ہوتا اور تم سلطنتِ اسلامیہ کے جھنڈے کے سائے میں گر کر جان دیتے تو تمہاری ماں اُڑ کر پہنچتی اور تمہاری لاش کو سینے سے لگا کر دشتِ لاتی اور فخر سے کہتی کہ یہ ہے میرے شہید بیٹے کا مزار۔۔۔ اب میں کیا کہوں؟ ماں کا فخر بیٹے نے چھین لیا ہے"۔

شمس النساء کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اُس نے سر اٹھایا تو اُس کے رخساروں پر گرد کی جو تہہ جمی ہوئی تھی، اس میں سے آنسوؤں نے ندی کی طرح راستہ بنا لیا تھا۔ اس نے دوزانو ہو کر ماں کے کرتے کا دامن پکڑا، چوما، آنکھوں سے لگایا اور اُٹھ کر کہا۔ "وہ میرا بھائی ہے۔ بچپن کا ساتھی ہے۔ شاید زندہ نہ رہے۔ میں اُس کے پاس ضرور جاؤں گی۔ طبیبوں نے کہہ دیا ہے کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ میں اُس کے کفن دفن کے بعد آپ کے قدموں میں آ بیٹھوں گی"۔

"کس لیے؟"۔ ماں نے طنزیہ پوچھا۔

"اُس بچے کو جنم دینے کے لیے جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گا"۔ بیٹی نے کہا۔ "آپ کے بیٹے کے عوض میں آپ کو ایک بچہ دوں گی جس کی قبر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر آپ فخر سے کہہ سکیں گی کہ یہ میرے شہید بیٹے کا مزار ہے۔۔۔۔ میں آؤں گی ماں۔ میں آؤں گی۔ میری شادی کا انتظام کر رکھنا۔ میں آنکھیں بند

کر کے آئی تھیں، آنکھیں کھول کر جا رہی ہوں۔ مجھے اجازت دو کہ بھائی کو اپنے ہاتھوں کفن دینا سکوں۔۔۔۔ الوداع ماں! الوداع"۔

لڑکی جو دبے پاؤں، آہستہ آہستہ چلتی اندر آئی تھی، سینہ پھیلا کر، گردن تان کر بے خوف بھرتی کمرے سے نکل گئی۔ رضیع خاتون اُسے دیکھتی رہی۔ دروازہ بند ہوا تو اُس نے بازو پھیلا دیئے اور وہ دروازے تک گئی۔ اُس کے منہ سے چیخ سی نکلی۔ "میری بچی!"۔ اُس نے دروازہ قدرے کھولا۔ باہر سے اُسنے اپنی بچی کی آواز سنائی دی جو بڑی ہی گرجدار تھی۔ "بن آدم! تمام سواروں کو جلدی بلاؤ، حلب کو واپسی کے لیے، فوراً"۔

ذرا سی دیر بعد ماں نے ذرا سے کھلے ہوئے کواڑ میں سے دیکھا۔ اُس کی بیٹی گھوڑے پر سوار تھی۔ سواروں کے آگے چلی جا رہی تھی جو اُس کے حکم پر تیز ہو گئے۔ رضیع خاتون نے کواڑ بند کر دیا اور اُس کی ہچکی بندھ گئی۔ خادمہ اندر آئی تو رضیع خاتون نے روتے ہوئے کہا۔ "وہ بھوکی چلی گئی ہے"۔

☆

یہ نومبر ۱۱۸۱ء کا واقعہ ہے جب ماں بیٹی کی ملاقات ہوئی تھی۔ دو سال پہلے کا واقعہ ہے جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ابن لاعون کو ایسی شکست دی کہ اُس کا قلعہ اُسی کی فوج کے جنگی قیدیوں سے اس طرح مسمار کرا دیا تھا کہ اس کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ اس کا ملبہ دریا میں پھینک دیا گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے صلیبی بادشاہ بالڈوِن کو شکست دی تھی۔ یہ دراصل ایک مسلمان جاسوس کا کارنامہ تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو بروقت اطلاع دے دی تھی کہ فوج فلاں پہاڑی مقام پر گھات میں بیٹھی ہے۔ آپ نے ان دونوں جنگوں کی تفصیلات پچھلی قسط میں پڑھی ہیں۔

یہ بالڈوِن کی دوسری پسپائی اور پٹائی تھی۔ اس سے پہلے وہ سلطان ایوبی کے بھائی العادل سے ایسی ہی شکست کھا چکا تھا۔ اب سلطان ایوبی نے اُسے اٹھنے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا لیکن وہاں وہ اکیلا صلیبی بادشاہ نہیں تھا۔ عالمِ اسلام میں کئی صلیبی افواج موجود تھیں۔ اُن کے حکمران دل سے ایک دوسرے کے خلاف تھے لیکن اُن کا دشمن مشترک تھا اس لیے وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ ہر ایک کے دل میں یہی تھا کہ وہ اکیلا زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قابض ہو جائے۔ اسی مقصد کے تحت بالڈوِن نے اکیلے العادل اور اس کے بعد سلطان ایوبی سے جنگیں لڑی تھیں۔ اُس کے پاس فوج اور وسائل کی کمی نہیں تھی۔ اُس کا اسلحہ بھی برتر تھا اور اس کے جانور بھی بہتر تھے لیکن ہار گیا۔

کچھ عرصہ تو اُسے بکھری ہوئی فوج اکٹھی کرنے میں لگ گیا۔ اس دوران اُسے اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی ابنِ لاعون کو بھی شکست دے کر اس کی بادشاہی اور جنگی طاقت کمزور کر آیا ہے۔ ابنِ لاعون آرمینی تھا۔ آرمینی صلیبیوں کے دوست تھے۔ ان کی شکست صلیبیوں کے لیے اچھی خاصی چوٹ تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اطلاع ملی کہ ابن لاعون کی سلطنت تل خالد اور اس کے قلعے قارا حصار

پر حملے میں سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ الملک الصالح کی فوج کے دستے بھی تھے تو وہ بے چین ہو گیا۔ یہ تو اُسے اور دوسرے صلیبی حکمرانوں کو پتہ چل چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے الملک الصالح کو شکست دے کر اپنا خود مختار امیر بنا لیا ہے مگر انہیں یہ توقع تھی کہ الصالح اس معاہدے پر عمل نہیں کرے گا۔ یہ الصالح کی فطرت تھی۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کے تابع ہو گیا تھا مگر اُس نے صلیبیوں کے ساتھ مراسم نہیں توڑے تھے۔ اب بالڈوِن کو پتہ چلا کہ الصالح نے سلطان ایوبی کو فوج دی تھی تو وہ یروشلم چلا گیا جہاں صلیبی بادشاہوں کا ہیڈ کوارٹر بن گیا تھا۔ دوسرا ہیڈ کوارٹر عکہ تھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان پھر متحد ہو رہے ہیں؟" بالڈوِن نے صلیبی حکمرانوں اور جرنیلوں کی کانفرنس میں کہا۔ "الملک الصالح کو آپ لوگ اپنا اتحادی سمجھتے رہے اور اُس نے اپنی فوج صلاح الدین کو دے دی تھی؟"

"ابنِ لاعون کی شکست ہماری شکست ہے۔" فلپس آگسٹس نے کہا۔ "اگر آپ گھات میں بیٹھنے کی بجائے ابن لاعون کی مدد کو پہنچتے، صلاح الدین پر عقب سے حملہ کر دیتے تو شکست اس کی ہوتی؟"

"جس طرح آپ میں سے کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ صلاح الدین نے پیش قدمی کا رُخ بدل کر تل خالد کا رُخ کر لیا ہے اس طرح مجھے بھی معلوم نہ ہو سکا۔"

"یہ آپ کے نظامِ جاسوسی کی کوتاہی ہے۔" گے آف لوزینان نے کہا۔ "ہم بہت دُور تھے۔ دیکھ بھال اور جاسوسی کا انتظام آپ کو کرنا چاہیے تھا۔ آپ قریب تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج آپ کے قریب سے گزر گئی۔ آپ کو پتہ نہ چل سکا۔ آپ گھات میں چھپے رہے؟"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایک مسلمان جاسوس ہے۔" بالڈوِن نے کہا۔ "میں اُسے بے ضرر آدمی سمجھتا رہا۔ وہ میرا قیدی تھا مگر بھاگ گیا اور سلطان ایوبی کو گھات کی خبر دے دی۔۔۔۔ لیکن اب یہ سوچنا ہے کہ ایوبی اور الصالح کا معاہدہ اور اتحاد کس طرح توڑا جائے۔"

"کیا آپ مسلمانوں کی کمزوریوں کو بھول گئے ہیں یا انہیں نظر انداز کر رہے ہیں؟" ایک اور صلیبی بادشاہ نے کہا۔ "اُس وقت الصالح بچہ تھا جب ہم نے اُس کے مشیروں، امیروں اور مالاروں کو تحفے تحائف اور عیاشی کا سامان دے کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اب وہ جوان ہو گیا ہے۔ اسے اب ہاتھ میں لینا زیادہ آسان ہے۔ اپنا حربہ استعمال کریں اور مخصوص تحفہ اپنے ایلچی کے ہمراہ بھیج دیں۔ اگر آپ جنگی قوت سے اُسے ساتھ ملانے کی سوچ رہے ہیں تو یہ خیال ذہن سے نکال دیں۔ سلطان ایوبی کی فوج اس علاقے میں موجود ہے۔ العادل بھی اپنی فوج کے ساتھ یہیں ہے۔ الصالح کے پاس اپنی فوج کے علاوہ حرّان اور موصل کی فوج بھی ہے۔ اگر آپ نے حلب پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی تمام افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اگر اُس نے ہم پر فتح حاصل نہ کی تو یہ نقصان ضرور ہو گا کہ الصالح آپ کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔ ہمیں سلطین کا دماغ کرتا ہے۔ ہم نے اپنی افواج کو مختلف جگہوں پر پھیلا دیا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ صلاح الدین کدھر کا رُخ کرتا ہے۔ اور اُس نے عزائم کیا ہیں۔ اِن حالات میں ہم آپ کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ آپ اپنے طور پر الصالح کو ہاتھ میں لینے کی

☆

۱۱۸۰ء میں والئ موصل سیف الدین غازی مر گیا۔ اس کی جگہ عزالدین مسعود نے ریاست سنبھال لی۔ اسی سال سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی شمس الدولہ توران شاہ سالنامہ میں نیابت دے کر سلطان ایوبی مصر چلا گیا۔ وہاں کے حالات پھر بگڑنے لگے تھے۔ وہ اپنی فوج اپنے بھائی العادل کی کمان میں پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

پھر ۱۱۸۱ء کا سال آ گیا۔ بالڈوِن نے اپنی فوج کی کمی پوری کر لی تھی۔ اُسے کمک بھی دے لی تھی۔ اُس نے اپنی فوج کو سلطان ایوبی کی چالوں کے مطابق جنگی مشقیں بھی کرائی تھیں۔ وہ فوجی جنگ کے لیے تیار تھا لیکن الملک الصالح کو وہ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا تھا۔

الصالح اب بچہ نہیں جوان تھا۔ سلطنت کے کاروبار کو وہ سمجھنے لگا تھا۔ اُس کی کمزوری اس کے مشیر اور سالار تھے جو درپردہ صلیبیوں کے حامی تھے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر لی تھی مگر اُس کے دماغ سے ابھی بادشاہی کا خبط نہیں گیا تھا۔ وہ خود مختار حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ایک روز اُسے اطلاع ملی کہ صلیبی بادشاہ بالڈوِن کا ایلچی آیا ہے۔ اُس نے فوراً اُسے اندر لانے کی اجازت دے دی۔ یہ ایلچی ذہنی تخریب کاری کا ماہر اور انسانی نفسیات کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اُس نے الملک الصالح کو بتایا کہ وہ کچھ تحفے بھی لایا ہے۔

تحفوں میں ایک تو بیش قیمت ہیروں اور جواہرات اور سونے کے سکوں کا بکس تھا۔ دوسری تھیں۔ پچاس اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے اور ایک لڑکی تھی۔ الصالح نے باہر جا کر گھوڑے دیکھے۔ ہیرے اور جواہرات دیکھے لیکن جس تحفے پر اُس کی نظریں جم کر رہ گئیں وہ لڑکی تھی۔ وہ بہت دیر لڑکی کو ہی دیکھتا رہا۔ اُس کی اٹھتی جوانی کی تمام تر کمزوریاں ایک جادو بن کر اُس کی عقل پر غالب آ گئیں۔ ایلچی نے اُس کے ہاتھ میں بالڈوِن کا پیغام دیا جو عربی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ اُس نے کچھ دیر تو پیغام کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ لڑکی اُس کے خوابوں سے زیادہ حسین تھی۔

ایلچی نے پیغام کھول کر اُس کے آگے رکھا۔ اُس نے پڑھا۔ بالڈوِن نے لکھا تھا۔ "عزیز الملک الصالح والئ حلب! میں ایلچی اور تحفوں کی بجائے اپنی فوج بھیج سکتا تھا لیکن میں آپ کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ میرے دوست اور میرے بچے ہیں۔ ہم نے آپ کی مدد اُس وقت کی ہے جب آپ بچے تھے اور صلاح الدین ایوبی آپ کی سلطنت پر قابض ہونے کے لیے آ گیا تھا۔ ہمیں افسوس ہے کہ گمشتگین اور سیف الدین نے آپ کو دوستی کے دھوکے میں رکھا

ہم بھی اس دھوکے کو نہ سمجھ سکے۔ اگر آپ اکیلے ہوتے تو آپ کی فوج کبھی شکست نہ کھاتی۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ گمشتگین کس قدر فریب کار تھا۔ آپ کو اُسے سزائے موت دینی پڑی۔ سیف الدین نے بھی آپ کو ہمیشہ دھوکے میں رکھا۔ وہ حلب پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ ہم تھے جنہوں نے اُسے ان عزائم سے باز رکھا....

" آپ نے آخر صلاح الدین ایوبی سے شکست کھائی جس نے آپ کو اُس کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ آپ اتنے مجبور ہوئے کہ اُسے آپ نے ابنِ لاعون پر حملہ کرنے کے لیے فوج دے دی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ جیسا غیور جنگجو اپنی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا مگر آپ تنہا تھے۔ میں خود جنگ و جدل میں اُلجھا رہا اور نہ آپ کی مدد کو پہنچتا۔ اب میں آپ کی طرف توجہ دینے کے قابل ہو گیا ہوں۔ آپ یہ نہ بھولیں کہ صلاح الدین ایوبی نے آپ کو ایسی خود مختاری دی ہے جس کا مطلب غلامی ہے۔ وہ آپ کو آہستہ آہستہ غلام بنا رہا ہے۔ اُس نے عزالدین کی مدد کے لیے آرمینیوں کو شکست دی اور اُسے اپنے احسان کی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ تمام چھوٹے چھوٹے امراء اُس کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اب اُس کی نظر آپ کے علاوہ موصل اور حران پر ہے....

" ذرا غور کریں کہ وہ مصر سے ہمارے خلاف لڑنے کے لیے فوج لایا تھا لیکن اُس نے تل خالد پر جا حملہ کیا اور آپ سے بھی فوج لے لی۔ اب وہ پھر مصر چلا گیا ہے۔ اُس کے جانے کا جو مقصد ہے وہ ہمارے جاسوس ہمیں بتا چکے ہیں۔ وہ بے بہا خزانہ لے کر گیا ہے جو وہ قاہرہ اپنے خزانے میں رکھ کر واپس آئے گا۔ اُس نے آپ کو کیا دیا ہے؟ آپ کی فوج کو اُس نے مالِ غنیمت میں کتنا حصہ دیا ہے؟ اُس نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کیوں نہیں کی؟ کیا آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ آرمینیوں کی کتنی لڑکیاں وہ اپنے ساتھ لے گیا ہے؟....

" اِن سوالوں کو اپنے ذہن میں اُلٹ پلٹ کریں۔ آپ پر صلاح الدین ایوبی کے کردار اور اُس کی نیت کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔ آپ کے ساتھ ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ ہم اس خطّے میں امن و امان قائم کرنے آئے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سلطان ایوبی یہاں سے ہٹ بے دخل کر کے یورپ پر حملہ کرنے اور اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی سوچ رہا ہے۔ آپ کو اور دوسرے امراء کو وہ اپنی تھیلی کے سِکّے سمجھتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے دفاع کا انتظام نہ کیا تو آپ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ہم یہاں یورپ کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں تو مجھے جواب دیں۔ میں اپنے مشیر بھیجوں گا جو آپ کی مالی اور جنگی ضرورت کا جائزہ لے کر مجھے بتائیں گے۔ میں نے جو گھوڑے بھیجے ہیں یہ تحفہ ہے۔ میں آپ کی فوج کے لیے ایسے سینکڑوں گھوڑے بھیج سکتا ہوں۔ یورپ سے ہم نے جدید ہتھیار منگوائے ہیں۔ وہ بھی آپ کو دیئے جائیں گے۔ آپ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ نہ توڑیں، درپردہ معاہدہ توڑ دیں اور اپنے دفاع کی تیاری کریں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

الملک الصالح کے نوجوان اعصاب پر یہودیوں کی اتنی حسین اور دل کش لڑکی نے پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا۔ پیغام کے الفاظ جادو کی طرح اُس کے دل میں اترتے گئے۔ اس نے ایلچی کے آرام اور خوراک کا ایسا انتظام کرنے کا حکم دیا جیسے بالڈوِن خود آگیا ہو۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو لڑکی کے حوالے کر دیا۔ اُس نے اس سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں بھی دیکھی تھیں، لیکن اس لڑکی کا جو انداز تھا اور اُس کی جو مسکراہٹ تھی اس نے اُس کے حسن میں طلسماتی اثر پیدا کر رکھا تھا۔ الصالح اندھا ہو گیا۔

رات کو لڑکی اُس کی خواب گاہ میں آئی تو اُس کے ہاتھ میں صراحی اور پیالے تھے۔ یہ بھی تحفہ تھا۔ لڑکی نے اُسے بتایا کہ یہ فرانس کی شراب ہے جو صرف بادشاہوں کے لیے تیار کی جاتی ہے۔

"آپ کے حرم میں تو کچھ بھی نہیں" لڑکی نے اُسے کہا۔ "کیا آپ ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ آپ کا حرم آباد ہو؟"

"میرے حرم کے لیے تم اکیلی کافی ہو" الملک الصالح نے مخمور آواز میں کہا۔

"میں اپنے جیسی لڑکیوں سے آپ کا حرم بھر دوں گی" لڑکی نے شراب کا پیالہ اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ صحیح ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی ایک ہی بیوی ہے اور وہ کسی کو حرم میں عورتیں رکھنے کی اجازت نہیں دیتا؟"

"ہاں!" الصالح نے جواب دیا۔ "یہ صحیح ہے۔ وہ شراب کی بھی اجازت نہیں دیتا۔"

"آپ کو معلوم نہیں کہ اُس کا اپنا ایک خفیہ حرم ہے جس میں غیر معمولی طور پر حسین لڑکیاں ہیں۔ اِن میں مسلمان بھی ہیں، یہودی اور عیسائی بھی ہیں۔"

فانوس کی رنگین اور ہلکی ہلکی روشنی اور فرانس کی شراب کے نشے میں یہ لڑکی طلسم بن کر اُس پر چھاتی چلی گئی اور ذرا سی دیر بعد وہ لڑکی کے ریشمی بالوں کی زنجیروں میں جکڑا گیا.... گناہ کی رات کی کوکھ سے سحر نے جنم لیا تو الصالح نے لڑکی سے کہا۔ "یہاں میری ایک بہن بھی ہے۔ تم اُس کے سامنے نہ آنا۔ وہ ابھی پسند نہیں کرتی کہ میں شادی کے بغیر کسی لڑکی کے قریب جاؤں۔ میں کسی وقت اُسے بتاؤں گا کہ تم مسلمان ہو اور میرے ساتھ شادی کرنے آئی ہو۔"

"اپنی بہن کو آزاد کیوں نہیں کرتے؟" لڑکی نے کہا۔ "اسے مردوں میں اٹھنے بیٹھنے دیں۔ وہ شہزادی ہے۔ آپ بادشاہ ہیں۔ صلاح الدین ایوبی آپ کی یہ حیثیت ختم کر رہا ہے۔ ہم آپ کی بہن کو الگ سلطنت دے کر سلطانہ بنا دیں گے۔"

الملک الصالح تصوّروں میں بادشاہ بن گیا۔

☆

"کیا خبر لائے ہو؟" بالڈوِن نے شراب کے نشے میں بدمست لہجے میں اپنے ایلچی سے پوچھا۔

"کیا میں کبھی ناکام بھی لوٹا ہوں؟" ایلچی نے جواب دیا۔ اُس نے الملک الصالح کے محل میں

میرینا کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جو بے ہوش کرنے والی دوائی میں بھیگا ہُوا تھا۔ وہ دبے پاؤں آحاق کے پاس گئی اور بیٹھ گئی۔ اس نے رومال اسحاق کی ناک پر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد رومال ہٹایا اور باہر نکل گئی۔ اپنے ساتھیوں کے پاس جاکر کہنے لگی ــ "کل سورج نکلنے کے بعد ذرا ہوش میں آئے گا۔"

"اطمینان سے سو جاؤ۔" سربراہ نے کہا ــ "کل ہم صلاح الدین ایوبی کے اس جاسوس کو اس کی خواہش کے مطابق گھوڑا ضرور دیں گے لیکن وہ اس گھوڑے پر قاہرہ نہیں بیروت جائے گا۔ یہ ہمارا ہمسفر ہوگا۔"

سلطان ایوبی کے ایک جاسوس کو پکڑ لینا اُن کے لیے بہت بڑی کامیابی تھی۔ وہ شراب پینے اور خوشیاں منانے لگے۔ میرینا اچھل کود رہی تھی مگر باربرا جیسے اس جشن سے لاتعلق تھی۔ اسی لیے وہ اپنے خیمے میں چلی گئی تھی۔ بہت دیر بعد سب ایک ایک کرکے اپنے اپنے خیمے میں چلے گئے۔ باربرا بھی جا چکی تھی۔ اُس ٹولے کا سربراہ میرینا کو اپنے ساتھ وہاں سے دُور لے گیا۔ باربرا خیمے میں تنہائی اداسیوں اور ناکامیوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اُس کے دل میں انتقام کی آگ سلگنے لگی تھی۔ باہر کے جشنِ شراب نوشی کا شور اس آگ کو بھڑکا رہا تھا۔ جب شور ختم ہُوا تو وہ اور زیادہ بے چین ہوگئی۔ اُس نے خیمے کا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ اُسے اپنا سربراہ اور میرینا ٹیلے کی طرف جاتے نظر آئے [illegible] میں وہ کچھ دُور تک نظر آئے اور غائب ہوگئے۔

باربرا کے کانوں میں میرینا کے یہ الفاظ گونج رہے تھے ــ "صرف میں اس کے سینے سے راز نکال سکتی ہوں" ــ باربرا کے دماغ میں یہ سوچ آئی کہ وہ میرینا کو ناکام کرسکتی ہے۔ اس کا یہ طریقہ ہوسکتا تھا کہ وہ اسحاق ترک کو بتادے کہ ہم سب صلیبی جاسوس ہیں تاکہ وہ اپنا اصل روپ چھپالے۔ اُس نے یہ بھی سوچا کہ وہ اسحاق کو وہاں سے بھگادے۔ یہ سب انتقامی سوچیں تھیں۔ وہ سب کے سو جانے کا انتظار کرتی رہی۔ اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اُس کے خیمے کا پردہ اٹھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ کون ہے۔ اُسے سرگوشی سنائی دی ــ "باربرا!"

"چلے جاؤ مارٹن۔" باربرا نے غم و غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ــ "چلے جاؤ یہاں سے۔"

مارٹن جانے کی بجائے خیمے کے اندر چلا گیا اور باربرا کے پاس جا بیٹھا۔ بولا ــ "تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہمارا یہ لیڈر میرینا کے ساتھ دل سے محبت کرتا ہے؟ اور کیا وہ تمہیں دل سے چاہتا رہا ہے؟ یہ سب بدمعاشی ہے باربرا۔ تم دل پر بوجھ ڈال کر اپنے فرائض سے لاپرواہ ہوگئی ہو۔ اگر سچی محبت کی خواہشمند ہو تو وہ میرے دل میں ہے۔ میں نے تمہیں کب دھوکا دیا ہے؟"

"تم سراپا دھوکا ہو۔" باربرا نے جل کر کہا ــ "ہم سب دھوکہ ہیں۔ میں اپنے فرائض سے لاپرواہ نہیں ہوئی، میرا دل تو دنیا سے بھی اچاٹ ہوگیا ہے۔ ہم سب کو بچپن سے فریب کاری کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کو فریب دے کر انہیں صلیب کے مقابلے میں بیکار کردیں مگر ہم ایک دوسرے کو بھی فریب دیتے ہیں۔ ہم صلیب گلے میں لٹکا کر بدکاری کرتے تھا ایک دوسرے کو دھوکے دیتے ہیں۔ مسلمان ہم سے زیادہ عقل مند ہیں کہ وہ جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے اپنی لڑکیوں کو

استعمال نہیں کرتے۔ ہمارے لیڈر نے پہلے مجھے محبت کا جھانسہ دیا۔ میرینا چونکہ زیادہ ہوشیار ہے اس لیے اُس نے لیڈر پر قبضہ کرلیا۔ تم نے مجھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا سارا گروہ بیکار واپس جارہا ہے۔ اگر تمہارے ساتھ ہم دو لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم مرد اپنا کام خوش اسلوبی سے کرتے۔ عورت کا وجود مردوں کے درمیان دشمنی پیدا کرتا ہے۔"

"اسی لیے ہم مسلمانوں کے درمیان اپنی تربیت یافتہ عورتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔" مارٹن نے کہا۔ "اُن کے درمیان دشمنی پیدا کرنا ہی ہمارا مقصد ہے۔ ہم یہ اس لیے کرتے ہیں کہ اسلام کو زوال آئے اور صلیب کی حکمرانی قائم ہو۔" اُس نے جھنجھلا کر باربرا کو اپنی طرف گھسیٹ کر کہا ــ "اتنی پیاری رات کو ایسی خشک باتوں سے بے مزہ نہ کرو باربرا۔ آؤ باہر چلیں۔ دیکھو چاندنی کتنی حسین ہے۔"

"میرا دل ٹوٹ چکا ہے۔" باربرا نے کہا ــ "میں ناکام ہوچکی ہوں۔ میرے دل میں نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ تم جاؤ۔"

"ایک روز تم میرے قدموں میں آبیٹھو گی اور کہو گی، مارٹن! مجھے بچاؤ۔ دیکھو یہ لوگ مجھے کتوں کے حوالے کررہے ہیں۔ اس وقت میں تمہاری مدد نہیں کرسکوں گا۔"

"میں اب بھی کتوں کے حوالے ہوں۔" باربرا نے حقارت سے کہا ــ "میں تم سے کبھی مدد نہیں مانگوں گی۔ یہاں سے چلے جاؤ۔"

مارٹن غصّے سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ وہ خیمے کا پردہ ہٹا کر اُسے دیکھتی رہی اور انتظار کرتی رہی کہ مارٹن سو جائے۔ اُسے معلوم تھا کہ سربراہ اور میرینا بہت دیر سے آئیں گے.... کچھ دیر بعد وہ خیمے سے نکلی۔ وہ اٹھی نہیں، پاؤں پر بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو سرکتی گئی۔ آگے ذرا گہرائی تھی۔ اس میں اُتر گئی۔ وہاں سے جُھک کر چلتی چشمے کے پیچھے گئی اور دُور کا چکر کاٹ کر اُس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں اسحاق ترک بے ہوش پڑا تھا۔ باربرا کو معلوم نہیں تھا کہ اُسے بے ہوش کردیا گیا ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرکتی خیمے کے اندر چلی گئی۔ دیا جل رہا تھا۔ اُس نے اسحاق کو ہلایا مگر وہ نہ جاگا۔ اُس کے سر کو پکڑ کر جھنجھوڑا، اُسے بلایا۔ اسحاق ترک پر کچھ اثر نہ ہُوا۔

"اٹھو بدبخت۔" اُس نے اسحاق کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا ــ "تم دھوکے میں آگئے ہو۔ ہم سب جاسوس ہیں۔ تم قاہرہ نہیں پہنچ سکو گے، بیروت میں قید خانے کے تہہ خانے میں اذیت ناک موت مرو گے۔"

اسحاق بے ہوش پڑا رہا جیسے مرگیا ہو۔ باربرا کو خیمے کے باہر ہلکی ہلکی ہنسی کی آوازیں سنائی دینے لگیں مگر وہ گھبرائی نہیں۔ وہ تربیت یافتہ تھی۔ آوازیں قریب آگئیں تو بھی وہ اسحاق کے پاس بیٹھی رہی۔ آوازیں خیمے تک پہنچ گئیں۔ اِن میں ایک آواز میرینا کی تھی۔ وہ سربراہ کے ساتھ۔ اپنے قیدی کو دیکھنے آئی تھی۔

"ہم سب مسلمان ہیں۔" باربرا نے اسحاق سے مخاطب ہوکر بلند آواز سے کہا ــ "ہم تمہیں ایسا گھوڑا دیں گے جو تمہیں دو دنوں میں قاہرہ پہنچا دے گا۔"

"باربرا!" اُسے اپنے سربراہ کی آواز سنائی دی۔ اُس نے گھوم کے دیکھا خیمے میں سربراہ اور میرینا کھڑے تھے۔ سربراہ نے کہا۔ "تم اپنا فرض ابھی ادا نہیں کر سکو گی۔ اسے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔"

"یہ میرا شکار ہے باربرا!" میرینا نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔ "یہ صرف مجھے معلوم ہے کہ اس کے سینے سے میں کیسے راز نکال سکتی ہوں۔"

سربراہ اور میرینا ہنس پڑے۔ باربرا اس طنزیہ ہنسی کو سمجھ گئی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی۔ اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔"

"جاؤ سو جاؤ۔" سربراہ نے اسے کہا۔

وہ اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ سربراہ نے اسحاق کی نبض پر ہاتھ رکھا پھر میرینا کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ اسحاق ترک سلطان ایوبی کے لیے بڑی ہی اہم اطلاع لیے گہری بے ہوشی میں پڑا رہا۔

☆

"علی بن سفیان!" قاہرہ میں سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان سے کہا۔ "اُدھر سے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کوئی ہلچل نہیں۔ میں تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"اور میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہاں کوئی تبدیلی یا ہلچل ہو تو ہم تک اطلاع نہ پہنچے"۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "وہاں ہمارے جو آدمی ہیں وہ معمولی سوجھ بوجھ والے نہیں۔ اسحاق ترک کو آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ زمین کا سینہ چیر کر راز اور خبریں لانے والا آدمی ہے۔ باقی بھی اُسی جیسے ہوشیار اور عقل والے ہیں۔"

"صلیبی اُن واقعات سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے جو اُس طرف رونما ہوئے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "بالڈوِن اپنے فرنگی لشکر کے ساتھ حلب اور موصل کے ارد گرد موجود ہے۔"

"مگر الملک الصالح مر گیا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اب حلب کا حکمران عزالدین ہے۔ وہ صلیبیوں کے ہاتھ آنے والا نہیں۔"

"علی!" سلطان ایوبی نے قدرے حیرت سے کہا۔ "تم بھی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو رہے ہو؟ تم شاید اس خیال سے عزالدین کو پکا مسلمان سمجھتے ہو کہ میں اُسے اپنا دوست سمجھتا ہوں اور میں نے اُس کی مدد کے لیے اپنا منصوبہ بدل کر نل خالد پر حملہ کیا اور آرمینیوں سے ہتھیار ڈلوائے تھے مگر میں اپنے مسلمان حکمرانوں اور امراء پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ عزالدین ہمارا اتحادی ہو سکتا ہے، اُس کے امراء وزراء میں صلیبیوں کے بہی خواہ موجود ہیں۔ علی! تم نے دیکھا نہیں کہ مومن قسم کے حکمران بھی اپنے وزیروں اور مشیروں کے خوشامدانہ مشوروں کے جال میں آکر مومن رہتے ہوئے بھی وطن اور قوم کو غلط فیصلوں سے تباہی کی کھائیوں میں پھینک دیتے ہیں؟ میں مشیروں کے خلاف نہیں۔ یہ قرآن کا حکم ہے جو رسولِ اکرم صلعم کو خدا نے دیا تھا

کہ فیصلے سے پہلے مشورہ کر لیا کرو، مگر حکمران میں اتنی عقل ہونی چاہیے کہ مشورہ دینے والوں کی نیت اور کردار کو سمجھ سکے۔ خوشامد حکمرانی کے نشے کو اور تیز کرتی ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ حکمران خوشامد کی سریلی اور لیوں سے میٹھی نیند سو جاتا ہے سوئے ہوئے ذہن والا حکمران کتنا ہی غازی اور زاہد کیوں نہ ہو قوم اور وطن کو لے ڈوبتا ہے۔ یہی خطرہ مجھے عزالدین کی طرف سے نظر آ رہا ہے۔"

"میں اس توقع پر بات کر رہا ہوں کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "آپ تک یہ اطلاع پہنچ چکی ہے کہ محترمہ رضیع خاتون نے یہ شادی صرف اس لیے قبول کی ہے کہ حلب اور موصل کی امارتیں اور اُن کی فوجیں ہماری اتحادی رہیں۔ اس خاتون کو شادی کی اور کیا ضرورت ہو سکتی تھی؟"

"اس کے باوجود مجھے شک ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اور میرے شک کی وجہ یہ ہے کہ عزالدین صلیبیوں کے خطرے کی براہِ راست زد میں ہے۔ وہ اپنے تحفظ کے لیے بھی صلیبیوں کا درپردہ اتحادی بن سکتا ہے۔ مجھے وہاں کی اطلاع جلدی ملنی چاہیے۔ تم میری آنکھیں اور کان ہو علی! میں نے اندھیرے میں کبھی پیشقدمی نہیں کی۔"

"کچھ دن اور انتظار کر لیا جائے۔" علی بن سفیان نے مشورہ دیا۔

"میں زیادہ دیر انتظار نہیں کروں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم جانتے ہو میں نے فوج کو تیاری کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ تمہارے سامنے کی بات ہے کہ میں دن رات فوج کو جنگی مشقیں کرا رہا ہوں۔ راز کی یہ بات بھی سُن لو کہ میں حلب اور موصل کی طرف نہیں جاؤں گا۔ میرا ہدف اب بیروت ہوگا۔ میں اب دفاعی جنگ نہیں لڑوں گا۔ حلب وغیرہ کے علاقوں میں اپنی فوج لے جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ان علاقوں کے دفاع کے لیے جا رہا ہوں۔ اب میرا انداز جارحانہ ہوگا۔ بیروت فرنگیوں کا دل ہے۔ ٹانگوں اور بازوؤں پر وار کرنے کی بجائے کیوں نہ ہم دشمن کے دل پر ایک ہی وار کر کے ختم کر دیں۔ اب میں قوم اور فوج کو جارحیت کی ترتیب دے رہا ہوں۔ اپنے علاقوں میں لڑتے رہنے سے ہم بیت المقدس تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔۔۔۔ معلوم کرو علی! معلوم کرو۔ وہاں سے ابھی تک کوئی اطلاع کیوں نہیں آئی۔ مجھے دو راز درکار ہیں۔ ایک یہ کہ بیروت میں فرنگی فوج کی سرگرمیاں کیا ہیں اور حلب میں عزالدین کی نیت کیا ہے۔ کیا ہم ایک اور خانہ جنگی کی طرف تو نہیں بڑھ رہے؟"

"بیروت میں اسحاق ترک ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "وہ خود نہ آیا تو کسی اور کو بھیج دے گا۔"

علی بن سفیان نے کہا۔ "میں یہاں سے کسی کو روانہ کر دیتا ہوں۔"

"میں زیادہ دن انتظار نہیں کر سکتا علی!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہاں سے کسی کو روانہ کرو گے۔ وہ جائے گا۔ وہاں کے حالات معلوم کرے گا اور واپس آئے گا۔ اس میں کم از کم تین مہینے لگ جائیں گے۔ میں چند دنوں تک فوج کو کوچ کا حکم دے دوں گا۔"

"تو پھر آپ اندھیرے میں پیش قدمی کریں گے؟" علی نے پوچھا۔

"چھاپہ ماروں کو ہراول سے بہت آگے اور پھیلا کر رکھوں گا۔" ایوبی نے کہا۔ "میں اللہ کے حکم سے اللہ کی سرزمین کی آبرو کی خاطر جا رہا ہوں۔ میں اپنی سلامتی کے لیے مصر میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتا۔"

یہ اپریل ۱۱۷۲ء کے دن تھے جب سلطان ایوبی اور علی بن سفیان اپنے اُن جاسوسوں میں سے کسی کا انتظار بے تابی سے کر رہے تھے جو انہوں نے صلیبیوں کے مقبوضہ مسلمان علاقوں اور حلب وغیرہ میں بھیج رکھے تھے۔ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ اس سے دو ماہ قبل نورالدین زنگی مرحوم کا بیٹا الملک الصالح جو والیٔ حلب بن کر سلطان ایوبی کے خلاف ہو گیا تھا مر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور اُس کا استحادی رہنے کے باوجود وہ درپردہ صلیبیوں کا حواری رہا تھا۔ اُس کی موت صلیبیوں اور سلطان ایوبی کے لیے بہت اہم واقعہ تھا۔ الملک الصالح نے مرنے سے پہلے عزالدین مسعود کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی اہم تھا اور سب سے زیادہ اہم واقعہ یہ ہوا تھا کہ عزالدین کی خواہش کے مطابق نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ (الملک الصالح کی ماں) رضیع خاتون نے اُس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ رضیع خاتون شادی کی خاطر شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے اُس تک عزالدین کا پیغام لے کر اُسے کہا تھا کہ یہ شادی دمشق اور حلب کی ہو گی، اس سے آئندہ خانہ جنگی کا خطرہ ختم ہو جائے گا اور صلیبیوں کے خلاف محاذ مضبوط کیا جا سکے گا۔ رضیع خاتون یہ کہ کر رضامند ہو گئی تھی کہ میری ذاتی خواہشیں مر چکی ہیں۔ میں عظمتِ اسلام کی خاطر ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔

اُس نے قربانی دے دی اور عزالدین کے ساتھ شادی کر لی۔ حلب اور موصل کی امارتوں پر بڑی مدت سے صلیبیوں کے اثرات کام کر رہے تھے جس کے نتیجے میں یہ امارتیں سلطان ایوبی کے خلاف متحد ہو گئیں اور تین سال مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی رہی تھی۔ آپ اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔ اب رضیع خاتون نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تو صلیبیوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ رضیع خاتون صلیبیوں کے سب سے بڑے دشمن زنگی کی بیوہ ہے اس لیے وہ حلب اور موصل اور دیگر مسلمان علاقوں سے صلیب کے اثرات ختم کر دے گی۔ ادھر مصر میں سلطان ایوبی کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ صلیبی جنگی کارروائی کریں گے۔ سلطان نے یہ بھی سوچا تھا کہ عرب سے اس کی غیر حاضری سے صلیبی فائدہ اٹھائیں گے۔

سلطان ایوبی نے حالات کا اور آنے والے حالات کا بھی جائزہ لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ پیشتر اس کے کہ صلیبی پیشقدمی کر کے حلب اور موصل کا محاصرہ کر لیں، وہ مصر سے برق رفتار پیشقدمی کرے اور بیروت کو محاصرے میں لے لے۔ یہ بڑا ہی نازک اور خطرناک فیصلہ تھا۔ بیروت کو محاصرے میں لینے کے لیے اُسے فوج دشمن کے علاقے میں سے گزار کر لے جانی تھی۔ راستے میں ہی تصادم کا خطرہ تھا۔ بہرحال سلطان ایوبی نے تمام خطروں کا جائزہ لے لیا تھا اور ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے جاسوسوں کی اطلاعات کے بغیر کم ہی کبھی پیشقدمی کی تھی لیکن اب حالات کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اُسے سب سے زیادہ ضرورت اس اطلاع کی تھی کہ عزالدین کی نیت کیا ہے اور کیا رضیع خاتون کا وہاں کوئی اثر پڑ رہا ہے یا نہیں۔

علی بن سفیان کے بھیجے ہوئے جاسوس اناڑی نہیں تھے۔ مواد حاصل کرنے اور تھانہ تک پہنچانے کے لیے وہ جان کی بازی لگا دیا کرتے تھے۔ انہیں یہ سبق ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ آدھی جنگ جاسوسی جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی جیت لیا کرتے ہیں، اور یہ بھی کہ صرف ایک جاسوس کی کوتاہی یا غلطی اپنی پوری فوج کو مروا سکتی ہے اور یہ بھی کہ صرف ایک جاسوس دشمن کی فوج سے ہتھیار ڈلوا سکتا ہے۔ علی بن سفیان کو اسحاق ترک پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ یہ بھروسہ بجا تھا۔ اسحاق بڑے ہی اہم راز لے کر تھانہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کو خبردار کرنے آ رہا تھا کہ بالڈوِن کا فرنگی لشکر بیروت کے ارد گرد دور دور تک پھیل گیا ہے اور عزالدین صلیبیوں کی طرف جھک رہا ہے، اس لیے سلطان کہیں بیروت کی طرف فوج نہ لے جائے اور اگر اُدھر کو ہی پیشقدمی کا ارادہ ہو تو اسحاق سلطان کو فرنگیوں کی فوج کے پھیلاؤ اور پوزیشنوں کا نقشہ بتانے آ رہا تھا۔ مگر وہ راستے میں ہی صلیبی جاسوسوں کے گروہ کے جال میں پھنس گیا۔

☆

"آخر وہ اطلاع کیا ہے جو تم سلطان صلاح الدین ایوبی تک لے جا رہے ہو؟" صلیبی جاسوسوں کے اس گروہ کے سربراہ نے اسحاق ترک سے پوچھا اور کہا۔ "ہم بھی مسلمان ہیں۔ سلطان کے وفادار اور شیدائی ہیں۔ تمہارے لیے گھوڑا تیار کھڑا ہے۔ کھانے پینے کا سامان گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے۔"

"اللہ ہمارے سلطان کو ایسے وفاداروں اور شیدائیوں سے محفوظ رکھے۔" اسحاق نے کہا۔ "میں نے اس لڑکی کو کہا تھا کہ آدھی رات کے کچھ دیر بعد مجھے جگا دینا۔ میں فوراً روانہ ہونا چاہتا تھا مگر تم نے مجھے جگایا نہیں۔ آدھا دن گزر گیا ہے۔ وقت اگر ضائع ہوا اور اب میں روانہ ہوا تو گھوڑا اتنا سفر طے نہیں کر سکے گا جتنا رات کو کر سکتا۔"

"تم بہت تھکے ہوئے تھے۔" میر بنا نے پیار سے کہا۔ "تم ایسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ تمہیں جگانا ظلم سمجھا۔ گھوڑا اتنا اچھا ہے کہ جو وقت ضائع ہوا ہے گھوڑا اسے پورا کر دے گا۔"

اسحاق ترک کو ابھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ جسے وہ تھکن کے بعد کی گہری نیند سمجھ رہا ہے وہ کسی دوائی کے اثر کی بے ہوشی ہے۔ اتنا زیادہ وقت سونے کے بعد بھی اُس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ یہ دوائی کا اثر تھا جسے وہ تھکن کا اثر سمجھ رہا تھا۔ وہ سفر کے قابل نہیں تھا لیکن فوراً روانہ ہونے کے لیے بے قرار تھا۔

اُس کی آنکھ اُس وقت کھلی تھی جب سورج سر پر آیا ہوا تھا۔ جاسوسوں کا سربراہ اور میر بنا اُس کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی اُس کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ اُس کی آنکھ کھلی تو اُس کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے ایسی باتیں کیں جن سے اسحاق ترک کو اُن پر ذرا سا شبہ بھی نہ ہوا۔ وہ انہیں مسلمان سمجھتا رہا لیکن وہ اُن کے اس سوال کا جواب دینے سے گریز کر رہا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کے لیے کیا اطلاع لے کے جا رہا ہے۔

سربراہ باہر نکل گیا۔ یہ اشارہ تھا کہ میر بنا اسے اپنے جادو سے رام کرے۔ اس دلکش لڑکی نے نہایت جذبات کو مشتعل کر دینے والے انداز سے کہا کہ وہ اُسے دل و جان سے چاہنے لگی ہے اور بھی بہت کچھ کہا۔

"تاہرہ چل کر عشق و محبت کے لیے وقت نکال سکوں گا؟" اسحاق نے کہا۔ "اگر تم مجھے دل و جان سے چاہتی ہو تو مجھے فرض ادا کرنے میں مدد دو"۔ وہ اُٹھ کھڑا ہُوا اور خیمے سے نکل گیا۔ کہنے لگا "مجھے فوراً گھوڑا دو"

"کچھ کھا پی لو" میرینا نے اُسے بازو سے پکڑ کر خیمے میں واپس لے جاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں بھوکا پیاسا تو نہیں جانے دوں گی" وہ اسحاق سے بغلگیر ہوگئی مگر اسحاق کو فرض نے پتھر بنا دیا تھا۔ میرینا نے اُسے بٹھا دیا اور خیمے کے دروازے میں جا کر بلند آواز سے کہا۔ "کھانا فوراً لاؤ۔ وقت نہیں ہے"

کھانا باربرا لے کر آئی اور اسحاق کے آگے رکھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ میرینا اسحاق کے پاس بیٹھی تھی اور باربرا اُدھر جا کھڑی ہوئی جدھر میرینا کی پیٹھ تھی۔ اسحاق نے کھانا کھاتے ہوئے باربرا کی طرف دیکھا۔ باربرا نے ہاتھ میں چھوٹی سی صلیب چھپا رکھی تھی۔ اُس نے یہ صلیب اسحاق کو دکھائی، اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ میرینا کی طرف اشارہ کیا پھر باہر کو اشارہ کر کے انگلی ہلائی اور انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھی۔ وہ خیمے سے نکل گئی۔ یہ اشارے اتنے واضح تھے کہ اسحاق صاف سمجھ گیا کہ سب صلیبی ہیں اور انہیں کچھ نہیں بتانا۔ وہ چونک اٹھا لیکن اسنے اپنے ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔ شک پختہ ہوگیا۔ اُسے اس سوال کا جواب مل گیا کہ یہ لوگ اس پر اصرار کیوں کر رہے ہیں کہ وہ سلطان ایوبی کے لیے کیا اطلاع لے کے جا رہا ہے۔ تب اُسے یہ خیال بھی آیا کہ اسے نیند پر اتنا قابو تھا کہ ایسی بیہوشی کی نیند کبھی بھی نہیں سویا تھا۔ اُسے جاگتے ہی ناک میں عجیب سی بُو بھی محسوس ہوئی تھی۔ وہ جان گیا کہ اُسے سوتے میں بے ہوش کر دیا گیا تھا، مگر اُسے اس سوال کا کوئی جواب نہ سوجھا کہ دوسری لڑکی اُسے یہ اشارے کیوں کر گئی ہے۔ کیا وہ کوئی مسلمان لڑکی ہے جو اُن کے جال میں پھنسی ہوئی ہے؟

میرینا اُسے اپنی بڑی ہی پیاری باتوں اور مسحور کر دینے والی مسکراہٹوں اور اداؤں سے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی اور اسحاق کا دماغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور ان لوگوں سے کس طرح رہائی حاصل کرے۔ اُس نے میرینا سے پوچھا کہ اس قافلے میں کتنے آدمی ہیں۔ میرینا نے بتا دیا۔ کچھ اور باتیں پوچھیں اور کہا۔ "چلو، مجھے گھوڑا دو"۔ وہ باہر نکل گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ باہر کتنے آدمی ہیں اور اس کے نکل بھاگنے کے امکانات کیا ہیں۔ باہر اُس نے کوئی گھوڑا نہ دیکھا جو اُسے بتایا گیا تھا کہ اُس کے لیے تیار کھڑا ہے۔ میرینا اُس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

"گھوڑا کہاں ہے؟" اسحاق نے پوچھا۔

"میں جا کر دیکھتی ہوں" وہ چلی گئی۔

☆

"تم ٹھیک کہتے تھے" میرینا نے اپنے سربراہ کو جا کر بتایا۔ "یہ شخص پتھر ہے۔ وہ گھوڑے کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ ہم جو پوچھتے ہیں اس کا نام نہیں لیتے دیتا"

"اسے کوئی شک تو نہیں ہُوا؟"

"ابھی نہیں" میرینا نے جواب دیا۔ "لیکن وہ بتائے گا کچھ بھی نہیں"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ناکام ہو گئی ہو"

انہیں معلوم نہیں تھا کہ باربرا نے ان سے انتقام لیا ہے اور اُس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ میرینا کوئی جادو گرنی نہیں جو ناممکن کام بھی کر دکھائے گی۔ وہ تو یہ بھی سوچ رہی تھی کہ سلطان ایوبی کے اس جاسوس کو وہاں سے بھاگ جانے میں مدد دے لیکن یہ ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

اسحاق پھر خیمے سے نکل گیا۔ اس نے میرینا اور اس کے سربراہ کو دیکھ لیا۔ وہ دُور کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ وہ اُن کی طرف دوڑا گیا اور پوچھا کہ گھوڑا کہاں ہے۔

"کہیں بھی نہیں ہے" سربراہ نے بالکل ہی بدلے ہُوئے لہجے میں کہا۔ "تم کہیں بھی نہیں جا سکو گے"

اسحاق نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھا۔ وہاں نہ تلوار تھی نہ خنجر۔ اُس نے ان لوگوں کی اصلیت جان لینے کے باوجود کہا۔ "میں حیران ہوں کہ تم مسلمان ہوتے ہوئے میرے راستے میں آ رہے ہو"

"اگر ہم سے عزت کرانا چاہتے ہو تو بتا دو کہ اپنے سلطان کے لیے کیا پیغام لے کر جا رہے ہو"

سربراہ نے پوچھا۔

"صرف اتنا سا پیغام ہے کہ ہمارے ایک امیر عزالدین نے نورالدین زنگی کی بیوہ کے ساتھ شادی کر لی ہے" اسحاق نے کہا۔

"یہ خبر پرانی ہو گئی ہے" سربراہ نے کہا۔ "تمہارا سلطان دو ماہ گزرے یہ خبر سُن چکا ہے، اور وہ اپنی فوج کو شام میں لڑانے کے لیے تیار کر رہا ہے۔ صحیح بات بتاؤ"

"کیا تم صحیح بات بتا دیا کرتے ہو؟" اسحاق ترک نے پوچھا۔

"تمہیں صحیح بات بتانی ہوگی" سربراہ نے کہا۔ "اور تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ تم نہتے ہو۔ نہتے نہ بھی ہوتے تو اتنے آدمیوں سے لڑ نہ سکتے .... سنو دوست! میں تمہارے زندہ رہنے اور شہزادوں کی طرح زندہ رہنے کی ایک صورت پیدا کر سکتا ہوں۔ میری تجویز منظور کر لو۔ ہمارے ساتھ چلو۔ ہمارے لیے یہی کام کرو جو صلاح الدین ایوبی کے لیے کر رہے ہو اور زر و جواہرات میں کھیلو" اس نے میرینا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس قسم کی لڑکیاں تمہاری خدمت کے لیے حاضر رہا کریں گی۔ کیوں صحراؤں میں مارے مارے پھر رہے ہو"

"میں صلیب کے لیے کام کروں؟"

"نہیں کرو گے تو ہمارے کسی قید خانے کے تہہ خانے میں بند رہو گے" سربراہ نے کہا۔ "وہ ایسا جہنم ہوگا کہ نہ مرو گے نہ زندہ رہو گے۔ تم اس سزا کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تصور بھی ہولناک ہے۔ سوچ لو اور ہمارے ساتھ چلو۔ تم واپس تو جا نہیں سکو گے"

"تم مجھ پر اعتماد کس طرح کرو گے؟" اسحاق ترک نے کہا۔ "میں تمہارے گروہ میں شامل ہو جاؤں تو تم مجھے میرے ہی عقیدے میں بھیجو گے۔ تم کس طرح یقین کرو گے کہ میں اپنے ہی علاقے میں نہیں رہ جاؤں گا اور تمہیں دھوکا نہیں دوں گا؟"

"ہمارے پاس اس کا انتظام ہے۔" صلیبی سربراہ نے کہا۔ "تم اپنے علاقے کی بات کرتے ہو۔ ہم تمہیں تمہارے گھر کے تہہ خانے سے بھی نکال لائیں گے۔ تمہارا خیال کیا ہے کہ تمہارے ملک میں ہمارے جتنے جاسوس ہیں ان میں تمہارے ملک کا کوئی باشندہ نہیں؟ دس جاسوسوں کے ایک گروہ میں صرف دو آدمی ہوتے ہیں اور دس تمہارے اپنے بھائی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ہمیں دھوکہ دینے کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ جانتے ہیں کہ ایسی جرأت کرنے والے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم صرف اُسے قتل نہیں کرتے۔ سب سے پہلے اس کے بیوی بچوں کو ایک ایک کر کے قتل کرتے اور ہر لاش اُس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور جو ہمارے وفادار رہتے ہیں اُن کے لیے یہ دنیا جنت بنی رہتی ہے۔ ان میں سے جو پکڑا جاتا ہے اُس کے گھر والوں کے گھر جا کر وہاں ہم نقدی کے انبار لگا دیتے ہیں۔"

"مجھے سوچنے دو۔" اسحاق نے کہا۔ "یہاں سے کب روانگی ہو گی؟"

"آج ہی۔" سربراہ نے کہا۔ "آدھی رات کے بعد۔ تم سوچ لو۔ یہ بھی سوچ لینا کہ انکار کے بعد تم آزاد نہیں ہو سکو گے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"اور تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ کیا راز لے کے جا رہے ہو۔" سربراہ نے کہا۔

"بتاؤں گا۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "میرا ذہن بہت حد تک آمادہ ہو گیا ہے۔"

"جاؤ۔ ابھی آرام کرو۔" سربراہ نے کہا۔

اسحاق ترک خیمے کی طرف چل پڑا۔

☆

دو ماہ پہلے کا ذکر ہے کہ عزالدین نے نورالدین زنگی کی بیوہ رضیع خاتون کے ساتھ شادی کر لی تو رضیع خاتون کو اس شادی کی صرف یہ خوشی تھی کہ وہ عزالدین کو اپنے زیر اثر رکھے گی اور حلب کی افواج سلطان ایوبی کی افواج کی اتحادی بن جائیں گی۔ خانہ جنگی میں مسلمانوں کی فوجوں کی بڑی ہی کا آمد نفری ماری گئی تھی۔ اتنی زیادہ جنگی قوت ضائع ہوئی جو صلیبیوں کو سرزمین عرب سے نکال سکتی تھی اور فلسطین کو آزاد کرایا جا سکتا تھا۔ رضیع خاتون کو توقع تھی کہ عزالدین اُسے اپنا مشیر بنا لے گا مگر شادی کے پہلے روز جب رضیع خاتون نے اُس کے ساتھ اس قسم کی باتیں کیں تو اس نے دیکھا عزالدین کوئی دلچسپی نہیں لے رہا۔ اس کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔ وہ اس کمرے میں سویا بھی نہیں۔ محل کے کسی اور کمرے میں چلا گیا۔

رضیع خاتون نے اُس کا یہ رویہ اس لیے برداشت کر لیا کہ اُس نے عورت کو ابھی ابھی ہاتھ میں

لیا ہے اس لیے مصروف بھی ہو گا اور اُس کا ذہن امارت کے جھمیلوں میں اُلجھا ہوا ہو گا۔ وہ خود امارت کے مسئلوں میں خصوصاً فوج کے معاملات میں دلچسپی لینا اور کام کرنا چاہتی تھی۔ نورالدین زنگی کی زندگی میں اُس نے بہت کام کیے تھے۔ اُس نے دمشق کی جوان لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رکھی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں مجاہدہ تھی، اس لیے وہ سلطان ایوبی کی مربی تھی۔

صبح ہوئی تو وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ مسلمانی محل کے اندر اندر کچھ دور چلی گئی۔ بہت دور ایک باغیچہ نظر آیا۔ اس میں پانچ چھ جوان لڑکیاں ہنس کھیل رہی تھیں۔ وہ ابھی اُن سے دور تھی۔ ایک ادھیڑ عمر عورت جس کا چہرہ کرخت سا تھا دوڑتی آئی اور رضیع خاتون سے کہنے لگی۔ "آپ اپنے کمرے میں چلی جائیں۔"

"کیوں؟"

"محترم امیر کا یہی حکم ہے۔" عورت نے بتایا۔ "آپ کو وہ جگہ بتا دوں جہاں آپ گھوم پھر سکتی ہیں۔ انہوں نے سختی سے حکم دیا ہے کہ آپ کو ادھر نہ آنے دیا جائے۔"

"اگر میں یہ حکم نہ مانوں تو کیا ہو گا؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔

"مجھے گستاخی کا موقع نہ دیں۔" عورت نے التجا کے لہجے میں کہا۔ "مجھے آقا کا حکم ماننا اور منوانا بھی ہے۔"

ایک اور ادھیڑ عمر عورت آ گئی۔ وہ رضیع خاتون کے پاس رُک گئی۔ اُس نے رضیع خاتون کا ساتھ دیا اور اُس کے کمرے میں لے آئی۔ کہنے لگی۔ "میں آپ کی خادمہ ہوں اور مجھے بزرگ آپ کے پاس رہنے کا حکم ملا ہے اور یہ حکم مجھے بھی ملا ہے کہ آپ کو ایک خاص حد سے زیادہ باہر نہ جانے دیا جائے۔" رضیع خاتون سٹپٹا اٹھی۔ اس کی خادمہ نے کہا۔ "آپ گھبرائیں نہیں۔ میں جانتی ہوں آپ کیا کیا خواب دیکھ کر یہاں آئی ہیں۔ آپ کا ہر خواب خواب ہی رہے گا۔ مجھے اپنا ہمدرد اور ہمراز سمجھیں۔ اس محل پر صلیبیوں کے گماشتوں نے سائے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ کا بیٹا ان کے ہاتھ میں کھلونا بنا رہا۔ اب نیا امیر بھی جو آپ کا خاوند ہے صلیبیوں کا حاشیہ بردار بنے گا۔ یہاں کے بہت سے وزیر اور مشیر صلیبیوں کے زرخرید ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے متعلق محل کے لوگوں کی کیا رائے ہے؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔ "کیا اُس کا یہاں کچھ اثر نہیں؟"

"اتنا نہیں جتنا صلیبیوں کا ہے۔" خادمہ نے رازداری سے کہا۔ "محل میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس موجود ہیں۔ میں خود اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ آپ کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اسی لیے آپ کو بتا دیا ہے کہ میں کیا ہوں۔ میں ابھی آپ کو ساری باتیں نہیں بتاؤں گی۔ آپ عزالدین سے شکایت کریں کہ آپ کو اُس نے اس کمرے کا قیدی کیوں بنا لیا ہے۔"

"وہ تو میں کروں گی۔"

"آپ پر اس کی نیت واضح ہو جائے گی۔" خادمہ نے کہا۔ "بعد کے حالات تصدیق کر دیں گے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ عزالدین نے آپ کے ساتھ صرف اس لیے شادی کی ہے کہ وہ آپ کو اپنا قیدی بنا لے۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ آپ کا تعلق ہمیشہ کے لیے توڑنا چاہتا تھا اور وہ آپ کو دمشق سے نکالنا چاہتا تھا۔ دمشق کے لوگ سلطان ایوبی کے حمائتی اس لیے ہیں کہ آپ وہاں موجود تھیں۔ اب یہ ٹولہ دمشق کے لوگوں کو سلطان کے خلاف اکسائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان ایک بار پھر خانہ جنگی میں کٹنے لگیں گے اور صلیبی اطمینان سے ہمارے علاقوں پر چھا جائیں گے۔"

"کیا یہ اطلاع سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچائی جا سکتی ہے؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔

"یہ انتظام کیا جا چکا ہے۔" خادمہ نے جواب دیا۔ "ہمارے گروہ کے کمانڈر نے ایک بڑے ہی دانشمند اور دلیر آدمی کو بلا بھیجا ہے۔ اس کا نام اسحاق داؤدشکی ہے۔ وہ ترک ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ آپ کے بیٹے کی وفات کے بعد وہ صلیبیوں کے علاقوں میں یہ دیکھنے کے لیے نکل گیا تھا کہ صلیبیوں کے عزائم کیا ہیں۔ وہ آجائے گا۔"

"مجھے مل سکے گا؟"

"ضرور ملواؤں گی۔" خادمہ نے جواب دیا۔ "مجھے اپنے کمانڈر نے کہا تھا کہ یہ باتیں آپ کو بتا دوں۔"

☆

داستان ایمان فروشوں کی

پنجم

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

پاکستان کے نوجوان کے نام

چار روز قیام کیا تھا اور بڑی لمبی مسافت طے کر کے ابھی ابھی واپس آیا تھا۔ اُس نے کہا۔ "مسلمانوں پر فوج کشی کر کے آپ اتنی جانیں ضائع کرتے اور اتنے زیادہ گھوڑے مرواتے ہیں۔ مسلمانوں کے حکمرانوں سے صرف ایک لڑکی ہتھیار ڈلوا سکتی ہے۔"

"صرف لڑکی نہیں۔" بالڈوِن نے کہا۔ "مسلمان کو اگر لڑکی کا صرف تصوّر دے دو تو وہ اپنے نیک و بد کو بھول کر اسی تصوّر کا ہو جاتا ہے.... کہو، تم کیا کر کے آئے ہو؟"

"اُس نے تحریری جواب نہیں دیا۔" ایلچی نے کہا۔ "کہتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار ہر طرف گھومتے پھرتے رہتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغام پکڑا جائے۔ اُس نے آپ کی ہر بات مان لی ہے۔ وہ صلاح الدین ایوبی کا حامی نہیں، البتہ گھبرایا ہوا تھا اور اپنے آپ کو ایوبی کے مقابلے میں تنہا سمجھتا تھا۔ آپ کے پیغام نے اُسے بہت حوصلہ دیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ آپ اپنے مشیر بھیج دیں لیکن عربی تاجروں کے لباس میں ہوں اور یہاں ہر کسی کو یہی بتائیں کہ وہ شاہی سطح پر تجارت کی بات چیت کرنے آئے ہیں۔"

"وہ کسی شک میں تو نہیں؟" بالڈوِن نے پوچھا۔

"آپ نے اُسے یہودیوں کا جو تحفہ بھیجا ہے اُس نے کسی شک کی گنجائش نہیں رہنے دی۔" ایلچی نے جواب دیا۔ "میں نے وہاں چار روز قیام کیا ہے۔ اس دوران میں اُس کے سالاروں سے ملتا رہا ہوں اور اُس کے دوسرے حاکموں سے بھی ملا ہوں۔ ان میں بہت سے ایسے ملے ہیں جو ایوبی کے حق میں ہیں۔ میں نے ان میں سے دو کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور انہیں وعدے دیئے ہیں۔ چوری چھپے انہیں تحفے بھی دیئے ہیں۔ وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بھی موجود ہیں۔ اس لیے کسی بات کو مخفی رکھنا ممکن نہیں۔ تاہم اللک الصالح کو اپنے ہاتھ میں سمجھیئے۔ میں نے لڑکی کو ان دو جرنیلوں سے متعارف کرا دیا ہے جنہیں میں نے ہاتھ میں لیا ہے۔ وہ اپنا کام کرتی رہے گی۔ آپ اپنے آدمی جلدی روانہ کر دیں۔"

یہ ایلچی صرف ایلچی نہیں تھا۔ بتایا جا چکا ہے کہ انسانی نفسیات سے کھیلنے والا استاد تھا۔ اُس نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی اپنے افسروں کو اور اپنی قوم کو نصیحت اور وعظ کرتا رہتا ہے کہ بادشاہی کے خواب، دولت اور عورت ایسی بدعتیں ہیں جو انسان کے ایمان کو ختم کر دیتی ہیں۔ اُسے معلوم نہیں کہ جب یہ تینوں بدعتیں کسی عالم فاضل کے سامنے آ جائیں تو اُس کے بھی ایمان کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ یہ انسانی کمزوریاں ہیں۔ اُن کے سامنے وعظ بیکار ہو جاتے ہیں۔"

بالڈوِن نے اُسی وقت تین مشیر تیار کر لیے۔

☆

تجارتی سامان سے لدے ہوئے بہت سے اونٹوں کا ایک قافلہ حلب میں الصالح کے محل

سے ذرا ہی دور رُکا۔ اس کے ساتھ کئی ایک آدمی تھے۔ ان میں سے تین آدمی جو عربی لباس میں تھے محل کی طرف چل پڑے۔ دربانوں نے انہیں روک لیا۔ تاجر اللک الصالح سے ملنا چاہتے تھے۔ کہتے تھے کہ وہ ہیرے اور کچھ اور بیش قیمت سامان لائے ہیں جو بادشاہ خریدتے ہیں۔ اللہ وہ صاحب کے ساتھ تجارت کرنے کی بات چیت کریں گے۔ محافظوں کے کمانڈر ابنِ خطیب نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ان کی باتوں میں دلچسپی لے کر انہیں بے تکلفی سے بولنے کا موقع دیا۔ وہ اُن کی آنکھوں کا سبز اور نیلا رنگ اور چہرے کی رنگت کو غور سے دیکھتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ تجارت کی بات چیت براہِ راست بادشاہ کے ساتھ کبھی بھی نہیں ہوئی۔ وہ انہیں اندر لے گیا۔

"آپ اپنا اصل مقصد بتائیں۔" ابنِ خطیب نے پوچھا۔

"ہم اپنا مقصد بتا چکے ہیں۔"

"یروشلم سے آئے ہو یا عکرہ سے؟" ابنِ خطیب نے پوچھا۔

"ہم تاجر ہیں۔" ایک نے جواب دیا۔ "ہم ہر ملک میں جاتے ہیں۔ یروشلم اور عکرہ بھی جاتے ہیں۔ تم کس شک میں ہو؟"

"شک میں نہیں۔" ابنِ خطیب نے کہا۔ "مجھے یقین ہے۔ میں آپ تینوں کو جانتا ہوں۔ آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں آپ کا آدمی ہوں۔ میرا نام ابنِ خطیب ہے لیکن میرا نام کچھ اور ہے۔ ہر من اچھی طرح جانتا ہے۔"

ہر من صلیبیوں کے جاسوسی اور سراغرسانی کے نظام کا سربراہ اور اس فن کا ماہر تھا۔ ابنِ خطیب نے کوئی خفیہ لفظ بولا جو صلیبیوں کے جاسوس ایک دوسرے کی شناخت کے لیے بولا کرتے تھے۔ تاجر جو دراصل بالڈوِن کے بھیجے ہوئے مشیر تھے مسکرائے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ اللک الصالح کے ہاں صلیبی جاسوس موجود ہیں۔ ابنِ خطیب نے انہیں یقین دلا دیا کہ وہ انہی کا جاسوس ہے۔

"آپ اسی مقصد کے لیے آئے ہیں؟" ابنِ خطیب نے پوچھا۔ "مجھ سے نہ چھپائیں ورنہ آپ کو اندر نہیں جانے دیا جائے گا۔"

"ہاں!" ایک صلیبی نے کہا۔ "اسی مقصد کے لیے.... اور ہمیں یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس محل میں موجود ہیں؟"

"موجود ہیں لیکن اُن پر ہماری نظر ہے۔" ابنِ خطیب نے کہا۔ "اُن سے ہم آپ کو چھپائے رکھیں گے لیکن مجھے آپ کے مقصد سے پوری واقفیت ہونی چاہیے۔"

ان تینوں نے اپنے خفیہ الفاظ اور طریقوں سے یقین کر لیا کہ ابنِ خطیب انہی کا آدمی ہے۔ انہوں نے اُسے اپنا مقصد بتا دیا۔ ابنِ خطیب نے اندر جا کر اللک الصالح کو اطلاع دی کہ تین تاجر شہر ملاقات چاہتے ہیں۔

"تم محافظ دستے کے نئے کمانڈر ہو؟" الملک الصالح نے پوچھا۔

"جی حضور!" اُس نے جواب دیا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

اُس نے کسی گاؤں کا نام لیا تو الملک الصالح نے کہا۔ "ہم ہر وقت ہر کسی سے نہیں مل سکتے۔ آئندہ خیال رکھنا۔ ان تینوں کو اندر بھیج دو۔"

اُس نے باہر جا کر تینوں کو اندر جانے کو کہا اور آنکھ مار کر ہدایت کی کہ بہت سنبھل کر بات کریں۔

☆

رات عشا کی نماز کے بعد ابنِ خطیب جامع مسجد کے امام کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ دو اور آدمی بھی تھے۔

"اب اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہی کہ الملک الصالح ایک بار پھر صلیبیوں کے جال میں آ رہا ہے۔" ابنِ خطیب نے کہا۔ "میں نے آپ کو پہلے ایلچی اور تحفوں کی اطلاع دی تھی۔ وہ صلیبیوں کی طرف سے آئے تھے اور ساتھ ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ آج پتہ چل گیا ہے کہ وہ ایلچی بالڈوِن کی طرف سے آیا تھا۔ آج تین تاجر الملک الصالح سے تجارت کی بات چیت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں میں نے دو سال بیت المقدس میں صلیبیوں کے درمیان رہ کر جاسوسی کی ہے۔ ان تینوں کے چہرے اور زبان کا لہجہ بتاتا تھا کہ انہوں نے جو عربی لباس پہن رکھا ہے یہ بہروپ ہے۔ میں نے اُن کا جاسوس بن کر اُن کا اصل روپ دیکھ لیا ہے۔ بیت المقدس کی جاسوسی نے آج مجھے بہت فائدہ دیا ہے۔ میں اُن کے خفیہ (کوڈ) الفاظ جانتا ہوں اور خفیہ اشارے بھی۔ محترم علی بن سفیان کی تربیت کی برکت آج دیکھی ہے۔"

ابنِ خطیب سلطان ایوبی کا جاسوس تھا جو تھوڑا ہی عرصہ گزرا حلب میں آیا اور الملک الصالح کے ایک ایسے نائب سالار کی کوشش سے محافظ دستے کا کمانڈر بنا دیا گیا جو سلطان ایوبی کا حامی تھا۔ ابنِ خطیب علی بن سفیان کا خصوصی طور پر ذہین اور بے خوف جاسوس تھا۔ وہ دو سال بیت المقدس میں صلیبی بادشاہوں اور جرنیلوں کے ہیڈ کوارٹر میں رہا اور اس نے کامیاب جاسوسی کی تھی۔ جامع مسجد کا امام ان تمام جاسوسوں کا کمانڈر تھا جو سلطان ایوبی نے حلب میں بھیج رکھے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد جیسے کوئی رپورٹ دینی ہوتی وہ مسجد میں جا کر امام کو دیتا تھا۔ امام اپنے طور پر تصدیق کر کے رپورٹ سلطان ایوبی تک پہنچا دیتا تھا۔ ابنِ خطیب بڑی ہی قیمتی رپورٹ لایا تھا۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر عورت آ گئی۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ برقع نما کپڑے میں مستور تھی۔ اندر آ کر اُس نے چہرہ بے نقاب کیا۔ اسے دیکھ کر سب ہنس پڑے۔ وہ الملک الصالح کی خادمہ تھی۔ یہ اُس کی خواب گاہ کی دیکھ بھال کرتی اور اُس کی در پردہ زندگی کی راز دان تھی۔ وہ اُسی روز امام کو رپورٹ دے چکی تھی کہ صلیبیوں کی طرف الملک الصالح کے پاس ایک لڑکی آئی ہے جو شکل و صورت، جسم، رنگ

اور ناز و ادا اور زبان کی چاشنی کے لحاظ سے سر تا پا ایسا جادو ہے جس سے کوئی زاہد اور پرہیزگار بھی نہیں بچ سکتا۔ وہ امام کو بتا چکی تھی کہ الصالح کا باقاعدہ حرم نہیں لیکن اُس کی راتیں عورت کے بغیر نہیں گزرتیں۔ عورت اس کی کمزوری بن گئی ہے۔

"... مگر اس لڑکی نے جو مجھے یہودی معلوم ہوتی ہے، الصالح کو اپنا غلام بلکہ قیدی بنا لیا ہے۔" خادمہ نے کہا۔ "وہ اتنا پاگل ہو گیا ہے کہ مجھ سے باچھیں کھلا کر پوچھتا ہے 'یہ لڑکی تمہیں پسند ہے؟ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں؟' ۔۔۔ میں نے ایک بار اسے کہا کہ اپنی بہن سے پوچھ لیں۔ اُس نے مجھے سختی سے کہا کہ اس کی بہن کے ساتھ ذکر نہ کروں۔" خادمہ بھی جاسوس تھی۔ اُس نے تفصیل سے بتایا کہ الملک الصالح پوری طرح اس لڑکی کے جال میں آ گیا ہے۔ اب کوئی اور لڑکی اس کی خواب گاہ میں داخل نہیں ہو سکتی۔

"اب سوچنا یہ ہے کہ اسی وقت سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی جائے یا دیکھ لیا جائے کہ صلیبی کیا کرتے یا الصالح سے کیا کرواتے ہیں۔" امام نے کہا۔ "میرا رائے یہ ہے کہ الصالح کوئی ٹھوس کارروائی کرے جو معاہدے کے خلاف ہو تو سلطان کو اطلاع دی جائے۔"

"سلطان مصر چلے گئے ہیں۔" ایک اور نے کہا جو بوڑھا تھا اور دانشمند معلوم ہوتا تھا۔ "اِدھر العادل ہیں۔ وہ سلطان سے حکم منگوائے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اتنے عرصے میں یہاں کے حالات ایسے ہو سکتے ہیں جو شاید قابو سے نکل جائیں۔ کیوں نہ کوئی ایسی کارروائی سوچی جائے جو اس سلسلے کو یہیں پر ختم کر دے۔"

"میں آپ کو ایک مشورہ دیتی ہوں۔" خادمہ نے کہا۔ "الصالح کی توجہ صرف لڑکی پر ہے۔ وہ بھلا بُرا سوچنے کے بھی قابل نہیں رہا۔ یہ لڑکی دن کے وقت بھی اُسے شراب میں مدہوش رکھتی ہے۔ بدبخت پہلے بھی پیتا تھا لیکن صرف رات کو پیتا تھا اور اتنی زیادہ اُس نے کبھی نہیں پی تھی۔ نشے کی حالت میں وہ اپنی بہن کے سامنے نہیں ہوتا تھا۔ اُسے دن کو ملتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ جب سے یہ لڑکی آئی ہے، بہن بھائی کی ملاقات نہیں ہوئی۔ بہن میں باپ کی شرافت ہے۔ وہ مجھ سے پوچھتی ہے تو میں کہہ دیتی ہوں کہ سلطنت کے کام ایسے ہیں کہ الصالح کو فرصت نہیں۔۔۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ لڑکی کو غائب کر دیا جائے تو الصالح کے ہوش ٹھکانے نہیں رہیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ صلیبیوں سے کوئی بات کرے یا نہ کرے۔"

اس کارروائی پر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ ابنِ خطیب نے کہا کہ وہ تاجروں کو بھی غائب کر سکتا ہے۔ یہ فیصلہ ہوا کہ موقعہ دیکھ کر پہلے لڑکی کو غائب کیا جائے مگر یہ کام آسان نہیں تھا بلکہ ناممکن تھا۔ تاہم انہوں نے اسی کارروائی کا فیصلہ کر لیا۔

☆

یہ نومبر ۱۱۸۱ء کے دن تھے۔ اونٹوں کا قافلہ باہر رُکا رہا۔ لوگ خرید و فروخت کرتے رہے۔ تینوں صلیبی مشیر عربی تاجروں کے بھیس میں الصالح سے ملتے ملاتے رہے۔ وہ اپنی شرائط خفیہ طور پر طے کر رہے تھے۔ ۱۶/۱۱ نومبر (۸/ رجب ۵۷۷ھ) کی رات الصالح نے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا جس کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن درپردہ اس ضیافت کی تقریب یہ تھی کہ صلیبی مشیروں کے ساتھ الصالح نے خفیہ معاہدہ کر لیا تھا جس کا علم صرف دو سالاروں کو تھا۔ رات کی ضیافت میں سینکڑوں مہمان تھے۔ ان میں صلیبی مشیر بھی تھے جو ابھی تک عربی تاجروں کے لباس میں تھے۔ اُن کے قافلے کے شتربان بھی اس میں مدعو تھے لیکن وہ شتربانوں کی حیثیت سے ضیافت میں نہیں آئے تھے۔ ان میں دراصل شتربان کوئی بھی نہیں تھا۔ ان میں بعض جاسوس تھے اور باقی صلیبی فوج کے افسر۔ ضیافت میں یہودی لڑکی بھی تھی اور الصالح کی بہن بھی مگر اسے انتظامات کی دیکھ بھال سونپی گئی تھی۔

اُس رات محافظ دستے کی پابندیاں بھی کم ہو گئی تھیں۔ مہمانوں کا ریلا چلا آ رہا تھا۔ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کم از کم الصالح کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ شراب کا دَور چل رہا تھا۔ سالم بکرے روسٹ کیے گئے تھے۔ وسیع میدان میں قناتیں اور شامیانے لگائے گئے تھے۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی ضیافت کا رنگ نکھرتا آ رہا تھا۔ ہر طرف مہمانوں کی چہل پہل تھی۔

یہودی لڑکی اِدھر اُدھر پھر رہی تھی۔ وہ کسی سے مل کر آ رہی تھی کہ اسے خادمہ نے روک لیا اور کسی سالار کا نام لے کر کہا کہ وہ کسی ضروری بات کے لیے بلا رہا ہے۔ لڑکی کو معلوم تھا کہ وہ اُس کا اپنا آدمی ہے۔ وہ اُدھر چلی گئی۔ پھر واپس نہیں آئی۔ الصالح کو ابھی پتہ نہیں چلا تھا کہ لڑکی غائب ہو گئی ہے۔ ابنِ خطیب اُس رات ڈیوٹی پر نہیں تھا۔ اُس نے تین تاجروں میں سے ایک کے ساتھ بات کرنے کا موقع پیدا کر لیا اور کہا ــــ "آپ تینوں یہاں سے نکلیں ورنہ مارے جائیں گے۔ بہت بڑا خطرہ ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی اطلاع ملی ہے کہ مہمانوں کے بھیس میں یہاں موجود ہیں" ــــ اُس نے اسے ایک جگہ بتا کر کہا کہ تینوں وہاں آ جائیں۔ آگے انہیں لے جا کر چھپانے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔

"اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہی ہے" صلیبی نے کہا۔ "ہمارا کام ہو چکا ہے"۔

"پھر جلدی نکلیں"۔ ابنِ خطیب نے کہا ــــ "ورنہ صبح تک آپ کی لاشیں یہاں سے نکلیں گی"۔

اس صلیبی نے یہ بات اپنے ساتھیوں کے کانوں میں جا ڈالی اور وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح نکلے کہ کسی کو شک نہ ہو۔ اگر وہ محل کے اندر ہوتے تو نکلتے دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ میدان تھا۔ اندھیرے راستے سے گئے۔ آگے ابنِ خطیب تین گھوڑوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ خود بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ ضیافت میں رقص و سرود اور مہمانوں کا اتنا شور تھا کہ کسی کو چار گھوڑوں کے قدموں کی آواز نہ سنائی دی اور الصالح کو علم ہی نہ ہو سکا کہ اُس کے خصوصی مہمان فرضی خطرے سے بھاگ کر حقیقی

خطرے میں چلے گئے ہیں۔

☆

آبادی سے دُور ایک جھونپڑا نما مکان تھا۔ تینوں صلیبی اس میں بیٹھے تھے۔ ابنِ خطیب خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ ان کی جانیں بچ گئی ہیں۔ انہوں نے اپنے شتربانوں کے متعلق فکر کا اظہار کیا۔ ابنِ خطیب نے انہیں تسلی دی کہ سب کو نکال لیا جائے گا۔ اُس نے ان سے پوچھا کہ وہ اسے بتا کر جائیں کہ کیا معاملہ طے ہوا ہے تاکہ وہ اس کے مطابق چوکنا رہے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ الصالح کو درپردہ جنگی سامان اور گھوڑے دیں گے۔ اس کی فوج کو ٹریننگ دیں گے۔ جاسوس دیں گے اور جب وہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑے گا تو صلیبی فوج سلطان ایوبی پر عقب سے حملہ کرے گی۔ شرط یہ کہ الصالح سلطان ایوبی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دے گا لیکن اُس وقت توڑے گا جب صلیبی اُسے اشارہ دیں گے۔

"اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے؟" ایک صلیبی نے پوچھا۔

"ہاں!" ابنِ خطیب نے کہا۔ "آپ کی روانگی کا وقت آ گیا ہے۔ میرے ساتھ آؤ"۔

ابنِ خطیب نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہ دوسرا دروازہ تھا۔ اُس نے تینوں سے کہا کہ چلو۔ وہ کمرہ تاریک تھا۔ تینوں اس کمرے میں گئے تو پیچھے سے ایک کی گردن کے گرد ایک بازو لپٹ گیا اور ایک ایک خنجر ہر ایک کے دل میں اُتر گیا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک گہرا گڑھا پہلے ہی کھود لیا گیا تھا۔ تینوں کو اس میں پھینک دیا گیا۔

اسی کمرے کے ایک کونے میں یہودی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جو اندھیرے میں کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ اسے بھی ضیافت سے خادمہ کے ذریعے بلا کر کامیابی سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ کمرے میں ابنِ خطیب کے علاوہ پانچ آدمی تھے۔ انہوں نے لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور منہ سے کپڑا نکال دیا۔ لڑکی اپنے صلیبیوں کا حشر دیکھ چکی تھی۔ اس نے کہا کہ مجھے دوسرے کمرے میں لے چلو۔ اسے وہاں لے گئے۔ وہاں ایک دیا جل رہا تھا۔

"کیا تم نے مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکی کبھی دیکھی ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"کیا تم نے ہم سے زیادہ ایمان والے کبھی دیکھے ہیں؟" ابنِ خطیب نے کہا۔ "ہم تمہیں اتنی مہلت نہیں دیں گے کہ تم الصالح کی طرح ہمارے ایمان بھی خرید سکو"۔

"میں اپنی جان کی بخشش مانگ رہی ہوں" لڑکی نے کہا ــــ "مجھے تم لوگ پسند نہیں کرتے تو بتاؤ کتنا سونا مانگتے ہو، صبح تمہارے قدموں میں رکھ دوں گی، پھر میں یہاں سے یروشلم چلی جاؤں گی"۔

ابنِ خطیب نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اُس نے دو ساتھیوں کے چہروں پر عجیب

سے تاثرات دیکھے۔ ابن خلیب نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا اور لڑکی کے دل میں اُتار دیا۔ وہ گری تو اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہُوا دوسرے کمرے میں لے گیا اور گڑھے میں پھینک دیا۔ سب نے مل کر گڑھا مٹی سے بھر دیا۔

امام کو رات کو ہی اطلاع دے دی گئی کہ کام مکمل کر دیا گیا ہے۔ ادھر الصالح تینوں صلیبیوں اور لڑکی کے متعلق کہہ رہا تھا کہ بہت دیر سے نظر نہیں آئے.... آدھی رات کے کچھ دیر بعد جب آخری مہمان بھی رخصت ہو گیا تو وہ اپنے ہمرازوں سے یہی پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ وہ کبھی بھی نہ ملے۔ وہ لڑکی کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ اُس نے خادمہ کی جان کھالی۔ باقی رات نہ خود سویا، نہ اُس نے اپنے ذاتی ملازموں کو سونے دیا۔ خادمہ نے امام سے کہا تھا کہ لڑکی کے بغیر وہ ہوش کھو بیٹھے گا۔ اس کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ وہ تو پاگل ہُوا جا رہا تھا۔

☆

صبح اُس کی حالت پاگلوں جیسی بدتر تھی۔ اُس نے اپنے دو ہمراز سالاروں کو اپنے سامنے کھڑا کر رکھا تھا۔ انہوں نے ابن خلیب کو بلا لیا اور پوچھا کہ اُس نے ایک لڑکی اور عربی تاجروں کو باہر جاتے تو نہیں دیکھا؟

"میں نے انہیں دیکھا تھا" ابن خلیب نے کہا۔ "میں اپنے دستے کے ساتھ باہر مستعد کھڑا تھا۔ آدھی رات سے پہلے تینوں تاجر باہر آئے۔ اُن کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ چلے گئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ مجھے دوڑتے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ میں نے انہیں واپس آتے نہیں دیکھا۔"

وہ سالار بھی جو سلطان ایوبی کا حامی تھا آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ صلیبی اور لڑکی کہاں ہیں۔ اُس نے الصالح کو صلیبیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اس نے کہا۔ "وہ اتنی خوبصورت لڑکی کو آپ کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ انہوں نے آپ کو دھوکہ دے کر آپ سے کوئی بڑا ہی نازک راز حاصل کر لیا ہے۔ یہ شاید آپ کو بھی معلوم نہیں کہ وہ راز کیا ہوگا۔"

الصالح پر خاموشی طاری ہو گئی۔ اُسے غالباً یہ احساس ہو گیا تھا کہ لڑکی اسے دن کے وقت بھی شراب میں بے ہوش رکھتی رہی ہے۔ اس حالت میں معلوم نہیں وہ اس سے کیا کچھ کہلواتی رہی ہے۔ اُسے شدید صدمہ پہنچا۔ وہ رات بھر سویا بھی نہیں تھا۔ بہت دنوں سے وہ دن رات شراب پیتا رہا تھا۔ اُس کے اثرات کے علاوہ نیند اور پچھتاوا بھی تھا۔ اُس نے غصے سے حکم دیا۔ "وہ جو اُن کے ساتھ قافلہ آیا تھا ان سب کو قید میں ڈال کر مار ڈالو۔ اُن کے اونٹوں اور سامان کو سرکاری ملکیت میں لے لو۔"

اُسی شام الصالح کو پیٹ میں درد کی ٹیس اٹھی۔ طبیب نے دوائی دی لیکن مرض بڑھتا گیا

اور رات کو درد پیٹ سے ناف تک پھیل گیا۔ رجب ۵۷۷ھ کی صبح الصالح کی حالت بیسیوں طبیبوں کے بس سے باہر ہو گئی۔ طبیب ہر لمحہ اس کے پاس موجود رہنے لگے مگر افاقہ ہونے کی بجائے درد بڑھتا گیا۔ رات بھی ایسے ہی گزری۔ دوسرے دن اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ طبیبوں نے اُسے تو نہ بتایا، سالاروں وغیرہ کو بتا دیا کہ الصالح کا جانبر ہونا مشکل ہے۔ جامع مسجد کے امام کو بلا لیا گیا۔ اس نے سرہانے بیٹھ کر قرآن خوانی شروع کر دی۔ رات کو الصالح نے آنکھ کھولی۔ امام کو دیکھا اور مری ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر قرآن برحق ہے تو اس کی برکت سے مجھے صحت یاب کرو۔"

"میں یہ کہنے سے نہیں ڈروں گا کہ آپ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں۔" امام نے کہا۔ "قرآن کی برکت اُن کے لیے ہے جو اس کے ہر فرمان پر عمل کرتے ہیں..... خدا سے گناہوں کی بخشش مانگیں۔ اپنی ماں سے گناہوں کی معافی مانگیں۔"

اُس وقت اس کی بہن شمس النسار پاس کھڑی رو رہی تھی۔ الصالح کے منہ سے نکلا۔ "ماں... میری ماں کو بلاؤ۔ اسے کہو تمہارا گناہگار بیٹا مر رہا ہے۔ اگر دودھ کی دھاریں اور گناہ بخش دو۔"

امام نے شمس النسار کی طرف دیکھا۔ اُس نے بھائی کے ماتھے پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا۔ "میں ابھی دمشق کے لیے روانہ ہو جاتی ہوں۔ ماں کو لے کر آؤں گی۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے محافظوں کے ساتھ دمشق کے راستے پر جا رہی تھی۔

قاضی بہاؤالدین شدادؒ نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے۔ "۱۲ رجب کے روز الصالح کی حالت اتنی بگڑی کہ قلعے کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ الصالح نے ذرا ہوش میں آ کر عزالدین کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ عزالدین سیف الدین کے مرنے کے بعد موصل کا والی بنا تھا۔ وہ موصل میں تھا۔ اب اُسے حلب کا والی بھی بنا دیا۔ الصالح نے تمام امراء اور سالاروں کو بلا کر کہا کہ وہ حلف اٹھائیں کہ عزالدین کو اپنا والی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے وفادار رہیں گے۔ سب نے حلف اٹھایا۔ ۲۵ رجب ۵۷۷ھ الملک الصالح غشی کے عالم میں فوت ہو گیا۔ موصل کو قاصد دوڑایا گیا کہ عزالدین کو کوچ کر بلا لائے کہ اسے حلب کا والی مقرر کیا گیا ہے۔"

☆

جس وقت شمس النسار دمشق میں اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھی ماں سے کہہ رہی تھی کہ اُس کا اکلوتا بیٹا مر رہا ہے اور دودھ کی دھاریں بخشوانے کے لیے اسے بلا رہا ہے اور ماں نے کہا تھا کہ میں دودھ کی دھاریں بخش دوں گی اس کے گناہ اللہ بخشے گا، اُس وقت الصالح فوت ہو چکا تھا۔ شمس النسار حلب واپس گئی تو اس کے اکلوتے بھائی کا جنازہ قلعے سے نکل رہا تھا۔

عزالدین کو قاصد نے الصالح کی موت کا پیغام دیا تو وہ اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ راستہ چھوٹا کرنے کے لیے وہ کسی اور راستے سے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس کا گزر سلطان ایوبی کے بھائی العادل کی فوج

کی خیمہ گاہ سے ہُوا۔ وہ العادل سے ملنے رک گیا۔ العادل کو معلوم نہیں تھا کہ الصالح مرگیا ہے۔ عزالدین نے اُسے یہ خبر سنائی اور یہ بھی کہ اسے حلب کا والی مقرر کیا گیا ہے۔

العادل نے اسے کہا۔ "تم آئندہ خانہ جنگی کو روک سکتے ہو اور حلب کو دمشق سے ملا سکتے ہو۔ غدار مرگیا ہے۔ تم تو ایمان فروش نہیں"۔

عزالدین گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ وقت بعد اُس نے العادل سے کہا۔ "ہاں! میں حلب اور دمشق کو ایسے رشتے میں جکڑ سکتا ہوں جو کبھی نہیں ٹوٹے گا، لیکن.... لیکن اسے مضبوط بنانے کے لیے تم ایک کام بلکہ میری خواہش پوری کر سکتے ہو.... میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ عظیم عورت مان جائے تو...."

"میں آج ہی دمشق چلا جاؤں گا"۔ العادل نے کہا۔ "مجھے اُمید ہے وہ مان جائے گی"۔

العادل دمشق گیا۔ رضیع خاتون کو یہ خبر سنائی کہ اُس کا بیٹا مرگیا ہے۔

"اللہ اُس کے گناہ معاف کرے"۔ ماں نے کہا۔

کچھ دیر بعد العادل نے کہا کہ الصالح عزالدین کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے اور عزالدین نے اُس کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی ہے۔ رضیع خاتون نے انکار کر دیا۔

"یہ شادی آپ کی اور عزالدین کی نہیں ہوگی"۔ العادل نے کہا۔ "یہ دمشق اور حلب کی شادی ہوگی۔ اس سے آئندہ خانہ جنگی رک جائے گی اور صلیبیوں کے خلاف محاذ مستحکم ہو سکے گا"۔

"عظمتِ اسلام کے لئے میں ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "میری ذاتی خواہشیں مر چکی ہیں"۔

۵ شوال (۱۱ فروری ۱۱۸۲ء) عزالدین اور رضیع خاتون کی شادی ہوگئی۔

☆

سانپ اور صلیبی لڑکی

سانپ ڈیڑھ بالشت لمبا ہوگا مگر اس نے اسحاق داؤشکی کے اتنے قوی ہیکل گھوڑے کو اوندھا کر دیا۔ منزل ابھی بہت دُور تھی۔ صحرائے سینا ابھی آدھا باقی تھا۔ اسحاق داؤشکی ترکی کا رہنے والا تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ تنومند تھا، خوبرو تھا، چہرے کی رنگت میں کشش تھی۔ اُس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسلمان ہے یا صلیبی۔ وہ جتنا تنومند اور خوبرو تھا اُس سے کہیں زیادہ دماغی لحاظ سے چست اور چالاک تھا۔ وہ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہُوا تھا جب اُس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اُس نے فوجی ملازمت کو ذریعہ معاش نہیں سمجھا تھا۔ وہ مردِ مومن کی صحیح تصویر تھا۔ صلیب کے پجاریوں کے عزائم سے آگاہ ہو کر اسلام کی پاسبانی کے لیے دمشق آیا اور فوج میں شامل ہو گیا تھا۔ جب سلطان ایوبی کو مصر کی امارت سونپی گئی تو اسحاق کو مصر بھیج دیا گیا تھا۔ وہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو ترک کہلاتا تھا۔

تُرکی کے بے شمار باشندے سلطان ایوبی کی فوج میں تھے۔ سلطان ایوبی کو اُن پر بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اس نے جب کمانڈو فورس بنائی تو اس کے لیے زیادہ تر نفری ترکوں کی تیار کی۔ اسی فورس میں سے جاسوس بھی منتخب کیے گئے تھے۔ ان میں اسحاق ترک بھی تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین اور دلیر چھاپہ مار تھا۔ اسے کمانڈر بنا دیا گیا تھا۔ پھر اُسے صلیبیوں کے علاقوں میں جاسوسی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ خطرے کا شیدائی تھا۔ جان کی بازی لگا کر زمین کی تہوں سے بھی راز نکال لیا کرتا تھا، مگر اب صحرائے سینا میں ذرا جتنے سانپ نے اُسے بڑے ہی کڑے امتحان میں ڈال دیا۔ وہ اُن مسلمان علاقوں میں تھا جن پر صلیبیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ وہاں سے حلب چلا گیا اور اب وہ ایک نہایت اہم اطلاع لے کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی قاہرہ میں تھا۔ اسحاق ترک کو بہت جلدی پہنچنا تھا۔ راستے میں وہ کم سے کم آرام کر رہا تھا۔

وہ سرسبز علاقوں سے نکل گیا تھا۔ آگے ریت کا وہ سمندر تھا جس سے کوئی بھٹکا ہُوا مسافر کبھی زندہ نکل کر نہیں گیا۔ صحرا انسان اور حیوان کا دشمن ہے۔ اسحاق ترک ریگزار کا بھیدی تھا..... سرسبز علاقے سے اُس نے پانی گھوڑے کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ اُسے راستے کا بھی علم تھا جہاں ایک

دو جگہ پانی مل جاتا تھا۔ اس صحرا میں اس نے لڑائیاں بھی لڑی تھیں جب وہ اس میں داخل ہوا تھا تو اسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ صلیبیوں اور صحراؤں سے وہ کبھی نہیں ڈرا تھا۔ اسی جنگ و جدل اور مسافت کو وہ زندگی سمجھتا تھا۔ یہ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا کی خوشنودی اسی جہاد میں ہے۔

وہ صحرائی ٹیلوں میں گھوڑے کو ذرا آرام دینے کے لیے رک گیا۔ دوپہر کا سورج کچھ آگے نکل گیا تھا۔ اسحاق ترک ایک ٹیلے کے سائے میں لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ گھوڑا بھی زیادہ سے زیادہ نہ دوڑ سکا۔ اسحاق کی آنکھ کھل گئی۔ گھوڑا تھوڑی سی جگہ میں چکر میں دوڑ رہا تھا لیکن زیادہ نہ دوڑ سکا۔ رک گیا اور اس کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اسحاق ترک نے دیکھا کہ جہاں وہ سویا تھا اس سے چار پانچ قدم دور ڈیڑھ بالشت لمبا سانپ جس کا رنگ سیاہ تھا اور اس پر سفید اور کالے دھبے تھے تڑپ رہا تھا۔ دم کی حرکت سے اس کا آدھا جسم کچلا ہوا تھا۔ گھوڑا وہیں کھڑا تھا۔ اسحاق سمجھ گیا کہ سانپ کاٹنے سے پہلے یا بعد گھوڑے کے پاؤں کے نیچے آیا ہے۔ وہ اب چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اسحاق ترک نے اس کا سر اپنے پاؤں تلے مسل ڈالا۔

گھوڑے کے زندہ رہنے کی امید ختم ہو گئی تھی۔ صحرا کا بچھو اور یہ سانپ اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ جسے ڈس لیں اسے پانی پینے کی مہلت نہیں ملتی۔ صحراؤں کے مسافر جلا دینے والے سورج سے اور لوٹ کر قتل کر دینے والے ڈاکوؤں سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا اس سانپ اور بچھو سے ڈرتے ہیں۔ یہ سانپ ریگستانی اور پہاڑی علاقوں کے سانپوں کی طرح آگے کو نہیں رینگتا بلکہ پہلو کی طرف عجیب سی چال سے رینگتا ہے۔ اسحاق نے اپنے گھوڑے کو مایوسی سے دیکھا۔ گھوڑا بڑی تیزی سے کانپا۔ اس کا منہ کھل گیا تھا۔ گھوڑے کی ٹانگیں دو تین بار موڑیں پھر اس کا پیٹ زمین سے لگا اور وہ ایک پہلو پر گر پڑا۔ اسحاق ترک اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اعلیٰ نسل کا جنگی گھوڑا تھا جو ق و دق صحرا بھوک اور پیاس کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ یہ تو ایک نقصان تھا کہ ایسا اعلیٰ گھوڑا ضائع ہو گیا تھا۔ مگر اس وقت نقصان یہ ہوا کہ اسحاق ترک کو پیدل قاہرہ تک پہنچنا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے یہ راز جو وہ سینے میں لے کے جا رہا تھا فوراً سلطان ایوبی تک نہ پہنچایا تو بہت بڑے جنگی نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

اس نے گھوڑے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی نظر گھوڑے کے ایک پاؤں پر پڑی۔ کھر کے ذرا اوپر خون کے چند قطرے جمے ہوئے تھے۔ یہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ گھوڑا مر چکا تھا۔ اسحاق نے گھوڑے کی زین سے کھجوروں کا تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ کھولا اور چل پڑا۔ اس نے مرے ہوئے سانپ کو دیکھا اور نفرت سے کہا۔ "سانپ اور صلیبی کی فطرت ایک سی ہے۔"

☆

وہ ریتلے ٹیلوں کے علاقے سے نکل گیا۔ سورج افق سے کچھ دور رہ گیا تھا۔ اس کا قہر عروج پر تھا۔ وہ اپریل ۱۱۸۲ء کے دن تھے جو دنیا کے لیے بہار کے دن تھے مگر صحراؤں میں کبھی بہار نہیں آتی۔ اسحاق ترک کے سامنے افق تک پھیلا ہوا ریت کا سمندر تھا جس میں چھوٹی چھوٹی خشک جھاڑیاں تھیں۔ ریت اس طرح جھلس رہی تھی جیسے ایک آدھ میل آگے پانی ہی پانی ہو اور اس میں سے شفاف بھاپ اٹھ رہی ہو۔ اسحاق ابھی تازہ دم تھا۔ وہ کھجوروں کے تھیلے، مشکیزے، تلوار اور خنجر کا بوجھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس کی چال میں جان تھی اور ظاہر ہوتا تھا جیسے پہنچنے کے عزم میں ابھی کوئی لغزش پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ چلتا گیا اور سورج غروب ہو گیا۔

وہ ذرا سی دیر کے لیے رکا۔ چند ایک کھجوریں کھائیں، پانی پیا اور چند منٹ لیٹ کر اٹھ بیٹھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ بڑی ہی قیمتی امانت سلطان ایوبی کے لیے لے جا رہا ہے۔ اسے کچھ کھانے اور پینے کی جیسے فرصت ہی نہیں تھی۔ اس کی روح سرشار تھی۔ فرض کے شیدائی جب فرض ادا کر لیں تو ان کی روحیں مسرور ہو جاتی ہیں۔ اسحاق ترک بھی روحانی مسرت سے سرشار تھا۔ وہ اٹھا۔ ستاروں کو دیکھا۔ سمت کا تعین کیا اور چل پڑا۔ صحرا کی رات اتنی خنک ہوتی ہے جتنا دن گرم اور جھلسا دینے والا ہوتا ہے۔ رات کو چلنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ وہ چلتا گیا۔ اس نے چلتے چلتے بہت کچھ سوچا۔ یہ بھی سوچا کہ وہ اتنی لمبی مسافت اتنے کم عرصے میں طے نہیں کر سکے گا۔ اس کا یہی ایک علاج تھا کہ کوئی اکیلا دکیلا گھوڑ سوار یا شتر سوار مل گیا تو اس سے گھوڑا یا اونٹ چھین لے گا اور اگر کوئی قافلہ رکا ہوا نظر آ گیا تو گھوڑا یا اونٹ چوری کر لے گا۔ اسی توقع پر چلتا گیا۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ اس کے پاؤں تلے سے ریگزار پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اور اسے تھکن کا احساس بھی ہونے لگا تھا لیکن اسے ٹریننگ ایسی ملی تھی کہ تھکن، نیند، بھوک اور پیاس کو کئی روز تک برداشت کر سکتا تھا۔ تھکن کے پہلے احساس کو اس نے ایک جنگی ترانے کے حوالے کر دیا۔ وہ بلند آواز سے ترانہ گانے لگا.... رات کے آخری پہر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑا سا پانی پیا اور وہیں سو گیا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا جب اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بھوک کے احساس کو دبا لیا۔ پانی بھی نہ پیا۔ منزل ابھی بہت دور تھی۔ کھجوریں اور پانی بچانے کی ضرورت شدید تھی۔ وہ اٹھا اور چل پڑا۔

اسے صحرا کا ایک اور خطرہ دور سے ہی نظر آنے لگا۔ یہ ریت کی گول گول ٹیکریاں تھیں جو دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ان کی بلندی بھی ایک جیسی ہوتی ہے۔ ان میں کوئی اجنبی داخل ہو جائے تو باہر نکل نہیں سکتا۔ یہ بھول بھلیاں بنی ہوتی ہیں۔ بعض مسافر ایک ہی ٹیکری کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ سفر طے کر رہے ہیں۔ صحراؤں کے بھیدی بھی ان سے ڈرتے ہیں۔ اسحاق ترک کو پہلا احساس یہ ہوا کہ یہ ٹیکریاں اس کے راستے میں نہیں آنی چاہئیں تھیں۔ اس سوال نے اسے پریشان کر دیا۔ کیا وہ اس راستے سے بھٹک گیا ہے جس سے وہ واقف تھا؟ وہ اب ادھر ادھر کہیں نہیں

جا سکتا تھا اسے انہی میں سے گزرنا تھا۔ وہ بڑھتا گیا اور ٹیکریوں میں داخل ہو گیا۔ اس وقت تک سورج اوپر آچکا تھا اور صحرا تپنے لگا تھا۔ وہ ٹیکریوں میں گھومتا، موڑ مڑتا گیا۔ ریت اس کے پاؤں جکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہاں کی ریتلی زمین بتا رہی تھی کہ اسحاق سے پہلے یہاں سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرا۔ اسحاق چلتا گیا۔ سورج سر پہ آگیا تو بھی وہ ریت کی انہی ڈھیروں میں گھومتا مڑتا جا رہا تھا۔ وہ ایک اور موڑ مڑا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ اُس نے زمین پر اپنے ہی پاؤں کے نشان دیکھے جو ایک اور ٹیکری کے گرد مڑ گئے تھے۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ صحرا کے بے حد خطرناک دھوکے میں آگیا ہے۔ وہ سامنے والی ٹیکری پر چڑھ گیا۔ ہر سُو نگاہ دوڑائی۔ اسے یوں نظر آیا جیسے ساری دنیا ریت کے گول گول اونچے اونچے ڈھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سورج کی آگ اور ریت کی گرمی نے اُس کے جسم کی نمی چُوسنی شروع کر دی تھی۔ ریت نے اُس کے پاؤں جکڑ جکڑ کر من من وزنی کر دیے تھے۔ اس نے پانی پیا اور سمت کا اندازہ کر کے نیچے اُترا۔ اب اُسے دماغ حاضر رکھنا تھا۔ ہر موڑ ذہن میں محفوظ رکھنا تھا۔ وہ ٹریننگ کے مطابق چل پڑا۔ اب وہ جن دو ڈھیری نما ٹیکریوں کے درمیان سے گزرتا انہیں ذہن میں نقش کر لیتا۔ آگے چلتا، پیچھے دیکھتا مگر صحرا کے ظالم اثرات اس کے دماغ کو ماؤف کرنے لگے تھے۔ اس میں برداشت کی قوت اوسط درجہ انسانوں سے زیادہ تھی ورنہ وہ کبھی نہ اٹھنے کے لیے گر پڑتا۔

سورج افق سے تھوڑا ہی اوپر رہ گیا تھا جب وہ صحرا کے اس دھوکے سے نکل گیا مگر اُس کی ٹانگوں میں جسم کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ یہ فرض کی لگن تھی جو اسے چلائے جا رہی تھی۔ اُس نے آگے دیکھا تو اُسے ایک قطار میں کئی گھوڑے اُس کا راستہ کاٹ کر جاتے نظر آئے۔ گھوڑوں پر سوار بھی تھے۔ اُس نے سواروں کو پکارا، پھر اور زیادہ اونچی آواز سے پکارا۔ کسی بھی سوار نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ گھوڑے دائرے میں چلنے لگے۔ اسحاق ترک رُک گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے سر کو زور زور سے جھٹکے دیئے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ گھوڑے نہیں واہمہ ہے اور یہ سراب ہے جو صحرا کا ایک اور خطرناک دھوکہ ہوتا ہے۔ اُس کا ذہن صاف ہوا تو گھوڑے غائب ہو گئے۔ جھلتی ریت اور اس کی بھاپ نما چمک دُور تک دیکھنے نہیں دیتی تھی۔ وہ اب تند گھسیٹ رہا تھا۔

☆

اُسے دن اور رات کا بھی احساس نہ رہا۔ ایک جگہ اُس کا پاؤں پھسلا تو وہ گر پڑا اور لڑھکتا ہوا دُور نیچے چلا گیا۔ اس سے وہ ذرا سا بیدار ہوا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ نادانستہ مٹی کی ایک ٹیکری پر چڑھ گیا تھا اور وہاں سے گرا تو نیچے آپڑا تھا۔ اُس نے پانی کی شدید ضرورت محسوس کی۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور ہونٹ خشک لکڑی کی طرح اکڑ گئے تھے مگر اس کے پاس نہ پانی کا مشکیزہ تھا نہ کھجوروں کا تھیلا۔ اس نے اٹھ کر ادھر اُدھر دیکھا۔ دونوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ وہ مایوسی اور بے بسی کے عالم میں چلا۔ ادھر اُدھر

دیکھا۔ اُسے ہر سُو سفید سفید اور شفاف شفاف سے شعلے نظر آئے جو اُس سے کچھ دُور دُور گول دائرے کی شکل میں اسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ اب لاشعوری طور پر نیم غشی کی کیفیت میں چل رہا تھا۔

وہ رُک گیا۔ اُسے دو آدمی اور ایک عورت کھڑی نظر آئی۔ تینوں اُسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے عقب میں، تھوڑی دُور، کھجور کے درخت بھی اُسے دکھائی دیئے۔ اُن کے قریب ٹیلے تھے۔ اسحاق ترک اسے بھی واہمہ اور سراب سمجھا۔ اُس پر جو مایوسی طاری ہو گئی تھی اس میں اضافہ ہو گیا جس سے اُس کے جسم میں اگر کچھ سکت رہ گئی تھی وہ بھی نہ رہی۔ اس نے ان آدمیوں اور عورت کو آواز دینے کو بیکار سمجھا۔ سراب اور واہمے بولا نہیں کرتے۔ مسافروں کو اپنی طرف گھسیٹتے اور پیچھے ہٹتے جاتے ہیں حتیٰ کہ انسان ہار کر گر پڑتا ہے اور ریت اُس کا گوشت پوست چُوس کر اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیتی ہے۔ اسحاق ترک میں اتنی سی زندگی رہ گئی تھی کہ اُس نے ان آدمیوں اور عورت کو واہمہ سمجھا مگر اُس نے چلنے کے لیے قدم اٹھایا تو اُس کی ٹانگیں دوہری ہو گئیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے صحرا، سراب اور واہمہ گپ تاریکی میں چھپ گئے۔

اُسے باتیں سنائی دیں۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آرہا تھا۔ باتیں صاف ہونے لگیں۔ وہ ریت پر گرا تھا۔ ریت آگ پر رکھی ہوئی لوہے کی چادر کی طرح تپ رہی تھی لیکن ہوش میں آتے وہ ٹھنڈک محسوس کر رہا تھا۔

"دہیں مرنے دیا ہوتا"۔۔۔ اُسے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔۔۔ "اٹھاؤ اور اسے باہر پھینک دو۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر ہے"۔

"یہ کوئی عام مسافر نہیں لگتا"۔ ایک اور مردانہ آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"ذرا اسے ہوش میں آنے دو"۔۔۔ یہ آواز کسی عورت کی تھی۔ "مجھے شک ہے۔ یہ بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا۔ 'قاہرہ کتنی دُور ہے؟ سلطان۔۔۔ سلطان صلاح الدین ایوبی! ہوشیار ہو کر قاہرہ سے نکلنا۔ بڑی قیمتی خبر لایا ہوں'۔۔۔ شک رفع کر لینا چاہیئے"۔

اسحاق ترک اسے بھی واہمہ یا خواب سمجھنے لگا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ آوازیں انہی دو آدمیوں اور عورت کی ہیں جنہیں اُس نے صحرا میں اپنے سامنے کھڑے دیکھا تھا۔ انہیں اس نے واہمہ سمجھا تھا لیکن یہ انسان حقیقی تھے۔ واہمہ نہیں تھے۔

"تم اس کے پاس بیٹھو"۔۔۔ ایک آدمی نے کہا۔۔۔ "اگر ہوش میں آگیا تو اسے پانی پلا دینا اور کھانے کے لیے بھی کچھ دے دینا، پھر ہمیں بتانا کہ یہ کون ہے"۔۔۔ آدمی باہر نکل گئے۔

اسحاق نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اس کے کانوں میں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز پڑی۔ وہ یکلخت بیدار ہو گیا اور اُٹھ بیٹھا۔ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔۔۔ "یہ گھوڑا مجھے دے دو"۔

"لو، تھوڑا سا پانی پی لو"۔۔۔ ایک نسوانی آواز نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کے ہونٹوں کی طرف

ایک پیالہ پڑھ رہا تھا۔ عورت نے کہا۔" تھوڑا پیا، ایک ہی بار سارا نہ پی لینا، مر جائے گے"

اُسے پانی کی ہی ضرورت تھی۔ اُس نے یہ دیکھنے سے پہلے کہ پانی پلانے والی کون ہے، پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہونٹوں سے لگا کر دو تین گھونٹ پیئے۔ پیالہ ہونٹوں سے الگ کر کے بولا۔" میں جانتا ہوں اس حالت میں زیادہ پانی نہیں پینا چاہیے"

اُس نے عورت کو دیکھا۔ وہ جوان لڑکی تھی۔ اس کا لباس اسی علاقے کا صحرائی خانہ بدوشوں کی طرح تھا لیکن اس کے نقش و نگار اور رنگ روپ سے دھوکہ ہوتا تھا کہ وہ خانہ بدوش لڑکی نہیں۔ اس کے سر پر لپٹے ہوئے رومال میں سے جو بال نظر آ رہے تھے وہ بھی خانہ بدوش لڑکیوں جیسے نہیں تھے لیکن اس علاقے میں کوئی امیر کبیر لڑکی تو نہیں آ سکتی تھی، خانہ بدوش ہی ہو سکتی تھی۔

"تم کسی قافلے کے ساتھ ہو؟"۔ اسحاق نے لڑکی سے پوچھا۔

"یہ تاجروں کا قافلہ ہے"۔ لڑکی نے جواب دیا اور پوچھا۔" تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

اسحاق ترک نے جواب دینے کی بجائے پانی کا پیالہ منہ سے لگا لیا۔ پانی کی نمی نے اُس میں سوچنے کی قوت کچھ بحال کر دی تھی۔ اُسے یاد آ گیا کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے۔ ذرا سے اپنا آپ کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔

"میں بھی تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ تھا"۔ اس نے سوچ کر جواب دیا۔" یہاں سے بہت دور ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ جو کچھ تھا لے گئے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی لے گئے۔ میں وہاں سے بھاگا اور بھٹک گیا"

"میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں"۔ لڑکی نے کہا اور باہر نکل گئی۔

وہ خیمے میں تھا جس میں دیا جل رہا تھا۔ اُس نے خیمے سے ذرا جھپ کر باہر دیکھا۔ چاندنی رات تھی۔ اُسے باہر تین چار آدمی اِدھر اُدھر پھرتے دکھائی دیئے۔ اسے لڑکی کی ہنسی سنائی دی۔ پھر اُس نے لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ لڑکی نے اُس کے آگے کھانا رکھا جو وہ کھانے لگا۔

"تم اب قاہرہ جا رہے ہو؟"۔ لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں"۔ اسحاق ترک نے جھوٹ بولا۔" سکندریہ جا رہا ہوں"

"سلطان صلاح الدین ایوبی تو قاہرہ میں ہے"۔ لڑکی نے مسکرا کر کہا۔" سکندریہ جا کر کیا کرو گے؟"

"میرا سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"۔ اسحاق نے حیرت سے کہا۔

"ہمارا تو ہے"۔ لڑکی نے کہا۔" وہ ہمارا سلطان ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہم اُس کے حکم پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں"

"لیکن مجھ سے تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں ہے؟"۔ اسحاق

ترک نے پوچھا۔

"سنو"۔ لڑکی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا۔" تمہیں گھوڑا چاہیئے، تم سلطان کے پاس جا رہے ہو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں گھوڑا دیں گے۔ تم بہت جلدی سلطان تک پہنچ جاؤ گے"

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"یہ مت پوچھو"۔ لڑکی نے کہا۔" تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو، ہمیں اپنا فرض ادا کرنے دو۔ ہم تمہیں گھوڑا دے کر سمجھیں گے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے؟"

لڑکی کا انداز ایسا تھا کہ اسحاق ترک پسیج گیا۔ اس نے کہا۔" ہاں مجھے بہت جلدی سلطان کے پاس پہنچنا ہے"

"کوئی بہت ضروری خبر ہے؟"

"مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھو"۔ اسحاق نے جواب دیا۔" تمہیں ان کے ساتھ دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے"

"میں تمہارے لیے گھوڑے کا انتظام کرتی ہوں"۔ لڑکی نے اٹھتے ہوئے کہا۔" آرام کرو۔ رات ابھی شروع ہوئی ہے۔ آخری پہر روانہ ہونا"

لڑکی خیمے سے نکل گئی۔ اسحاق ترک کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ وہ فوراً سو گیا۔

☆

"کون کہتا تھا اسے وہیں پڑا رہنے دینا؟"۔ لڑکی نے خیمے سے باہر جا کر اپنے آدمیوں سے کہا۔" مجھے استاد مانتے ہو؟ یہ ایوبی کا جاسوس ہے۔ کہتا ہے مجھے ایک گھوڑا دے دو، سلطان کے پاس جلدی پہنچنا ہے۔ وہ جب بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا تو میں نے کان لگا کر سنا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا نام لے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بڑی قیمتی خبر لایا ہوں"۔ لڑکی نے اسحاق ترک کے ساتھ جو باتیں کیں اور جو اُس سے کہلوائی تھیں سب کو سنا دیں۔

یہ تاجروں کا قافلہ نہیں تھا۔ یہ سب صلیبی جاسوس اور تخریب کار تھے جو مصر میں کچھ عرصہ اپنی زمین دوز کارروائیاں کر کے واپس اپنے یا کسی اور مسلمان علاقے کو جا رہے تھے۔ اُن کے ساتھ ان کے محافظ بھی تھے۔ ان دس بارہ آدمیوں کے ساتھ دو جوان لڑکیاں تھیں۔ ان کا استعمال اور رول وہی تھا جو آپ اس سلسلے کی پہلی کہانیوں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ دونوں خوبصورت اور تربیت یافتہ تھیں۔ یہ گروہ تاجروں کے بھیس میں جا رہا تھا۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھے اور گھوڑے بھی۔ سفر کے دوران یہاں پانی اور سایہ دیکھ کر رک گئے تھے۔ شام سے کچھ دیر پہلے انہوں نے دور سے اسحاق ترک کو آتے دیکھا۔ دو صلیبی اور ایک لڑکی اس کی طرف چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس آدمی کو اپنے کیمپ سے دور رکھیں۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ آدمی بہت بُری حالت میں چلا آرہا ہے اور یہ زیادہ دیر چل نہیں سکے گا۔

اسحاق ترک نے انہیں دیکھا تو اسے سراب اور واہمہ سمجھا۔ پھر وہ گر پڑا اور بے ہوش ہوگیا۔ یہ دونوں صلیبی اور لڑکی اُس تک پہنچے۔ سب سے پہلے لڑکی نے کہا تھا کہ یہ کوئی عام قسم کا مسافر نہیں۔ دونوں آدمیوں نے رائے دی کہ یہ کوئی اناڑی مسافر ہے ورنہ اس حال کو نہ پہنچتا۔ تاہم اسحاق کی شکل و صورت اور جسم سے شک ہوتا تھا کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ کچھ ازراہِ مذاق اور کچھ شک کی بنا پر وہ اسے اپنے کیمپ میں اٹھا لے گئے اور ایک خیمے میں لٹا دیا۔ اس کے منہ میں پانی اور شہد ٹپکاتے رہے۔ اس دوران اسحاق ترک بڑبڑاتا رہا۔ اس پر غشی طاری تھی۔ غشی اور نیند میں ذہنِ لاشعور بیدار ہوتا ہے۔ جاسوسوں کو یہ خاص طور پر بتایا جاتا تھا کہ وہ دشمن کے علاقے میں بے ہوش ہونے سے بچیں۔ بیہوشی میں انسان کی زبان سے بعض اوقات سینے کے راز نکل آتے ہیں۔ اسحاق کو صحرا نے بے بس اور بے ہوش کر دیا تھا ورنہ اُس میں حیران کن قوتِ برداشت اور قوتِ مدافعت تھی۔ اگر بے ہوشی میں اس کی زبان بند رہتی تو اس کا اصل روپ بے نقاب نہ ہوتا۔

اسحاق ہوش میں آیا تو اس قدر ذہین اور چالاک ہوتے ہوئے بھی ایک لڑکی کے جال میں آگیا۔ یہ لڑکی کی استادی تھی۔ وہ بھی تربیت یافتہ تھی اور وہ حسین لڑکی تھی۔ اُس کی زبان پر یقین کرتے ہوئے وہ اُسے مسلمان سمجھ بیٹھا۔ لڑکی نے باہر جا کر اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اس کا شک صحیح نکلا ہے اور یہ خوبرو شخص سلطان ایوبی کا جاسوس ہے۔

"موٹا شکار ہے"۔ اس گروہ کے سربراہ نے کہا۔ "اب اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کیا راز اپنے ساتھ لے جا رہا ہے اور یہ راز کہاں سے لایا ہے"۔

"اگر اُس نے یہ بتا دیا کہ وہ راز کہاں سے لایا ہے تو اس سے یہ بھی پوچھیں گے کہ وہاں اس کے ساتھی کون کون ہے"۔ ایک آدمی نے کہا۔

"لیکن اس پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ ہم کون ہیں"۔ سربراہ نے کہا۔ "میں صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ موت قبول کر لیتے ہیں کوئی راز نہیں دیتے۔ خاصی استادی سے بات کرنی ہوگی"۔

"میں ان مسلمانوں کو زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں"۔ لڑکی نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا۔ "راز تو راز، یہ اپنے خنجر سے اپنا دل نکال کر میرے قدموں میں رکھ دے گا"۔

"تم اُن مسلمانوں کو جانتی ہو جن پر حکمرانی اور دولت کا نشہ سوار ہوتا ہے"۔ ایک اور صلیبی نے کہا۔ "تمہارا پالا کبھی کسی غریب مسلمان اور سپاہی سے نہیں پڑا۔ وہ مسلمان دولت اور رتبے کے شیدائی ہوتے ہیں جنہیں تم گمراہ کر لیتی ہو۔ جن مسلمانوں کے پاس دولت کی بجائے ایمان ہے کبھی اُن کے قریب جا کر دیکھنا"۔

اُن کے پاس ایک اور صلیبی لڑکی بیٹھی تھی جس نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ سربراہ نے اُس کی طرف دیکھا اور قدرے طنزیہ لہجے میں اُسے کہا۔ "کیا تم اس مسلمان کے سینے سے راز نکال سکتی ہو باربرا؟"

لڑکی نے اُسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھا۔ سربراہ نے کہا۔ "تم نے تاہو میں ہمیں بہت خراب کیا تھا۔ میرینا کی استادی دیکھو اور اس سے کچھ سیکھو۔ میں تمہیں اور کوئی موقع نہیں دوں گا۔ ذرا میرینا کی عقل پر غور کرو۔ ہم سب اس آدمی کو بھٹکا ہوا کوئی مسافر اور بیکار آدمی سمجھتے تھے لیکن اس نے اسے پہچان لیا کہ یہ موٹا شکار ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں اسی لیے مصر سے نکال کر لے جا رہا ہوں کہ تم صلیب کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچاتی ہو"۔

"تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا"۔ ایک اور صلیبی نے کہا۔ "تمہیں اس پیشے سے محروم کر دیا جائے گا جس میں تمہیں شہزادیوں کی طرح رکھا جاتا ہے۔ اس سے نکال دیا گیا تو کسی کی داشتہ بن کر رہنے یا عصمت فروشی کے سوا تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا"۔

"اونہہ!" دوسری لڑکی جس کا نام میرینا تھا نفرت سے بولی۔ "یہ تو ہے ہی اسی قابل"۔

باربرا نے میرینا کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ غصے سے لال ہوگیا لیکن خاموش رہی۔ وہ بھی میرینا کی طرح خوبصورت تھی لیکن جب سے مصر گئی تھی اُس کی استادی ماند پڑ گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا سربراہ بھی مصر میں تھا اور زمین دوز کارروائیاں کر رہا تھا۔ یہ لوگ کسی جگہ آپس میں ملا کرتے تھے۔ سربراہ رتبے والا افسر تھا اور خوبرو بھی تھا۔ وہ باربرا کو پسند کرتا تھا اور اُس نے باربرا کے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ بھی کر رکھا تھا۔ سربراہ جس جاسوس کی سفارش کر دے اُسے ترقی اور انعام دلا دیا کرتا تھا۔ باربرا بہت خوش تھی مگر میرینا نے سربراہ پر اپنا جادو چلا لیا۔ اس لڑکی نے اپنی فنکاری سے سربراہ کو باربرا کے خلاف بدظن کر دیا اور اس کے ساتھ محبت کا کھیل کھیلنے لگی۔ باربرا بجھ کے رہ گئی۔ جاسوسی اور تخریب کاری سے اس کی طبیعت اُچاٹ ہوگئی۔ ایسے موقعے بھی آئے کہ وہ شک میں پکڑی جانے لگی تھی لیکن بچ گئی۔

اُسے سلطان ایوبی کے فوج کے کسی بڑے اہم حاکم کے ساتھ لگایا گیا تھا لیکن وہ مطلوبہ کام نہ کر سکی۔ سربراہ کو معلوم ہوگیا کہ اُس کے دل میں میرینا کے خلاف رقابت پیدا ہوگئی ہے۔ اُس نے بہتر سمجھا کہ پورے گروہ کو واپس لے جائے اور اس کی جگہ نیا گروہ بھیجا جائے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ باربرا میرینا سے جلنے لگی تھی۔ سربراہ اس کا دشمن بن گیا تھا۔ میرینا اُس کے ساتھ طنز اور نفرت سے بات کرتی تھی۔ اُسے اپنا انجام نظر آرہا تھا۔ اب میرینا نے اُسے کہا کہ یہ تو ہے ہی اسی قابل تو اُس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔

"اس آدمی کے سینے سے صرف میں راز نکال سکتی ہوں"۔ میرینا نے کہا۔ "یہ باربرا کے بس کا روگ نہیں"۔

باربرا غصے سے اٹھی اور اپنے خیمے میں چلی گئی۔

☆

"یہ آدمی رات کو کہیں بھاگ کے نہیں جا سکتا"۔ سربراہ نے کہا۔ "ابھی اس کے پاس بھاگنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ پھر بھی احتیاط لازمی ہے۔ اسے بے ہوش کر دینا چاہیئے"۔

تھوڑی دیر بعد میرینا اُس خیمے میں داخل ہوئی جس میں اسحاق ترک سویا ہوا تھا۔ دیا جل رہا تھا۔

تو گریز نہ کیا جائے۔"

"سنو شمسی!" عامر بن عثمان نے کہا۔ "اب میں ملازم کی حیثیت سے نہیں مجاہد کی حیثیت سے بات کروں گا۔ راز کی بات یہ ہے کہ حلب کے حاکموں اور بعض سالاروں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر عزالدین مخلص بھی ہو، سچے دل سے سلطان صلاح الدین ایوبی کا دوست بھی ہو پھر بھی وہ حلب کی فوج کو مصر کی فوج کا اتحادی نہیں بنا سکے گا۔ اس کے حاکموں، مشیروں اور وزیروں کے ایمان کو صلیبیوں نے خرید رکھا ہے.... انہوں نے تمہارے بھائی کی وفات کے فوراً بعد عزالدین کو اس طرح پریشان کرنا شروع کر دیا ہے کہ کسی نہ کسی مد میں خرچ کرنے کے لیے اس سے رقم مانگتے رہتے ہیں۔ سرکاری خزانہ تیزی سے خالی ہو رہا ہے۔ رقم اور سونا خورد برد ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک سازش ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ خزانہ خالی کر کے عزالدین کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ صلیبیوں سے امداد لینے پر مجبور ہو جائے۔ اس سے اپنے حاکم وغیرہ جتنی رقم مانگتے ہیں وہ دے دینا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ عزالدین کمزور حکمران ہے۔" شمس النسار نے کہا۔

"اس کی کمزوری یہ ہے کہ وہ حکمرانی کی گدی کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔" عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ "میں نے اس کی جو باتیں سنی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمرانی قائم رکھنے کے لیے صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کرے گا.... میں اب اس کی اور اس کے مشیروں کی باتیں غور سے سنا کروں گا اور تمہیں بتاتا رہوں گا۔"

"یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ یہاں صلیبیوں کے جاسوس موجود اور سرگرم ہیں۔" شمس النسار نے کہا۔ "اور یہاں ہمارے جاسوس بھی کام کر رہے ہیں۔ کسی روز ان سے تمہاری ملاقات کراؤں گی۔" شمس النسار نے مسکرا کر پوچھا۔ "تمہاری سوڈانی پری کس حال میں ہے؟ اب بھی ملتی ہے؟"

"ملتی ہے۔" عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ "گھسیٹتی ہے۔ پرسوں ملی تو رو بھی پڑی تھی۔ کہتی ہے، ایک بار میرے کمرے میں آجاؤ۔ شمسی! میں اس لڑکی سے ڈرتا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ اس کے حسن میں جادو ہے۔ اس کے طلسم میں آیا ہوا انسان نکل نہیں سکتا۔ میں اس سے اس لیے نہیں ڈرتا کہ وہ بہت حسین ہے، مجھ پر مرتی ہے اور میں اس کے جال میں پھنس جاؤں گا۔ ڈر یہ ہے کہ وہ دائی حلب عزالدین کے حرم کا ہیرا ہے۔ اس کا نام انوشی ہے لیکن محل کے اندرونی حلقوں کے افراد اسے سوڈانی پری کہتے ہیں۔ اگر عزالدین یا اس کے کسی امیر وزیر کو پتہ چل گیا کہ یہ لڑکی مجھے چاہتی ہے تو لڑکی سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ سزا مجھے ملے گی۔ مجھے تہہ خانے میں باندھ کر ایسی اذیتیں دی جائیں گی کہ تم سنو تو مر جاؤ۔ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ میں نے اسے مایوس کیے رکھا تو وہ مجھ پر دست درازی یا بے عزتی کا الزام عائد کر کے مجھے قید میں ڈلوا دے گی۔"

"اسے ابھی تک یہ تو معلوم نہیں ہوا کہ تم مجھے چاہتے ہو اور ہماری ملاقاتیں ہوتی ہیں؟" شمس النسار نے پوچھا۔

"جس روز اسے پتہ چل گیا وہ ہم دونوں کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔" عامر بن عثمان نے جواب دیا۔

"نہیں شاید بخش دیا جائے، مجھے کوئی نہیں بخشے گا۔"

انوشی دراصل صلیبیوں کا بھیجا ہوا تحفہ تھا۔ حلب میں یہ لڑکی آئی تو الملک الصالح بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔ عزالدین نے آکر حلب کی حکومت سنبھالی تو حکام نے انوشی اس کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے ساتھ عزالدین نے ربیع خاتون کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ اس دور کے حکمرانوں کا دستور تھا کہ بیویاں الگ رکھتے تھے اور حرم میں بغیر شادی کے لڑکیاں الگ رکھتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمان امراء و زراء کی اس تباہ کن عادت کو اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے انہیں اپنی لڑکیاں تحفے کے طور پر پیش کرنی شروع کر دی تھیں۔ پھر ان لڑکیوں میں انہوں نے جاسوسی کے فن کی تربیت یافتہ لڑکیاں بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ انہیں رقابت اور فتنہ فساد پیدا کرنے کی بھی تربیت دی گئی تھی۔

انوشی ایسی ہی تربیت یافتہ لڑکی تھی۔ وہ عزالدین کے محل کی ضیافتوں میں شراب پلاتی تھی، پیتی بھی تھی۔ اس نے حلب کے دو ایسے حاکموں کو اپنے حسن اور فریب کے جال میں پھانس لیا تھا جو حلب کی قسمت بنا بھی سکتے بگاڑ بھی سکتے تھے۔ وہ عزالدین کے تو اعصاب پر غالب آگئی تھی۔ وہ سراپا بدی تھی اور مجسم دعوت گناہ۔ عامر بن عثمان عزالدین کے قریب رہتا تھا کیونکہ وہ خصوصی محافظ دستے کا کمانڈر تھا۔ اس نے عزالدین کی حفاظت کے لیے محافظ دستے کے علاوہ درپردہ انتظامات بھی کر رکھے تھے۔ اس کی نظریں عقاب کی طرح تیز اور دور بین تھیں.... انوشی نے اسے دیکھا تو یہ خوبرو جوان اسے بہت اچھا لگا۔ اس نے عامر پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے لیکن عامر اس کے ہاتھ نہ آیا۔ عامر کو معلوم تھا کہ حرم کے اس ہیرے کے ساتھ صرف بات کرتے بھی پکڑا گیا تو انجام ہولناک ہوگا۔ انوشی دوسرے تیسرے روز عامر بن عثمان سے ملتی اور والہانہ محبت کا اظہار کرتی تھی۔ عامر اسے ٹال دیا کرتا تھا۔

"میں اس محل کا ملازم ہوں۔" عامر نے ایک روز اسے کہا تھا۔ "اگر تمہارے دل میں میری سچی محبت ہے تو مجھ پر رحم کرو اور مجھ سے دور رہو۔"

"تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔" انوشی نے اسے کہا۔ "ایک بار میرے کمرے میں آجاؤ۔"

اسی دوران عامر اور شمس النسار کی چوری چھپے ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔

☆

"قاضی بہاؤالدین شداد جو اس دور کا عینی شاہد ہے، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے".... عزالدین نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ موصل اور شام کی امارتوں کو اپنے ماتحت متحد نہیں رکھ سکے گا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے بہت ڈرتا تھا۔ اس کے ماتحت جو امیر اور وزیر تھے وہ عزالدین سے اتنی زیادہ رقموں کا مطالبہ کرنے لگے جو وہ نہیں دے سکتا تھا کیونکہ خزانے میں اتنی سکت نہیں تھی اور وسائل بھی محدود تھے۔"

.... اپنی یادداشتوں میں آگے چل کر قاضی بہاؤالدین شداد نے لکھا ہے کہ عزالدین کو یہ خطرہ تھا کہ سلطان

ایوبی کو حلب کے ساتھ دل چسپی ہے اس لیے وہ حلب پر ضرور قبضہ کرے گا۔ عزالدین سلطان ایوبی کے خلاف آمنے سامنے کی جنگ لڑنے سے گریز کرنا تھا۔ اُس نے اپنے ایک بڑے ہی قابل اور دلیر سالار مظفرالدین گکبوری سے مشورہ کیا جو سات تہوں میں چھپا ہُوا ایک راز تھا۔ موصل کا والی عزالدین کا بھائی عمادالدین تھا جو کھلم کھلا سلطان ایوبی کے خلاف تھا۔ حلب اور موصل میں یہ انقلاب آیا کہ عزالدین نے موصل کی حکمرانی سنبھال لی اور عمادالدین حلب آکر والیٔ حلب بن گیا۔ امارتوں یا سلطنتوں کا یہ تبادلہ دونوں کے باشندوں کے لیے ایک معمہ تھا۔

متعدد مؤرخین نے اس تبادلے پر غلط خیال کیا ہے۔ ہر ایک نے مختلف رائے دی ہے۔ اُس وقت کے وقائع نگار دل کی تحریروں سے کچھ بھید بے نقاب ہوتے ہیں۔ عزالدین جب موصل کے قلعے میں گیا تو رضیع خاتون اور اس کی بیٹی شمس النساء اس کے ساتھ تھیں۔ اس کا ذاتی محافظ دستہ بھی ساتھ تھا جس کا کمانڈر عامر بن عثمان تھا۔ یہ بہت ہی بڑا قافلہ تھا۔ کئی اونٹوں پر پالکیاں تھیں جن کے پردے گرے ہوئے تھے۔ رضیع خاتون اور شمس النساء کا اونٹ سب سے آگے تھا۔ رضیع خاتون کی خادمہ بھی ساتھ تھی۔ رات کو راستے میں ایک جگہ قیام بھی کرنا تھا۔

عزالدین کو موصل پہنچنے کی جلدی تھی اس لیے اس نے قافلے کا سربراہ مقرر کیا اور خود قیام کیے بغیر اپنے چند ایک محافظوں اور دو تین مشیروں کے ساتھ سفر جاری رکھا۔ عامر بن عثمان کو قافلے کے ساتھ رہنے دیا گیا۔

سورج غروب ہوتے ہی خیمے نصب کر دیے گئے۔ رضیع خاتون کا خیمہ اُن خیموں سے بہت دور نصب کیا گیا جن میں رات حرم کی لڑکیوں کو رہنا تھا۔ عزالدین نے خاص طور پر حکم دیا تھا کہ رضیع خاتون اور شمس النساء کو حرم کے خیموں سے دُور رکھا جائے۔ قیام کی جگہ سرسبز اور چٹانی تھی۔ چٹانوں پر بھی سبزہ تھا۔ ہری بھری جھاڑیوں کی بہتات تھی۔

رات کو عامر بن عثمان مشعلوں کی روشنی میں حفاظتی انتظامات دیکھتا پھر رہا تھا۔ اُن دنوں وہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کہیں بھی لڑائی نہیں ہو رہی تھی۔ سلطان ایوبی مصر میں تھا اور صلیبی کہیں دُور بیٹھے سلطان ایوبی کی اگلی چال کے انتظار میں تیاریاں کر رہے تھے۔ پھر بھی عامر کا یہ فرض تھا کہ خیمہ گاہ اور جانوروں کے اردگرد گشت کا انتظام کرتا۔ وہ حرم کے خیموں سے ذرا دُور گھوم کر گزر رہا تھا۔ اس وقت وہ اکیلا تھا۔ خیموں سے کچھ اور دُور گیا تو اُسے اپنے سامنے ایک سایہ کھڑا نظر آیا۔ اُس نے قریب جا کر گھوڑا روک لیا۔

"میں نے تمہیں اندھیرے میں اتنی دُور سے پہچان لیا ہے، تم قریب آکر بھی مجھے نہیں پہچانتے؟"

یہ انوشی کی آواز تھی۔ عامر بن عثمان نے آواز پہچان کر کہا۔ "مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے۔ اتنی وسیع خیمہ گاہ اور اتنے سارے جانوروں کی حفاظت کا انتظام میرے ذمے ہے۔ مجھے مت روکو۔"

انوشی اس کے گھوڑے کے آگے آکر لگام پکڑ چکی تھی۔ بولی۔ "گھوڑے سے اُتر آؤ عامر! جن کا تمہیں ڈر تھا وہ موصل چلے گئے ہیں۔ اُتر آؤ۔"

عامر گھوڑے سے اُترا۔ انوشی نے اسے بازو سے پکڑا اور ذرا پرے چٹان کی اوٹ میں بٹھا لیا۔ عامر نے

سدھائے ہوئے جانور کی طرح کوئی مزاحمت نہ کی۔

"عامر!" انوشی نے جذباتی سے لہجے میں کہا۔ "تم مجھے بدکار اور شیطان لڑکی سمجھ کر مجھ سے بھاگتے پھر رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میری اصلیت سے اچھی طرح واقف ہو۔ تم اپنے آپ کو نڈر اور پارسا سمجھتے ہو۔ تمہیں جوانی اور اتنے دلکش جسم پر بھی ناز ہے۔ تم نے ابھی اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کسی بھی روز تمہارا جسم خون میں ڈوبی ہوئی لاش بن جائے گا۔ یہ جنگ و جدل کا دَور ہے۔ ایک وہ ہیں جو میدانِ جنگ میں کٹتے اور مرتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو قلعے اور محل کے اندر ہی خفیہ طریقے سے قتل کر دیے جاتے ہیں۔ تمام انجام ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اپنے مردانہ حسن اور جسم کی دل کشی کو دائمی نہ سمجھو۔"

"کیا تم مجھے قتل کی دھمکی دے رہی ہو؟"

"نہیں!" انوشی نے جواب دیا۔ "میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ تمہیں اگر یہ خیال ہے کہ میں تمہاری خوبصورتی اور تمہارے جسم پر مرتی ہوں تو یہ خیال دل سے نکال دو۔ میں جسمانی تعیش کا مجسم ذریعہ ہوں، مگر میں جسمانی لذت سے بیزار ہوں۔ انسان کتنا ہی پتھر کیوں نہ بن جائے، دل کو بھی پتھر ہی کیوں نہ سمجھ لے، دل پتھر نہیں بن سکتا۔ روح مر جا جاتی ہے مرتی نہیں۔ دل اور روح کو وہ محبت زندہ رکھتی ہے جس کا تعلق جسم کے ساتھ نہیں ہوتا۔ مجھے اور زیادہ غور سے دیکھو۔ میرا حسن اور اس کا طلسم دیکھو۔ میں گناہ کرتی ہوں اور دوسروں کو گناہوں کی ترغیب دیتی ہوں۔ مجھے لوگ شہزادی نہیں پری کہتے ہیں۔ تمہارے بادشاہ اور امراء میرے قدموں میں ایمان اور اپنا سر رکھ دیتے ہیں مگر میں ایک ایسی تشنگی سے دوچار رہی جسے میں کبھی بھی نہ سمجھ سکی۔ تمہیں دیکھا تو تم مجھے اچھے لگے۔ میں پہلی بار جب تمہارے قریب آئی تھی تو میری نیت صاف نہیں تھی۔ تم نے جب مجھے ٹال دیا اور اس کے بعد بڑے اچھے لفظوں میں دھتکار دیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ تشنگی کیا ہے جو مجھے پریشان کیے ہوئے تھی۔ میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگی۔ یہ تمہاری مردانہ وجاہت کا نہیں سیرت کا اثر تھا، اور یہ اثر ایسا تھا جس نے میرے دل میں ان سب کے خلاف نفرت پیدا کی، جو مجھے عیاشی کا کھلونا سمجھتے ہیں اور جو اپنا ایمان اور اپنا قومی وقار میرے ہاتھ سے لیے ہوئے شراب کے پیالے میں ڈبو دیتے ہیں۔"

وہ جذبات سے مخمور آواز سے بول رہی تھی اور عامر بن عثمان اس ذہنی کیفیت میں سُن رہا تھا کہ دل میں ڈر تھا کہ کسی نے دیکھ لیا تو وہ مارا جائے گا۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ شمس النساء اُس کی تلاش میں اِدھر نکلی تو اُس کی محبت کا خون ہو جائے گا۔ وہ صرف سُن رہا تھا۔ اتنی حسین لڑکی کی ایسی جذباتی باتیں اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں۔

"کیا تم ڈرتے ہو یا تمہارا دل مردہ ہو گیا ہے؟" انوشی نے اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر کہا۔ "اگر میرا دل مُردہ نہیں ہُوا تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ تمہارا دل مر گیا ہے۔" اس نے کان عامر کے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ اُس کے معطّر اور ریشم جیسے بکھرے بکھرے بال عامر کے جواں سال گال سے چھونے لگے۔ وہ آخر جوان تھا۔ اس کی ذات میں ہلچل سی بپا ہوئی۔ اُسے انوشی کی ہنسی کا ترنم سنائی دیا۔ ہنس کر بولی۔ "دل زندہ ہے۔ دھڑک رہا ہے.... میں تم

سے کیا مانگتی ہوں؛ کچھ بھی نہیں. تم مجھ سے مانگو. ہیرے، جواہرات، سونے کے سکے. کہو کیا چاہیے؟"

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے سوڈانی پری"

"مجھے انوشی کہو" لڑکی نے کہا۔ "سوڈانی پری کہنے والے محبت سے عاری ہیں. گناہگار ہیں. تم ان سب سے بلند ہو، پاک ہو. مجھ سے نذرانے لے لو. ان کے عوض مجھے محبت دے دو"۔۔۔ اُس نے اپنا گال عامر کے گال کے ساتھ لگا دیا. عامر تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا. اس کی حالت اب اُس پرندے کی سی تھی جسے پنجرے میں بند کر لیا گیا ہو. وہ تڑپنے اور پھڑکنے لگا.

"معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں کسی اور کی محبت ہے" انوشی نے کہا۔ "میرے طلسم میں کبھی کوئی یوں تڑپا نہیں. مجھے کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں"۔۔۔ اُس نے دانت پیس کر کہا جو تمہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ ایک گناہگار لڑکی تم سے پاک محبت کی بھیک مانگتی ہے اور ہو سکتا ہے وہ گناہوں سے توبہ کر کے تمہارے قدموں میں سجدہ ریز ہو جائے. بدبخت انسان! یہ بھی سوچ لو کہ تم اس لڑکی کو دھتکار رہے ہو جس نے حکومتوں کے تختے اُلٹ دیئے ہیں اور جو بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون بہا دیتی ہے. تم میرے سامنے ایک کیڑے سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتے"

"پھر مجھے مسل ڈالو" عامر نے کہا۔ "میں تمہارے قابل نہیں"۔۔۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تم سے کچھ نہیں مانگتی عامر!" انوشی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "صرف یہ کرو کہ میرے پاس بیٹھے رہا کرو. مجھے پناہ میں لے لیا کرو"

عامر اس سے ہٹ کر اپنے گھوڑے کے پاس گیا. انوشی وہیں کھڑی رہی. عامر گھوڑے پر سوار ہوا اور کچھ کہے بغیر چلا گیا.

☆

عامر بن عثمان کا گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا. عامر کا سر جھکا ہوا تھا. اس کی ناک میں انوشی کے بالوں کی خوشبو تر و تازہ تھی. وہ گالوں پر انوشی کے بالوں کے لمس کا گداز محسوس کر رہا تھا. وہ اس حسین جال سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا، اور وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اگر انوشی ایک بار پھر ایسی ہی تاریکی اور تنہائی میں اُسے ملی تو اُس کی قسمیں ٹوٹ جائیں گی، پھر وہ کہیں کا نہیں رہے گا. اُس نے اپنے خیالوں کا رُخ شمس النسا کی طرف پھیر دیا. تب اُسے یاد آیا کہ شام خیمے نصب کرتے وہ ذرا سی دیر شمس النسا کے پاس رُکا تھا اور انہوں نے ملنے کا وقت اور جگہ طے کی تھی. اُسے یاد آ گیا کہ وہ اُسی جگہ کی طرف جا رہا تھا، راستے میں انوشی نے روک لیا۔ اُس نے گھوم کر پیچھے دیکھا. اسے اندھیرے میں انوشی نظر نہ آئی. وہ ایک ٹیکری سے مڑ کر اُس جگہ پہنچا جہاں شمس النسا کو آنا تھا. عامر نے جس طرح انوشی کا سایہ دیکھا تھا اسی طرح اُسے شمس النسا کا سایہ نظر آیا جو گھوڑے کی طرف بڑھا. وہ گھوڑے سے اُترا۔

"کہاں رہے؟" شمس النسا نے اس سے پوچھا۔ "بہت دیر سے انتظار کر رہی ہوں"

"میرے کام سے تم آگاہ ہو" عامر نے جھوٹ بولا۔ "اِدھر ہی آ رہا تھا کہ ایک ضروری کام سے رُکنا پڑا اور اتنی دیر ہو گئی"

"اپنے آدمیوں کا بھی خیال رکھنا" شمس النسا نے کہا۔ "وہ سب بہت ہوشیار ہیں. کسی کو اُن پر شک نہیں ہوگا"

شمس النسا اُن "اپنے آدمیوں" کا ذکر کر رہی تھی جو حلب کے اندر سلطان ایوبی اور رضیع خاتون کے لیے جاسوسی اور مخبری کرتے تھے. ان میں جو محل کے اندر ملازم تھے وہ اسی حیثیت سے ساتھ جا رہے تھے اور جو شہر میں کوئی کام کاج کرتے تھے انہیں عارضی مزدوروں کے بہروپ میں راستے میں خیمے لگانے اور اکھاڑنے اور دیگر کاموں کے لیے ساتھ لے لیا گیا تھا. ان کے متعلق یہ طے کیا گیا تھا کہ موصل شہر میں مختلف کاموں پر لگا دیا جائے گا. رضیع خاتون کی خادمہ نے یہ تمام آدمی شمس النسا اور عامر بن عثمان کو دکھا دیئے تھے.

"آؤ، کچھ دیر بیٹھ جائیں" شمس النسا نے اپنا بازو عامر کی کمر کے گرد لپیٹ کر کہا۔

عامر نے اپنا بازو شمس النسا کی کمر کے گرد لپیٹا. شمس النسا اس کے ساتھ لگ گئی. ایک قدم اٹھایا اور رُک گئی. اُس نے ناک عامر کے سینے سے لگا کر سونگھا اور اس سے الگ ہٹ کر بولی "تم کہاں تھے؟ کس کے پاس تھے؟"

"میں جانوروں کو دیکھ کر آ رہا ہوں" عامر نے جواب دیا۔

"جانور عطر کب سے لگانے لگے ہیں؟" شمس النسا نے دبے دبے غصے سے کہا۔ "تم نے کبھی عطر نہیں لگایا" عامر چپ رہا. شمس النسا نے کہا۔ "تمہیں وہ خوبصورت ڈائن مل گئی ہوگی. تم اس کے جال میں آ گئے ہو؟"

"ابھی نہیں آیا شمسی!" عامر نے کہا۔ "وہ مجھے راستے میں مل گئی تھی. میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا تمہیں کسی وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے. میں اتنا کچا آدمی نہیں ہوں. تم نے میرے سینے سے جو خوشبو سونگھی ہے یہ اُسی کی ہے لیکن تم میرے سینے کے اندر دیکھنے اور سونگھنے کی کوشش کرو" عامر کے لہجے میں گھبراہٹ کا ہلکا سا لرزہ تھا. کہنے لگا۔ "میں بہت پریشان ہوں شمسی! میں کوئی امیر یا حاکم یا سالار نہیں، ادنیٰ ملازم ہوں. انوشی مجھے آسانی سے انتقام کا نشانہ بنا سکتی ہے"

"معلوم ہوتا ہے آج اُس نے تمہیں کچھ زیادہ ہی پریشان کیا ہے" شمس النسا نے کہا۔

"بہت زیادہ" عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ "آج اُس نے اپنا دل کھول کر میرے آگے رکھ دیا ہے. اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ گناہگار اور بدکار ہے. اس نے مجھ پر واضح کر دیا ہے کہ وہ یہاں بدکاری پھیلانے اور بھائی کو بھائی سے لڑانے آئی ہے. اس نے مجھ سے پاک محبت کی التجا کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے عوض تمنی دولت مانگو دوں گی. میں نے بڑی مشکل سے اس کے بازوؤں سے رہائی حاصل کی ہے. خدا کے لیے مجھے بتاؤ شمسی، میں کیا کروں. وہ دنیا کی ساری دولت میرے قدموں میں رکھ دے تو بھی میں تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا"

"پھر اُسے دھوکہ دو" شمس النسا نے کہا۔ "اُسے وہی محبت دو جو وہ مانگتی ہے. اس کے عوض اس سے وہ راز لو جو ہم مانگتے ہیں. اس نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اُسے کس مقصد کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے. تم تجربہ کار اور

دانشمند ہو۔ یہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اُسے ماں کہہ دو کہ تمہیں اندر کے رازوں کی ضرورت ہے یا اسے بتائے بغیر اُس سے راز اگلواتے رہو۔"

"میں یہ سوچ چکا ہوں۔" عامر نے کہا۔ "مگر ڈرتا ہوں کہ تم ایک نہ ایک دن میرے خلاف غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤ گی۔"

"میں تمہیں اور اپنی محبت کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔" شمس النسار نے کہا۔ "ماں ہر روز مجھے جو باتیں بتاتی ہے وہ میری روح میں اُتر گئی ہیں۔ میری محبت مر نہیں سکتی، میں اسے اس عظیم مقصد پر قربان کر سکتی ہوں جو مجھے ماں نے دیا ہے۔ اپنے اللہ اور اپنے حاف کو یاد رکھو گے تو کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوگی۔" اس نے پوچھا۔ "کہو، اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ تم مجھے ملتے ہو؟"

"اُس نے ذکر نہیں کیا۔" عامر نے جواب دیا۔ "اُسے یقیناً معلوم نہیں۔"

"کام کی ایک بات سن لو۔" شمس النسار نے کہا۔ "حلب سے روانگی سے کچھ دیر پہلے قاہرہ سے ایک آدمی یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ عزالدین کی نیت کیا ہے اور صلیبیوں کے منصوبے کیا ہیں۔ اُسے کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا جا سکا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بہت جلدی قاہرہ سے فوج کے ساتھ روانہ ہونے کو تیار بیٹھے ہیں۔ اس آدمی نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی اس وجہ سے جلدی کوچ کرنا چاہتے ہیں کہ صلیبی فوج نے موصل، حلب اور دمشق کی طرف پیش قدمی کر دی تو قاہرہ سے فوج کو بروقت یہاں پہنچانا ممکن نہیں ہوگا۔ خطرہ یہ ہے کہ سلطان اپنی فوج بھائیں اور صلیبیوں کی چال کچھ اور ہو تو سلطان کی فوج نقصان اٹھا سکتی ہے۔ ہمیں بہت جلد اپنے مسلمان امراء اور صلیبیوں کے عزائم معلوم کرنے ہیں۔"

"میں نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس آسمان سے تارے بھی توڑ لاتے ہیں۔" نامور عثمان نے کہا۔ "کیا صلیبی علاقوں میں اس کا کوئی آدمی نہیں؟"

"ماں نے مجھے بتایا ہے کہ اسحاق ترک ایک بڑا ہی قابل اور ہوشیار آدمی ہے۔" شمس النسار نے جواب دیا۔ "وہ بیوت گیا ہوا ہے۔ صحیح خبر تو وہی لائے گا لیکن اس کی طرف سے کوئی اطلاع قاہرہ نہیں پہنچی..... دیکھو عامر! فوجوں کی نقل و حرکت ہوتی ہے تو یہ راز بے نقاب ہو جاتے ہیں مگر یہاں کوئی ایسی ہلچل نظر نہیں آتی۔ جو راز ہے وہ عزالدین اور عمادالدین کے سینے میں ہے۔ یہ اندرونی حلقوں سے مل سکتا ہے اور تمہیں یہ راز انوشی دے سکتی ہے۔"

"مگر وہ جو قیمت مانگتی ہے وہ میں نہیں دے سکوں گا۔" عامر نے کہا۔

"تمہیں یہ قیمت دینی پڑے گی۔" شمس النسار نے کہا۔ "میں یہ قیمت دینے کو تیار ہوں۔ میں اپنے بھائی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ مذہب اور امتِ رسول صلعم کی عظمت کے لیے ہماری آپس کی محبت اور دلوں کی خواہشیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ ہمیں ان شہیدوں کا قرض ادا کرنا ہے جو اسلام کے نام پر اپنی دلہنوں کو نوجوانی میں بیوہ کر گئے ہیں..... عامر! کچھ نہ سوچو۔ قربان ہو جاؤ۔"

اُس وقت اسحاق ترک بیروت میں تھا۔ بیروت صلیبی حکمران بالڈوِن کے فرنگی لشکر کی بہت بڑی چھاؤنی بنا ہوا تھا۔ اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں سنایا جا چکا ہے کہ بالڈوِن کو ایک شکست سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے دی تھی اور تھوڑے ہی عرصے بعد اُس نے سلطان ایوبی کی فوج کو گھات میں لینے کی کوشش کی تو خود سلطان ایوبی کی گھات میں آ گیا تھا۔ وہ گرفتار ہوتے ہوتے بچا اور دونوں بار اُس کی فوج تتر بتر ہو کر پسپا ہوئی۔ وہ تو جیسے راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ ان دونوں پسپائیوں کا انتقام لینے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اُس نے الملک الصالح کو اپنا اتحادی بنا لیا تھا، مگر اس کا یہ اتحادی مر گیا۔ اب وہ عزالدین اور عمادالدین کو سلطان ایوبی کے خلاف اپنے محاذ میں شامل کر رہا تھا۔ اُس نے قاہرہ میں جاسوس بھیج رکھے تھے جو سلطان ایوبی کے ارادوں کا پتہ چلا رہے تھے۔

اسحاق ترک بیروت پہنچ چکا تھا اور بالڈوِن کی ہائی کمانڈ تک پہنچنے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ وہاں جس سے ملتا اپنے آپ کو کسی مسلمان علاقے سے بھاگا ہوا عیسائی بتاتا۔ اس طرح اس نے بہت سے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ وہ چونکہ ترکی کا باشندہ تھا، اس لیے سفید فام تھا۔ خوبرو اور تنومند بھی تھا۔ گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور تیغ زنی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اُس کے بازو لمبے اور ان میں طاقت تھی۔ دماغ بھی تیز اور باریک بین تھا۔ دوسروں کا دل موہنے کے لیے، بھٹکانے کے لیے اور ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لینے کے لیے وہ مناسب ڈھونگ رچانے کے فن کا ماہر تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ میری اصل قوت میرا ایمان اور میرا کردار ہے۔

اُن دنوں بیروت میں سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ وہاں کے لوگوں کو فوج میں بھرتی کرنے کے لیے فوجی میلے ہو رہے تھے جن میں فوجی کرتب دکھاتے اور تیغ زنی وغیرہ کے مقابلے کرتے تھے۔ ایک روز اسحاق ترک ایسے ہی ایک مقابلے کا تماشہ دیکھنے جا پہنچا۔ یہ صلیبیوں کا ایک پرانا کھیل تھا۔ دو گھوڑ سوار ہاتھوں میں لمبی برچھیاں تانے ایک دوسرے کی طرف گھوڑے سرپٹ دوڑاتے اور ایک دوسرے کو برچھی سے گھوڑے سے گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر کوئی پہلی بار نہ گرے تو ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف گھوڑے دوڑاتے اور ایک دوسرے کو برچھی سے گرانے کے لیے وار کرتے تھے۔ سوار زرہ بکتر پہنے ہوتے تھے۔

یہ مقابلہ ہوتا رہا۔ سوار گرتے رہے۔ دوسروں کو مقابلے کے لیے للکارتے رہے۔ ایک سوار نے کئی سواروں کو گرایا۔ اُس نے کسی اور کو للکارا تو کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ اسحاق ترک صحرائی لباس میں تھا۔ وہ میدان میں آ گیا۔ مقابلہ کرنے والے سوار فوجی تھے اور زرہ پوش۔ اسحاق کو عام لباس میں میدان میں اترتے دیکھ کر تماشائیوں نے قہقہہ لگایا۔ وہاں صلیبی جرنیل اور دیگر کمانڈر وغیرہ بھی تھے۔ وہ بھی خوب ہنسے۔ جس گھوڑ سوار نے سب کو للکارا تھا وہ گھوڑے پر سوار میدان میں گھوڑے کو اِدھر اُدھر بھگا رہا تھا۔ وہ صلیبی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ اُس نے ازراہِ مذاق گھوڑے کا رُخ اسحاق کی طرف کیا اور قریب آ کر برچھی اسحاق کو ماری۔ اسحاق وار بچا گیا۔ تماشائیوں نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

پھر شور اٹھا۔ "پاگل۔ پاگل۔ یہ کوئی پاگل ہے۔ اسے جان سے مار ڈالو۔"

گھوڑ سوار کمانڈر نے گھوڑا پیچھے کو موڑا۔ اس کے ساتھی کمانڈروں میں سے کسی نے اسے کہا۔ "اب کے اسے

برچھی میں باڑس کر ساتھ لے جاؤ۔ زندہ نہ رہے۔" کسی اور نے چلا کر کہا ــــ "یہ تمہاری توہین ہے۔ ایک پاگل دیہاتی نے تمہیں للکارا ہے۔"

گھوڑ سوار نے ایڑ لگائی۔ اسحاق نہتہ تھا۔ گھوڑے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے چیخ مار پھینکا اور برچھی کا وار بچانے کے لیے تیار ہو گیا۔ گھوڑ سوار ذرا سا جھکا۔ برچھی ہاتھ میں تولی۔ قریب آ کر اس نے اسحاق پر وار کیا۔ اسحاق کچھ دور تک گھوڑے کے ساتھ اس طرح دوڑتا گیا جیسے برچھی اس کے جسم میں اتر گئی ہو اور وہ اس کے ساتھ گھسیٹتا جا رہا ہو۔ تماشائیوں نے داد و تحسین کا شور بپا کر دیا لیکن یہ دیکھ کر سب پر سناٹا طاری ہو گیا کہ اسحاق ترک دوڑتے دوڑتے سوار کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ برچھی کو اس نے پکڑ رکھا تھا۔ سوار نے بھی برچھی کو پکڑ رکھا تھا۔ اس نے گھوڑے کو گھمایا۔ گھوڑا ایک چکر میں دوڑنے لگا۔ اسحاق اس سے برچھی چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے برچھی چھین لی اور دوڑتے گھوڑے سے کود کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے برچھی لہرا کر للکارا: "مجھے ایک گھوڑا دے دو۔ کوئی بھی میرے مقابلے میں آ جائے۔ زرہ بکتر کے بغیر مقابلہ کروں گا۔"

گھوڑ سوار کمانڈر گھوڑے سے اتر کر اسحاق کے پاس آیا۔ اس نے بازو پھیلا رکھے تھے۔ اسحاق نے برچھی زمین میں گاڑ دی۔ صلیبی سوار نے اسے گلے لگا لیا۔ اسحاق نے کہا کہ مقابلہ کروں گا، مجھے گھوڑا دے دو.... اسے ایک گھوڑا اور ایک برچھی دے دی گئی۔ وہ اسی کمانڈر کے مقابلے میں آیا۔ تماشائی دم بخود تھے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ بدقسمت دیہاتی زرہ بکتر کے بغیر برچھی سے بہت بری موت مرے گا۔ دونوں گھوڑے دور آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اشارے پر گھوڑے دوڑے۔ کمانڈر نے برچھی اسحاق کے پیٹ کے سیدھ میں رکھی ہوئی تھی۔ اسحاق نے اپنے جسم کو ذرا سا موڑ کر کمانڈر کا وار خطا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی برچھی کمانڈر کے پیٹ میں لگی۔ کمانڈر گھوڑے کی دوسری طرف گر پڑا۔ اس نے غلطی یہ کی کہ اس طرف والا پاؤں رکاب سے نکالنا بھول گیا۔ گھوڑا اسے گھسیٹنے لگا۔

اس مقابلے میں کسی تماشائی کو کسی سوار کی مدد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوار مر بھی جایا کرتے تھے۔ کمانڈر کو گھسیٹا جا رہا تھا۔ اسحاق نے گھوم کر دیکھا تو اس نے اپنے گھوڑے کو گھمایا، ایڑ لگائی اور کمانڈر کے گھوڑے کے پہلو میں آ کر اپنے گھوڑے سے کود کر اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا، لگام کھینچی اور گھوڑے کو روک لیا۔ کمانڈر نے چونکہ زرہ بکتر پہن رکھی تھی اس لیے اس کا جسم زمین کی رگڑ سے محفوظ رہا ورنہ اس کی کھال اتر جاتی۔

کمانڈر نے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اسحاق ترک نے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے علاقے سے بھاگا ہوا عیسائی ہے۔ وہ اپنے آپ کو عام قسم کا عیسائی تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ ایسی گھوڑ سواری اور ایسی نیزہ بازی کا ماہر کوئی فوجی ہو سکتا تھا یا کوئی اونچے خاندان کا فرد۔ اس نے کمانڈر کو بتایا کہ مسلمان اسے زبردستی فوج میں بھرتی کرنا چاہتے تھے اس لیے وہ وہاں سے بھاگ آیا۔

کمانڈر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔

یہ کمانڈر بالڈون کی فوج کا نائٹ تھا۔ نائٹ صلیبی فوج کا بہت بڑا اعزاز اور رتبہ ہوتا تھا۔ جو اس کا اہل سمجھا جاتا تھا جو ذاتی طور پر نڈر اور ماہر جنگجو ہو اور اجتماعی طور بہت بڑے دستے کو جنگی اہلیت سے لڑا سکے۔ اس اعزاز کے لیے جو اوصاف دیکھے جاتے تھے وہ کسی کسی میں پائے جاتے تھے۔ یہ اعزاز جسے ملتا اسے سر سے پاؤں تک زرہ بکتر ملا کرتی تھی۔ صلیبیوں کے نائٹ جنگی قابلیت اور بے خوفی کی بدولت آج تک مشہور ہیں۔ ان کا اتنا رتبہ ہوتا تھا کہ ان کے مشوروں سے بادشاہ اپنے فیصلے عمل میں لایا کرتے تھے۔

اسحاق ترک نے زرہ بکتر کے بغیر اس نائٹ کو بچا ڈالا اور اسے گھوڑے کے پاؤں تلے آنے سے بچا بھی لیا تو نائٹ اس کی قدر و قیمت سمجھ گیا۔ اسے اپنے گھر لے جا کر نائٹ نے اسے شراب پیش کی۔ مسلمان جاسوسوں کے لیے یہ ایک مشکل پیدا ہو جایا کرتی تھی کہ دشمن کے علاقے میں وہ عیسائیت کا بہروپ دھار لیتے اور اونچے حلقوں میں بھی پہنچ جایا کرتے تھے مگر وہاں شراب پانی کی طرح پی پلائی جاتی تھی۔ مسلمان شراب پینے سے گریز کرتے تھے۔ بہانے تراشتے تھے۔ بعض جاسوس شراب کے سلسلے میں تنگ میں پکڑے بھی گئے تھے۔ علماء ایسا فتویٰ دینے سے ہچکچاتے تھے کہ ان حالات میں شراب جائز ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے یہ ہدایت جاری کی تھی کہ شراب پینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ مذہب میں حرام ہونے کے علاوہ یہ خطرہ تھا کہ شراب نوشی عادت بن جاتی ہے، دوسرے یہ کہ جس نے شراب کبھی نہ پی ہو وہ ہوش کھو کر اپنی اصلیت بے نقاب کر سکتا ہے۔ البتہ سلطان ایوبی نے کہا تھا کہ دشمن کے ملک میں شراب سے گریز کی کوشش کرو۔ اگر فرض کا تقاضا یہی ہو کہ شراب پی لو تو اتنی پی لی جائے جو بدمست نہ کرے۔

یہی مشکل اسحاق ترک کے سامنے آ گئی۔ وہ ایمان کا پکا تھا۔ اس نے پینے سے انکار کر دیا اور کہا: "میری قوت آپ نے دیکھ لی ہے۔ اس کا راز صرف یہ ہے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ میرے استاد نے مجھے کہا تھا کہ تمہارے جسم میں شراب چلی گئی تو تمہارے نیچے جو گھوڑا ہو گا وہ محسوس کرے گا کہ اس کی پیٹھ پر ایک کمزور انسان بیٹھا ہے۔ پھر گھوڑا بھی حکم نہیں مانے گا۔" اسحاق نے گردن سے لٹکتے دھاگے کو کھینچا۔ اس کے کرتے کے اندر سے چھوٹی سی صلیب باہر آئی۔ اسحاق نے کہا ــــ "میں نے اپنی طاقت کو اس صلیب کے تحفظ کے لیے صرف کرنے کے لیے صلیب ہاتھ میں رکھ کر قسم کھائی تھی کہ شراب نہیں پیوں گا، بدکاری نہیں کروں گا.... میری قسم نہ توڑیں۔"

"تم کہاں رہتے ہو؟" نائٹ نے پوچھا۔ "گھر والے تمہارے ساتھ آئے ہیں؟"

"نہیں۔" اسحاق نے جواب دیا ــــ "میں گھر والوں سے یہ کہہ کر بھاگا تھا کہ اپنے کسی علاقے میں کوئی تسلی بخش ٹھکانہ بن گیا تو انہیں یہاں لے آؤں گا۔"

"تمہارا ٹھکانہ بن گیا ہے۔" نائٹ نے کہا ــــ "میں تمہیں اپنی باقاعدہ فوج میں نہیں لے رہا۔ تم میرے ذاتی محافظ ہو گے۔ ہر کمانڈر کے ساتھ دو چار محافظ ہوتے ہیں لیکن میں تم جیسے ارمان کے آدمیوں کا قدر دان ہوں۔ میری پسند کا صرف ایک محافظ میرے پاس ہے۔ تم دوسرے ہو گے۔ تمہاری رہائش کا انتظام کر دیا جائے گا۔"

وہ زمانہ جنگجوؤں کا تھا۔ اسحاق جیسے طاقتور اور دلیر آدمیوں کی خوب قدر ہوتی تھی۔ نائٹ نے اس کی

رہائش کا انتظام کردیا۔ اس کے لیے عربی گھوڑے اور دیگر سامان کا بندوبست کیا اور اس کی تنخواہ مقرر کردی۔ اسحاق ترک کو خدا نے دماغی صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ انہیں بروئے کار لاتے ہوئے وہ دو دنوں میں اس صلیبی نائٹ کا معتمد بن گیا۔

"میری صرف ایک خواہش ہے۔" اس نے نائٹ سے کہا۔ "جس طرح مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہمارے قبضے میں آگیا ہے، اُن کے خانہ کعبہ پر بھی ہمارا قبضہ ہوجائے۔ اسلام تھوڑے سے عرصے میں ہمیشہ کے لیے مرجائے گا۔ اگر ساری دنیا پر نہیں تو دنیائے عرب پر صلیب کی مقدس حکمرانی ہوجانی چاہیئے۔"

"تم خواب دیکھ رہے ہو میرے دوست!" نائٹ نے کہا۔ "مسلمانوں کو اتنی جلدی شکست دینا آسان نہیں۔ اگر ہم نے مسلمانوں کے کعبے کی طرف پیش قدمی کی تو ساری دنیا کے مسلمان اکٹھے ہوجائیں گے۔ انہیں چھوڑو، ہم ابھی تک اکیلے صلاح الدین ایوبی کو شکست نہیں دے سکے۔"

"آپ لوگ اپنے ہی پیدا کیے ہوئے وہموں کا شکار ہوگئے ہیں۔" اسحاق ترک نے کہا۔ "مسلمانوں میں اتحاد نہیں رہا۔ صلاح الدین ایوبی اپنے مسلمان دشمنوں میں اکیلا رہ گیا ہے۔ کیا حلب اور موصل کے نئے حکمران، مزالدین اور عمادالدین آپ کے حمایتی نہیں؟ وہ آپ کی مدد کے محتاج اور منتظر ہیں۔ آپ کے جاسوسوں نے مسلمانوں کو کھوکھلا کردیا ہے۔ میں آپ کو وہاں کی صحیح تصویر بتاتا ہوں۔" اس نے الفاظ میں ایسی تصویر پیش کی جس سے نائٹ کی باچھیں کھل گئیں۔ اسحاق نے ایسے مشورے دیئے جو کوئی جرنیل ہی دے سکتا تھا۔ نائٹ کی آنکھیں کھل گئیں۔

"تم مجھے حیران کردینے کی حد تک ذہین ہو۔" نائٹ نے کہا۔ "ہم کچھ ایسے ہی منصوبے بنا رہے ہیں جو تمہاری خواہشوں اور عزائم کے مشابہ ہیں۔"

"میرے اس مشورے کو ذرا اہمیت دیں کہ صلاح الدین ایوبی کی طرح چھاپہ مار جیش تیار کریں۔" اسحاق نے کہا۔ "ایک جیش میرے حوالے کردیں۔ میں مسلمان علاقوں اور ان کی نازک رگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھے دور اندیش وہ جگہیں معلوم ہیں جہاں وہ رسد وغیرہ کے ذخیرے رکھتے ہیں۔ اِدھر جنگ ہوئی تو اُدھر اُن کا کوئی ذخیرہ نہیں رہنے دوں گا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" نائٹ نے کہا۔ "ہم تمہیں موقعہ دیں گے۔"

☆

"میں نے تمہیں شمس النساء کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا۔" انوشی عامر بن عثمان سے کہہ رہی تھی۔ وہ موصل میں تھے۔ عامر نے اُسے مجبت کا جھانسہ دے دیا تھا۔ انوشی آدھی رات کے بعد اس کے کمرے میں آگئی تھی۔ کہنے لگی۔ "شمس النساء مجھ سے زیادہ خوبصورت تو نہیں؟"

"اُس کا نام نہ لو۔" عامر نے اکتاہٹ سے کہا۔ "وہ شہزادی ہے۔ مجھے اپنا نوکر سمجھتی ہے اور حکم چلاتی ہے۔ میں کبھی اس کے پاس کھڑا ہوتا بھی ہوں تو یہ حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ تم سے بھی میں اسی لیے ڈرتا رہتا تھا تمہیں

بھی میں شہزادی سمجھتا رہا، لیکن تم نے میرا ڈر دُور کردیا ہے۔ پھر بھی کبھی کبھی ڈر آ ہی جاتا ہے کہ تم مجھے کسی دھوکے میں مبتلا کررہی ہو۔ یہ نہ ہو تم اپنا یہ انتظام مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ بڑوں نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو مجھے قید خانے میں بند کردیں گے۔"

"اگر تمہیں کسی نے قید خانے میں بند کیا تو میرے اشارے پر موصل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔" انوشی نے کہا اور اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ پیار سے بولی۔ "تمہارا یہ ڈر بجا ہے کہ میں تمہیں کوئی دھوکہ دے رہی ہوں۔ یہ وجود ایک دلکش دھوکہ ہے لیکن تم مجھے انسان کے روپ میں دیکھو۔ مجھے اپنی عبادت کرنے دو۔"

انوشی پر بے خودی سی طاری ہوگئی۔ عامر بن عثمان کی انگلیاں اس کے بالوں میں رینگ رہی تھیں۔ رات گزرتی جارہی تھی۔ انوشی کے لہجے اور انداز میں خمار آگیا تھا۔ عامر بن عثمان کے لیے یہ بڑا ہی سخت امتحان تھا۔ وہ جوان تھا، تنومند تھا اور وہ غیر شادی شدہ تھا۔ کئی بار اس کے جذبات اپنے قابو سے نکل چکے تھے۔ اُس نے دل ہی دل میں دھیان خدا کی طرف کردیا اور خدا سے التجائیں کرنے لگا کہ اس کی ذاتِ باری اسے جبرالہ ہمت و استقلال عطا فرمائے۔"

رات تھوڑی سی رہ گئی تھی جب انوشی اس کے کمرے سے نکلی۔ پھر ایسی تین چار راتیں آئیں۔ انوشی اُس کے وجود میں جذب ہوچکی تھی۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ عامر حیوان نہیں انسان ہے مگر عامر کی ذات میں جو زلزلے بپا ہو رہے تھے ان سے انوشی واقف نہیں تھی۔

"مجھے ان مسلمان حکمرانوں سے نفرت ہوگئی ہے۔" ایک رات عامر نے انوشی سے کہا۔ "میں نے صلیبی حکمران نہیں دیکھے۔ تمہارے حکمرانوں سے تو اچھے ہوں گے۔" اُس نے رازداری سے پوچھا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ صلیبی آکر ان علاقوں پر قبضہ کرلیں؟"

انوشی بہت ہی چالاک لڑکی تھی۔ بچپن سے استادوں کے ہاتھوں میں کھیلی تھی۔ اُس کا حسن قلعوں کی دیواریں توڑ دیتا تھا۔ جابر حکمرانوں کو وہ اپنا خدم بنا لیا کرتی تھی، مگر وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں اور فطری تقاضوں اور مطالبوں سے آزاد نہیں تھی۔ کوئی بھی انسان خواہ وہ ارسطو اور عادات کے لحاظ سے دیوتا ہی کیوں نہ بن جائے اس فطرت کی زنجیروں سے آزاد نہیں ہوسکتا جو خدا نے بنائی ہے۔ انوشی اپنی تشنگی عامر بن عثمان کو بتا چکی تھی۔ یہ اس کی دکھتی رگ تھی جو اُس نے عامر کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ سچے پیار کی تشنگی اور عامر کے وجود نے اس کا ڈنک مار دیا تھا۔ وہ شراب کے نشے کو جانتی تھی محبت کے خمار سے واقف نہیں تھی۔ یہ خمار جب طاری ہوا اور عامر نے صلیبی حکمرانوں کے حق میں بات کردی تو انوشی کی تمام تر تربیت بیکار ہوگئی۔ اس نے عامر کے ساتھ ایسی باتیں شروع کردیں جو جاسوس اور تخریب کار نہیں کیا کرتے۔

عامر کا مقصد پورا ہوگیا۔ اس نے بچ بچ کر سوال پوچھنے شروع کردیئے۔ اگر اس وقت انوشی کو اس کے صلیبی استاد یا عزالدین اور اس کے وہ دو اعلیٰ حاکم دیکھتے جو اُسے گوہرِ نایاب سمجھتے تھے تو یقین نہ کرتے کہ یہ وہ لڑکی ہے جسے وہ سوڈانی پری کہا کرتے ہیں۔ وہ معصوم سی بچی بنی ہوئی تھی ادا سے ذرہ بھر احساس نہیں تھا کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی بجائے صلیب کو دیمک کی طرح کھا رہی ہے۔ عامر بن عثمان اس کی فطرت کے تقاضے پورے

کر رہا تھا۔

انوشی جب اُس رات عامر کے کمرے سے نکلی تو رات کا آخری پہر تھا۔ وہ بڑے اہم راز عامر کے سینے میں ڈال گئی تھی۔

☆

بہت دن گزر گئے تھے۔ بیروت میں اسحاق ترک اپنے صلیبی نائٹ کا ذاتی محافظ ہی نہیں اس کا ہمراز دوست اور قابلِ اعتماد ساتھی بن چکا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ بالڈوِن کے فرنگی لشکر کے ایک بڑے دستے کا یہ کمانڈر صلیب کا اتنا خیر خواہ نہیں جتنا اپنی اس خواہش اور عزم کا غلام ہے کہ وہ اگلی جنگ میں بڑھ چڑھ کر کامیابی حاصل کرے اور شاہ بالڈوِن سے عرب کا کوئی ٹکڑا انعام کے طور پر حاصل کرلے۔ اس کے دماغ پر خود مختار حکمرانی سوار تھی اور اس کی سوچیں اسی خواہش کے تابع تھیں۔ اسحاق ترک اپنے استاد علی بن سفیان کی تربیت کے مطابق اس کی نفسیات سے کھیلنے لگا۔ جس طرح انوشی جیسی خطرناک لڑکی فطرتِ انسانی کی کمزوریوں اور تقاضوں کے سامنے بے بس ہوگئی تھی اسی طرح صلیبیوں کا یہ نائٹ اپنے نظریئے سے ہٹ کر اور اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہا تھا کہ جس اجنبی کو اس نے اپنا دوست بنا لیا ہے وہ صرف اس کی نہیں، اس کے بادشاہ اور اس کی صلیب کی شکست کا پیامبر ہے۔

ایک روز نائٹ اسحاق ترک کو بیروت سے دُور لے گیا۔ اسحاق کو پتہ چلا کہ نائٹ کا دستہ رات کو بڑی جلدی میں کُوچ کر گیا ہے۔ نائٹ اس دستے کو مختلف جگہوں پر تقسیم کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ اسحاق محافظ کے طور پر اس کے ساتھ تھا۔ دستے تک پہنچے تو دیکھا کہ خیمے نہیں لگائے گئے تھے۔ اس میں گھوڑ سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ نائٹ نے اپنے ماتحت کمانڈروں کو بلا کر مختلف جگہیں بتائیں اور حکم دیا کہ ان جگہوں پر وہ خیمے گاڑ لیں اور تیاری کی حالت میں رہیں۔ اسحاق پاس کھڑا یہ احکام سُن رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے تمہیں ایک مہینے تک تیاری کی حالت میں رہنا پڑے۔" نائٹ نے اپنے چھوٹے کمانڈروں سے کہا۔ "لیکن اکٹھا نہ جانا۔ ہمیں کل قاہرہ سے آئے ہوئے ایک جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے بیروت کو محاصرے میں لے کر اس شہر پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمیں توقع تھی کہ وہ اب بھی دمشق کی طرف سے آئے گا اور سب سے پہلے اپنے مسلمان امراء کو جن میں حلب، موصل اور حمص کے امراء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، اپنے ساتھ ملائے گا، اُس کے بعد وہ ہمیں للکارے گا، مگر اب یہ قابلِ اعتماد اطلاع ملی ہے کہ وہ سب سے پہلے ہمارے دل پر وار کرے گا اور اس کے بعد اپنے ان امراء سے جنہیں ہم نے اپنا درپردہ دوست بنا رکھا ہے، نپٹے گا۔ اگر ہمیں یہ اطلاع نہ ملتی تو ہم بیروت کے اندر اس کے محاصرے میں آجاتے۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہیں یہ معلوم نہیں کہ صلاح الدین ایوبی محاصرے کا ماہر ہے۔ اس کے محاصرے میں آئی ہوئی فوج کے پاس صرف یہ چال رہ جاتی ہے کہ ہتھیار ڈال دے۔ صلیب کی برکت سے ہمیں پہلے ہی اشارہ مل گیا ہے۔"

اسحاق سُن رہا تھا۔ اُس نے اپنے کپڑوں کے اندر پسینے کی نمی محسوس کی۔ اسے یہ سُن کر غصہ آنے لگا کہ صلاح الدین ایوبی کے اندرونی حلقے میں بھی صلیبیوں کے جاسوس موجود ہیں جنہوں نے اتنی خطرناک اطلاع یہاں پہنچا دی ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمان ایمان فروشی پر فوراً اتر آتے ہیں۔ سلطان ایوبی کے ہمراز حلقے میں کوئی صلیبی تو نہیں جا سکتا۔ اب یہ ذمہ داری اسحاق ترک بڑی شدت محسوس کرنے لگا کہ وہ فاتح پیشوا علی بن سفیان کو بتائے کہ اگر سلطان نے واقعی بیروت پر فوج کشی کا فیصلہ کر لیا ہے تو سیدھا بیروت نہ جائے۔

"اس اطلاع سے ہم یہ فائدہ اٹھا رہے ہیں کہ جس طرح ہمارا دستہ اس علاقے میں گشت کی صورت میں بھیجا گیا ہے، اسی طرح چند اور دستے جن میں گھوڑ سوار زیادہ ہیں بیروت کے اردگرد اور دُور دُور بھیج دیئے گئے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کا استقبال وہ دستے کریں گے جو بیروت میں تیار ہوں گے۔ وہ اس کی فوج کو یہ تاثر دے کر اُلجھائیں گے کہ اس نے بیروت کو اچانک آ دبوچا ہے۔ وہ جب عامر کو تنگ کر رہا ہوگا ہم عقب سے اس پر حملہ کر دیں گے۔ پھر وہ بیروت کے اندر والی ہماری فوج اور ہمارے اجنبی دستوں میں آکر ہمیشہ کے لیے پس جائے گا۔"

"جناب!" ایک پرانی عمر کے کمانڈر نے کہا۔ "یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس طرف سے آئے گا؟"

"ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا۔" نائٹ نے جواب دیا۔ "ممکن یہ نظر آتا ہے کہ وہ ہمارے علاقوں میں سے گزر کر آنے کا خطرہ مول لے گا۔ شاہ بالڈوِن نے ہدایت جاری کی ہے کہ راستے میں اُس کے ساتھ جھڑپ نہ کی جائے۔ اُسے دُور اندر تک، اور بیروت تک آنے دیا جائے۔ یہاں ہم اُس کی فوج کو رسد سے محروم کر کے ماریں گے۔"

"اور آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ بیروت سمندر پر واقع ہے۔" اسی کمانڈر نے کہا۔ "وہ اپنی بحری قوت بھی استعمال کر سکتا ہے۔"

"وہ بحری قوت استعمال کرے گا۔" نائٹ نے کہا۔ "اس کی بہت سی فوج بحری جہازوں سے آ رہی ہے۔ ہم نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔ ہم سمندر میں اس کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ اُس کی فوج کو اُترنے کا موقع دیں گے۔ اس طرح ہم اُس کے جہازوں کو تباہ کرنے یا انہیں بھاگنے کا موقع دینے کی بجائے جہازوں پر قبضہ کریں گے.... میرے دوستو! تم جانتے ہو کہ فوج کو راز کی ایسی باتیں نہیں بتائی جاتیں کیونکہ جس طرح ہمارے جاسوس مسلمان علاقوں میں موجود ہیں اسی طرح ہمارے علاقوں میں مسلمان جاسوس سرگرم ہیں۔ سپاہیوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات صلاح الدین ایوبی کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے، مگر بعض حالات میں اپنے کمانڈروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ آنے والے حالات کیسے ہوں گے اور ان کا پس منظر کیا ہے۔ یہ احتیاط کریں کہ سپاہیوں کو پتہ نہ چلنے پائے کہ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہے ورنہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے گا۔"

"کیا آپ کو مسلمان امراء کی نیت کا علم ہے؟" ایک اور کمانڈر نے پوچھا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر حملہ

کردیں؟"

"ان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔" نائٹ نے کہا۔ "حلب کا والی عزالدین موصل میں آگیا ہے اور موصل کا امیر عمادالدین حلب چلا گیا ہے۔ یہ تبادلہ ہماری کارستانی سے ہوا ہے۔ وہاں کے حالات ہمارے قبضے میں ہیں۔ البتہ یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کوئی مسلمان حکمران صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دے یا اُسے رسد دینے سے انکار کر دے۔ بہرحال یہ یقین ہے کہ اپنے مسلمان امراء کی طرف سے صلاح الدین ایوبی کو تعاون نہیں ملے گا۔"

☆

رات کو اسحاق ترک نے نائٹ کے ساتھ سلطان ایوبی کے متوقع حملے اور بیروت کے محاصرے پر تبادلۂ خیال اور خوشی کا اظہار کیا کہ اُسے اپنی خواہش کی تکمیل کا موقع مل جائے گا۔ اُس نے کچھ اور ضروری باتیں معلوم کر لیں۔ اس کے سامنے اب یہ مسئلہ تھا کہ وہاں سے نکلے اور قاہرہ پہنچے۔ وہ آسانی سے فرار ہو سکتا تھا لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ غائب ہو جانے سے نائٹ کو شک ہو جائے گا کہ یہ جاسوس تھا جو سب کچھ دیکھ کر چلا ہے لہٰذا وہ اپنی سکیم میں ردوبدل کر لیں گے۔ وہ نائٹ کو بتا کر جانے کی سوچنے لگا۔ اُسے ایک بہانہ مل گیا جو یہ تھا کہ وہ اپنے گھر کے تمام افراد کو مسلمان علاقے میں چھوڑ آیا ہے، اب چونکہ اس کا ٹھکانہ بن گیا ہے اس لیے وہ انہیں وہاں سے نکالنا چاہتا ہے ورنہ مسلمان انہیں پریشان کریں گے۔

یہ بہانہ پیش کر کے اس نے نائٹ سے کہا — "ایک آدھ مہینے بعد ہم جنگ میں اُلجھ جائیں گے پھر نہ جانے کب فرصت ملے۔ انہیں ابھی لے آؤں تو بہتر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں جنگ میں مارا جاؤں۔ مرنے سے پہلے انہیں یہاں لانا چاہتا ہوں تاکہ میرے بعد میری بہنیں مسلمانوں کے ہاتھوں خراب نہ ہوتی پھریں۔"

بہانہ معقول تھا۔ نائٹ نے اُسے جو گھوڑا دے رکھا تھا وہی اس کے پاس رہنے دیا اور کہا — "ابھی روانہ ہو جاؤ اور جس قدر جلدی آسکو واپس آؤ۔"

اسحاق ترک اس صلیبی نائٹ سے زیادہ جلدی میں تھا۔ اُسے بہت جلدی قاہرہ پہنچنا تھا لیکن اس سے پہلے حلب اور موصل جانا ضروری تھا کیونکہ اُس کے کانوں میں وہاں کے حکمرانوں اور امراء کے متعلق کچھ باتیں پڑی تھیں۔ اسے یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ سلطان ایوبی جب ان علاقوں میں فوج لائے گا تو موصل کے حکمرانوں اور سالاروں کا رویہ کیا ہوگا۔ اسے معلوم تھا کہ حلب میں اُس کے ساتھی جاسوس کون کون ہیں اور وہ کہاں مل سکتے ہیں مگر نائٹ کی زبان سے اس نے سنا تھا کہ عزالدین موصل اور عمادالدین حلب چلا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ رضیع خاتون بھی موصل میں ہوگی، اور اگر وہ موصل میں ہے تو اُس کی خادمہ بھی ساتھ ہوگی۔ محل کے اندر کی دنیا سے رابطہ اِس خادمہ کے ذریعے ہو سکتا تھا۔ بہرحال اُسے وہاں کے حالات کا اور حالات کی خبر دینے والے خفیہ ساتھیوں کا کچھ پتہ نہ تھا سوائے دو کے جو موصل میں تھے۔

وہ اُسی رات روانہ ہو گیا۔ گھوڑا اچھا تھا۔ اسحاق ماہر سوار تھا۔ مہینوں کی مسافت دنوں میں طے

کرنے کا اُسے تجربہ تھا۔ وہ فاصلہ طے کرتا اور خدا سے یہی دعائیں مانگتا جا رہا تھا کہ اُس کے تابوت پہنچنے سے پہلے سلطان ایوبی کوچ نہ کر چکا ہو۔ گھوڑا دوڑ سے تھک گیا تو اسحاق نے اسے روکا نہیں۔ گھوڑا اپنی سہولت کی چال آہستہ آہستہ چلتا گیا۔ اسحاق نے آگے جھک کر پیٹ زین کے ساتھ لگا لیا اور پیٹھ گھوڑے پر دے دیا۔ سحر کی تاریکی میں اُس کی آنکھ کھلی۔ اس نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کی راہنمائی کرنے والا ستارہ چمک رہا تھا۔ گھوڑا صحیح سمت جا رہا تھا۔ صبح کی روشنی میں ایک جگہ گھوڑے کو پانی پلایا اور کچھ کھلا کر اُس نے خود بھی ذرا آرام کیا، گھوڑے کو بھی آرام دیا اور چل پڑا۔

یہ دن بھی گزر گیا۔ رات آئی اور گزر گئی۔ صلیبی نائٹ کے دیئے ہوئے عربی گھوڑے نے اسحاق کا خوب ساتھ دیا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر تھی جب اُسے موصل کے میناروں کے کلس نظر آنے لگے۔ اسحاق ترک اس شہر سے اچھی طرح واقف تھا اور اسے اپنے دو ساتھی جاسوسوں کے ٹھکانوں کا بھی علم تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اسے کچھ بتا سکیں گے یا حلب کا راستہ دکھائیں گے۔

☆

عزالدین کو اطمینان ہو گیا کہ رضیع خاتون اُس کی زوجیت میں خوش ہے اور اب وہ اُس کے کاموں کے متعلق کوئی بات نہیں کرتی، نہ کچھ پوچھتی ہے۔ رضیع خاتون نے اُس سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ اُس نے عمادالدین کے ساتھ امارتوں کا تبادلہ کیوں کر لیا ہے۔ رضیع خاتون نے جس مقصد کے لیے عزالدین کے ساتھ شادی کی تھی وہ تو پورا نہ ہو سکا، تاہم وہ اس پہلو کو دیکھ کر مطمئن ہو گئی کہ وہ اس پُراسرار دنیا کے اندر آگئی ہے اور سلطان ایوبی نے یہاں جاسوسی کا جو جال بچھا رکھا ہے اسے وہ مزید مضبوط اور کارآمد بنا رہی ہے۔ شمس النساء کو اُس نے تربیت دے لی تھی اور اُس کی یہ بیٹی لڑکپن کے کھلنڈرے جذبات سے نکل کر مجاہدہ بن گئی تھی۔ اس لڑکی نے عزالدین کے ذاتی محافظ عامر بن عثمان کو مخبر اور جاسوس بنا دیا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ قربانی دی تھی کہ اُسے ایسی چالاک لڑکی کے حوالے کر دیا تھا جو عامر کو اس سے ہمیشہ کے لیے چھین سکتی تھی۔

عامر بن عثمان نے انوشی کے سینے سے جتنے راز نکالے تھے وہ شمس النساء کے ذریعے رضیع خاتون تک پہنچا دیئے تھے۔ یہ نہایت اہم راز تھے جو قاہرہ تک پہنچانے تھے۔ حلب سے سلطان ایوبی کے جو جاسوس آئے تھے۔ اُن کے کمانڈر سے پوچھا گیا تھا کہ قاہرہ جانے والا کوئی آدمی تیار کرو۔ اس نے کہا تھا کہ اسحاق ترک بیروت سے آجائے گا۔ وہاں کی جب تک خبر نہیں ملے گی قاہرہ کے لیے اطلاع نامکمل رہے گی۔ علی بن سفیان سے سلطان ایوبی بار بار کہہ رہا تھا کہ صلیبیوں کے آئندہ اقدام کے متعلق معلومات حاصل کرو۔

انوشی نے عامر بن عثمان کو جو باتیں بتائی تھیں وہ غلط نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ عزالدین اور اُس کے خصوصی مشیروں پر اتنی غالب آئی ہوئی تھی کہ وہ اس لڑکی کی موجودگی میں انتہائی نازک باتیں کرتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں وہ قابلِ نفرت انسان سمجھتی تھی۔ وہ تو اپنا فرض ادا کر رہی تھی۔ اسے ابھی یہ معلوم

نہیں ہوا تھا کہ جس عامر کو دل و جان سے چاہتی ہے وہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ عامر کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنی دل چسپی کی خاطر ایسی باتیں پوچھ رہا ہو۔

عزالدین نے رضیع خاتون کی سیر کے لیے بگھی وقف کر رکھی تھی۔ ایک شام رضیع خاتون شمس النساء کے ساتھ باہر نکل گئی۔ شہر کے قریب ہی سبزہ زار تھا جس میں ایک چشمہ بھی تھا۔ یہ جگہ اتنی خوبصورت تھی کہ صرف شاہی خاندان کے لیے وقف کر دی گئی تھی۔ رضیع خاتون کے ساتھ اس کی خادمہ بھی تھی اور محافظ کے طور پر عامر بن عثمان بھی ساتھ تھا۔ عزالدین کو عامر پر بھروسہ تھا اور اس نے عامر کو حکم دے رکھا تھا کہ رضیع خاتون جب بھی سیر کے لیے باہر جائے تو عامر ساتھ ہو۔ اس جگہ پہنچ کر بگھی کو دور کھڑا کر دیا گیا۔ رضیع خاتون اور شمس النساء چشمے کی طرف چلی گئیں۔ عامر بن عثمان بھی ساتھ رہا۔ یہ صرف سیر نہیں تھی بلکہ سیر کے بہانے عامر سے معلوم کرنا تھا کہ اسے اور کیا کچھ معلوم ہوا ہے۔

اس وقت اسحاق ترک موصل میں اپنے ایک ساتھی کے پاس پہنچ چکا تھا اور یہ ساتھی اسے بتا رہا تھا کہ رضیع خاتون بھی ان کے گروہ میں شامل ہو گئی ہے بلکہ سرپرستی کر رہی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں تو ان کا ایک اور ساتھی آ گیا۔ اس نے اسحاق کو بتایا کہ رضیع خاتون کی خادمہ اس وقت چشمے پر گئی ہے۔ بہتر ہے اسحاق اسے وہاں ملے۔ اسحاق نے اپنے ان ساتھیوں کو بتایا تھا کہ وہ بہت جلدی میں ہے اور کام کی کوئی بات معلوم ہو سکے تو وہ رات رکنے کی بجائے فوراً قاہرہ کو روانہ ہو جائے۔ اسی لیے اسے بتایا گیا تھا کہ خادمہ چشمے پر ملے گی۔ اس آدمی نے رضیع خاتون کی سواری ادھر جاتے دیکھی تھی۔ اسحاق کو یہ تو بتا ہی دیا گیا تھا کہ رضیع خاتون بھی ان کے ساتھ ہے۔ لہٰذا یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ اس کے ساتھ بھی ملاقات ہو جائے۔

عامر بن عثمان چشمے کے کنارے رضیع خاتون اور شمس النساء کو بتا رہا تھا کہ الوشی کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق یہ یقین ہو گیا ہے کہ صلیبیوں کے خلاف جنگ کی صورت میں عزالدین سلطان ایوبی کو دوستی کے دھوکے میں رکھے گا۔ اگر سلطان رسد مانگے گا تو رسد بروقت پوری نہیں بھیجے گا۔ اگر سلطان نے فوج مانگی تو یہ بہانہ پیش کیا جائے گا کہ۔ اس کے تعلقات عمادالدین کے ساتھ اچھے نہیں رہے اور عمادالدین موصل پر حملے کے لیے صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے اس لیے فوج قلعے میں موجود رہنی چاہیے۔ عامر نے بتایا کہ عمادالدین کا رویہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ ان باتوں سے سلطان ایوبی کا باخبر ہونا ضروری تھا کیونکہ وہ ان دونوں کو اپنا اتحادی سمجھتا تھا۔

خادمہ ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ اسے کسی کے گانے کی آواز سنائی دی ــــ "ریگزاروں کے راہی راہوں سے بھٹکیں، ستاروں کو دیکھیں"۔ سیرگاہ کے قریب سے کوئی گاتا ہوا گزر رہا تھا۔ خادمہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ جاسوسوں کے اس گروہ کے خفیہ الفاظ تھے جو وہ ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے ترنم میں اس طرح استعمال کیا کرتے تھے جیسے کوئی مسافر اپنا دل بہلانے کے لیے گنگناتا جا رہا ہو۔ خادمہ پودوں کی اوٹ میں آگے چلی گئی۔ اس نے اسحاق ترک کو پہچان لیا۔ اسے روکا۔ اسحاق نے اسے کہا کہ وقت نہیں ہے۔ خادمہ نے کہا کہ اسی فوج ملتے۔ ہو، اور وہ رضیع خاتون کے پاس گئی۔

☆

سورج غروب ہو چکا تھا۔ سیرگاہ پر تاریکی چھا رہی تھی۔ اسحاق ترک ایک ایسی جگہ رضیع خاتون شمس النساء اور عامر بن عثمان کے پاس بیٹھا تھا جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رضیع خاتون اسے حلب اور موصل کے تمام اسرار اور دھوکے بتا چکی تھی۔ اس نے اسحاق سے کہا ــــ "صلاح الدین ایوبی سے کہنا میں نے نورالدین زنگی کا مقام عزالدین کو دیا تھا۔ میں نے اس امید پر اپنے دل پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ عزالدین کو زنگی و مرحوم کا صحیح جانشین بنا دوں گی اور یہ زنگی کی طرح تمام دائیں بائیں دشمنوں کا صفایا کر دے گا۔ مگر شادی کے بعد راز کھلا کہ میں نے دوست کی ایک بھیانک غلطی کی ہے۔ مجھے قید کر لیا گیا ہے۔ اب دمشق کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔ بیروت کے علاقے میں تمہارا جس طرح استقبال ہوگا وہ تم اسحاق سے سن لو گے۔ تم ہی فیصلہ کر سکتے ہو کہ ان حالات میں ہمیں بیروت کو محاصرے میں لینے کا تمہارا منصوبہ پہلے ہی بیروت پہنچ گیا ہے، تم بیروت ہی جاؤ گے یا اپنا منصوبہ بدل دو گے۔ اس سوال کا جواب علی بن سفیان دے سکتا ہے کہ یہ راز بیروت کس نے پہنچایا۔ ہماری قوم میں ایمان کا فقدام عام ہو گیا ہے۔ عرب کے امراء کی عیاشیوں کا یہی عالم رہا تو وہ قبلۂ اوّل کی طرح خانۂ کعبہ کو بھی بیچ کھائیں گے۔ عیاشی اور حکمرانی مل کر ملکوں کو ٹکڑوں میں کاٹتی اور قوموں کا نام و نشان مٹا دیتی ہیں.... عزالدین اور عمادالدین پر بھی بھروسہ نہ کرنا۔ یہ تمہیں مدد نہیں مدد کا دھوکہ دیں گے۔ بیروت کی بجائے حلب اور موصل کو محاصرے میں لے کر ان ایمان فروش حکمرانوں سے ہتھیار ڈلوا لو اور یہ اہم علاقے اپنی عملداری میں لے لو تو یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ پر ایک نظر ڈالو۔ ہمارے بادشاہوں نے ہمیشہ ملکوں کے سودے کیے ہیں اور ان سودوں پر اسلام کے سپاہی نے ٹیر پھیر دی اور قوم کی لاج رکھی ہے۔ دشمن کو صرف سپاہی دیکھتا ہے اور دشمن کے ہاتھوں صرف سپاہی کٹتا اور مرتا ہے اس لیے دین اور قوم کی قدر و قیمت صرف سپاہی جانتا ہے....

"جب یہ عیاش حکمران دشمن کی بھیجی ہوئی شراب، حسین لڑکیوں اور دولت کے نشے میں بدمست پڑے ہوتے ہیں اس وقت اللہ کے سپاہی ریگزاروں، کوہستانوں اور سمندروں میں کٹ رہے ہوتے ہیں۔ صلاح الدین بھائی! تمہاری عمر بھی صحراؤں میں لڑتے گزر رہی ہے، میرا پہلا خاوند بھی ساری عمر دین کے دشمنوں سے لڑتا رہا۔ مگر جب تم ایمان فروش حکمرانوں کے خلاف اٹھتے ہو تو وہ تمہیں اپنی قوم کا قاتل اور غدار کہتے ہیں۔ ان نتوں کی پروا نہ کرو۔ یہ سب صلیبیوں اور یہودیوں کے نتوے ہیں جو ہمارے اپنے بھائی تمہارے خلاف داغ رہے ہیں۔ آؤ، طوفان کی طرح آؤ۔ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارے لیے زمین ہموار کر رہی ہوں۔ یہاں کا بچہ بچہ تمہارے ساتھ ہوگا.... باقی خبریں اسحاق سے سن لینا۔"

اسحاق ترک کو تمام تر معلومات دے دی گئیں۔ وہ اٹھا اور پودوں کو روندتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس نے کچھ ایسا محسوس کیا جیسے اس نے کسی کے قدموں کی ہلکی سی آہٹ سنی ہو۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے یہ شک بھی ہوا جیسے اسے کچھ دور ایک سایہ سا جاتا اور پودوں میں غائب ہوتا نظر آیا ہو۔ اس نے زیادہ توجہ نہ دی۔ اس کے ذہن پر یہ مسئلہ سوار تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ قاہرہ پہنچے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان ایوبی فوج کے ساتھ کوچ کر چکا ہو۔ اسے اس کامیابی کی بہت خوشی تھی کہ اسے ہر جگہ سے نہایت کارآمد معلومات مل گئی

تھیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ بہت جلدی میں کھانا کھایا اور روانہ ہوگیا۔ اُسے اپنا سفر اس وجہ سے ملتوی کرنا پڑا کہ حلب میں اپنے کمانڈر سے ملنا ضروری تھا۔

حلب پہنچا۔ کمانڈر سے ملا۔ اس نے اسحاق کو تازہ دم نہایت اچھی نسل کا گھوڑا دیا۔ پانی کے چھوٹے مشکیزے اور کھانے کی چیزوں سے تھیلا بھر کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا۔ اسحاق قاہرہ کے لیے روانہ ہوگیا۔

☆

اُس رات کا ذکر ہے جس رات اسحاق سیرگاہ میں رضیع خاتون سے ملا تھا کہ انوشی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرکے عزالدین اور اس کے قریبی ہمرازوں کی محفل میں نہ گئی۔ عزالدین اس کی مزاج پرسی کے لیے گیا تو انوشی کو چڑچڑا پایا۔ وہ بات کرتی تو زبان ہکلاتی تھی۔ عزالدین نے اپنے طبیب کو بلایا۔ طبیب نے دوا دی جو انوشی نے یہ کہہ کر رکھ لی کہ کھالے گی۔ اُس نے کہا کہ وہ آرام کرنا چاہتی ہے، یہ شب بیداری اور زیادہ شراب پی لینے کے اثرات ہیں۔ عزالدین اور طبیب چلے گئے۔ انوشی دروازہ اندر سے بند کرکے لیٹنے کی بجائے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ بہت بے چین تھی۔ اس نے کئی بار کھڑکی کا پردہ اٹھا کر باہر دیکھا اور کمرے میں کبھی ٹہلتی، کبھی رُکتی اور پھر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھتی۔

اس نے اپنے زیورات والا خوشنما بکس کھولا۔ اس میں سے ایک انگوٹھی نکالی۔ اس کے نگینے والی بگڑ ڈبیا کی شکل کی تھی۔ خوشنما اور دلکش انگوٹھی تھی۔ اس نے اس پر جڑی ہوئی چھوٹی سی ڈبیا کو جو انگوٹھی کا حصہ تھی، کھولا۔ اس میں سفید سفوف بھرا ہوا تھا۔ اس نے سفوف کو ذرا سی دیر دیکھا اور ڈبیا بند کرکے انگوٹھی اپنی انگلی میں ڈال لی۔ اس سے اُسے کچھ سکون محسوس ہوا جیسے اس نے اپنی بے چینی اور اداسی کا ذریعہ پیدا کر لیا ہو۔

رات آدھی گزر گئی تھی۔ اس کی ذاتی خادمہ اس کے کمرے کے قریب ایک کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ انوشی نے اُسے کہہ دیا تھا کہ آج رات اُسے اس کی ضرورت نہیں۔ آدھی رات کے بعد وہ خادمہ کے کمرے میں گئی اور اسے جگا کر کہا کہ عامر بن عثمان کو بلا لاؤ۔ اس کی خادمہ اس کی اور عامر کی ملاقاتوں کی رازدان تھی۔ وہ گئی اور عامر بن عثمان کو بلا لائی۔ انوشی نے خادمہ سے کہا کہ وہ کمرے کے باہر بیٹھی رہے۔

"عامر!" انوشی ایسے لہجے میں بولی جس سے عامر واقف نہیں تھا۔ "آج شام وہ کون تھا جو سیرگاہ میں تم سب کے ساتھ بیٹھا تھا؟"

"کوئی بھی نہیں۔" عامر نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ میں تو خاتون کی سواری کے ساتھ محافظ بن کے جاتا ہوں اور اُن سے دُور رہتا ہوں۔"

"عامر!" انوشی نے بالکل ہی بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھ سے زمین کی تہوں کے راز پوچھ لو۔ میں نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے مگر تم نے مجھے کوئی سیدھی سادی صحرائی لڑکی سمجھ لیا۔ تم، رضیع خاتون، شمس النساء اور ان کی خادمہ اکٹھے بیٹھے تھے اور ایک اجنبی تمہارے درمیان بیٹھا تھا۔ راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ثبوت چاہتے ہو؟ میں نقاب اوڑھ کر اور مشکوک ہو کر وہاں گئی تھی۔ تم سب سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے پھر وہ اجنبی وہاں سے اٹھا اور چلا گیا۔ میں وہاں سے آگئی۔"

اسحاق ترک جب ان لوگوں سے اٹھ کر جا رہا تھا تو اس نے کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ سنی تھی اور کچھ دُور ایک سایہ سا بھی دیکھا تھا۔ یہ انوشی تھی جو چوری چھپے رضیع خاتون، شمس النساء اور عامر بن عثمان کے پیچھے گئی تھی۔

عامر بن عثمان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس نے کوئی بے معنی سی بات کی۔ انوشی استاد تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے شکوک بے بنیاد نہیں۔ اس نے کہا۔ "اگر شمس النساء اکیلی ہوتی تو میں سمجھتی کہ اس شہزادی نے تمہیں کچھ رکھا ہے مگر یہ معاملہ کچھ اور ہے..... مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے یہ راز کی باتیں کیوں پوچھتے ہو؟"

"ویسے ہی۔" عامر نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ان باتوں کے ساتھ میری کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں صرف اس سے لطف اٹھاتا تھا کہ ہم ان بادشاہوں کو کیا سمجھتے ہیں اور یہ آمدے کیا ہیں۔"

"عامر!" انوشی نے زہر بھری آواز میں کہا۔ "تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میرے اشارے پر اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بج سکتی ہے۔ مجھے میرے پیار کے جذبات نے دھوکہ دیا اور میں تمہاری محبت کے نشے میں اپنے فرائض فراموش کر بیٹھی اور تم اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ پھر بھی میرے دل میں تمہاری محبت ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ تم میرے کمرے میں زندہ اور سلامت ہو۔ میں اگر چاہتی تو اس وقت تم قید خانے کی اُس کوٹھڑی میں بیہوش پڑے ہوتے جہاں اذیتوں کے بعد غداروں اور جاسوسوں کو ڈال دیا جاتا ہے۔ میں نے تمہیں اس جہنم سے بچا لیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم نے میرے سینے سے راز نکال کر اس اجنبی کو دیئے ہیں اور وہ قاہرہ پہنچ گیا ہے۔ میرا طوس اور میری محبت دیکھو کہ میں نے اس آدمی کو نکل جانے کی مہلت دی۔ میں اُسے اُسی وقت پکڑوا سکتی تھی مگر تب بھی محبت نے میرا زہر چوس لیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "میں جذباتی لڑکیوں جیسی دھوکہ ہوں دھوکے کا شکار ہو گئی ہوں۔ تم جیت گئے ہو۔ سچ کہہ دو عامر، سچ کہہ دو۔"

"ہاں انوشی!" عامر نے کہا۔ "تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے، میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ تم مجھے قید خانے میں بند کروا دو۔"

انوشی کے آنسو بہہ نکلے تھے لیکن اُس نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "بس اتنی سی بات پوچھنی تھی جو تم نے بتا دی ہے۔ تمہیں کوئی قید میں نہیں ڈال سکتا۔ اب میں بھی اس خوشنما پنجرے سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ تم شراب نہیں پیتے۔ میں تمہیں بادشاہوں کا شربت پلاؤں گی۔"

وہ اٹھی اور اُس میز کے پاس جا کھڑی ہوئی جس پر صراحی رکھی تھی۔ اس کی پیٹھ عامر کی طرف تھی۔ انوشی نے دو پیالے سامنے رکھے۔ ناخن سے انگوٹھی کے ساتھ جڑی ہوئی ڈبیہ کھولی۔ اس میں جو سفوف تھا وہ کچھ ایک پیالے میں اور باقی دوسرے پیالے میں ڈال دیا۔ عامر نہ دیکھ سکا۔ انوشی نے دونوں پیالوں میں صراحی سے مشروب ڈالا۔ ایک پیالہ عامر کو دے دیا، ایک اپنے ہاتھ میں رکھا۔

فہرست

تعارف	۷
سانپ اور صلیبی لڑکی	۹
سُنت، سارہ اور صلیب	۵۱
چلے قافلے حجاز کے	۸۳
دوسرا درویش	۱۱۳
نہ میں تمہاری، نہ مصر تمہارا	۱۳۵
ایوبی نے قسم کھائی تھی	۱۶۳
فصل صلیبی جس نے کاٹی تھی	۱۸۹
ایوبی مسجدِ اقصیٰ کی دہلیز پر	۲۱۷
آنسو جو مسجدِ اقصیٰ میں گرے	۲۴۷
پھر شمع بجھ گئی	۲۷۱

تعارف

"داستان ایمان فروشوں کی" کا آخری حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہیجل بپا کر دیتی ہیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلمکاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشوونما کے لیے "حکایت" میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم چار حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ آخری حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات نہیں ملیں گے جو آپ

کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی مگر ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اُس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغرسانوں تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، دلولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کُشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں "داستان ایمان فروشوں کی" کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

یکم مارچ ۱۹۷۹ء

سانپ اور صلیبی لڑکی

خادمہ نے رضیع خاتون کو محل کی اندرونی دنیا کے اسرار بتا کر اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ وہ اُن خوابوں سے بیدار ہوگئی جو دیکھ کر اُس نے والیٔ حلب عزالدین کے ساتھ شادی کرلی تھی۔ رضیع خاتون عظیم عورت تھی۔ اسلام کی تاریخ ساز مجاہدہ تھی۔ اپنے مرحوم خاوند نورالدین زنگی اور پاسبانِ اسلام صلاح الدین ایوبی کی طرح رضیع خاتون بھی جیسے صلیبیوں کے خلاف لڑنے اور سلطنتِ اسلامیہ کے اتحاد اور وسعت کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ اگر خادمہ نے اُسے جو راز بتایا وہ حقیقت تھا تو اس عظیم مجاہدہ کی کمند ٹوٹ چکی تھی اور اُس کی تلوار کُند کرکے اسے قیدی بنالیا گیا تھا۔ اس کی نوجوان بیٹی شمس النسار اسی محل میں تھی جس کے ساتھ ابھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

یہاں ہم آپ کو یاد دلادیں کہ شمس النسار کی عمر اپنے باپ نورالدین زنگی کی وفات کے وقت آٹھ نو سال تھی۔ اُس کا بڑا (اور واحد) بھائی الملک الصالح گیارہ سال کا تھا جسے زنگی کی وفات کے بعد مفاد پرست امراء اور فوجی حکام نے سلطان بنادیا تھا۔ اسے وہ کٹھ پتلی بنانا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی اس تباہ کُن صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے مصر سے آیا۔ یہ ایک قسم کی فوج کشی تھی۔ زنگی کی بیوہ رضیع خاتون کی کوششوں سے دمشق پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہوگیا۔ الملک الصالح اپنی فوج کی بہت سی نفری کے ساتھ بھاگ کر حلب چلا گیا۔ اپنی بہن شمس النسار کو بھی ساتھ لے گیا۔ اُن کی ماں دمشق میں رہی اور صلیبیوں کے خلاف جہاد میں مصروف۔ شمس النسار پندرہ سولہ برس کی ہوئی تو اُس کا بھائی بیمار ہوکر نزع کے عالم کو جا پہنچا۔ اُس نے ماں سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ شمس النسار دمشق اپنی ماں کے پاس گئی اور کہا کہ اُس کا اکلوتا بھائی اُسے ملنا چاہتا ہے۔ رضیع خاتون نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ اُس کے لیے وہ اُسی روز مرگیا تھا جس روز وہ سلطان بنا اور اُس نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ شمس النسار واپس چلی گئی ——— اس کا بھائی الملک الصالح مرچکا تھا۔

اب شمس النسار کی ماں رضیع خاتون اسی محل میں جہاں اس کا بیٹا مرا تھا اپنے بیٹے کے جانشین عزالدین کی بیوی بن کر آئی۔ اُسے اپنی بیٹی جو اسی محل میں ہی ہوسکتی تھی، ملنے نہ آئی۔ رضیع خاتون نے خادمہ سے پوچھا کہ اس کی بیٹی کہاں ہے اور کیا وہ اسے مل سکتی ہے؟

"وہ یہیں ہے"۔ خادمہ نے جواب دیا۔ "یہ آپ اپنے آقا سے پوچھ لیں کہ آپ شمس النسار سے

س سکتی ہیں یا نہیں۔ مگر اس پر بھی پابندی ہوئی تو میں چوری چھپے ملاقات کرا دوں گی۔"

"تم نے اپنے گروہ کے جس کمانڈر کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ میری ملاقات ہو سکتی ہے؟"— رضیع خاتون نے پوچھا۔

"کچھ دن گزر جانے دیں۔" خادمہ نے جواب دیا۔ "یہ پتہ چل جائے کہ آپ پر کیا کیا پابندی عائد ہوتی ہے۔ آنے والے حالات کے مطابق ہر ایک مشکل کا حل نکل آئے گا۔ آپ کی شادی اچانک ہوئی، اور اتنی جلدی ہوئی کہ ہم سب کو بعد میں خبر ہوئی ورنہ آپ کو پہلے ہی خبردار کر دیا جاتا کہ شادی کی اس پیش کش کو قبول نہ کریں۔"

"اور میں یہ کس طرح یقین کروں کہ تم میری ہمدرد ہو اور میرے ہی خلاف جاسوسی نہیں کر رہی؟"— رضیع خاتون نے پوچھا۔

خادمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ رضیع خاتون کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی— "اگر میں کوئی میر کبیر عورت ہوتی، کسی محل کی شہزادی ہوتی، کسی شہزادے کی بیوی ہوتی اور میری حیثیت آپ جتنی ہوتی تو آپ مجھ سے ایسا سوال کبھی نہ پوچھتیں۔ آپ ہر جھوٹ کو سچ مان کر دھوکے کا شکار ہو جاتیں، میری حیثیت ایسی ہے کہ میرا سچ بھی جھوٹ لگتا ہے۔ کیا آپ کو ابھی تجربہ نہیں ہوا کہ صداقت اور جذبہ صرف غریبوں کے دامن میں رہ گیا ہے؟ آپ کو آنے والے حالات بتائیں گے کہ آپ کو کس پر اعتبار کرنا چاہیے۔ یہ نہ بھولیں کہ آپ حلب کے بادشاہ پر جو آپ کا خاوند ہے۔ آپ مجھ پر اعتبار کرنے کا خطرہ مول لے لیں، اور دعا کریں، اللہ آپ کی اور ہماری مدد کرے۔"

خادمہ کمرے سے نکل گئی۔ رضیع خاتون اُلجھے اُلجھے خیالوں میں بھٹکتی رہ گئی۔ وہ کمرہ جس کی سجاوٹ اور جس کا سامان شاہانہ تھا اُسے جہنم کی طرح نظر آنے لگا۔

☆

دو تین روز رضیع خاتون کو عزالدین نظر نہ آیا۔ اُسے کمرے میں کھانا وغیرہ پہنچایا جاتا رہا۔ خادمائیں اس کی خدمت میں کھڑی رہیں۔ اس کے آرام اور دیگر ضروریات کا خیال اس طرح رکھا جاتا جیسے وہ کوئی ملکہ ہو مگر یہ شہنشاہی اُسے ذہنی اذیت دے رہی تھی۔ وہ ایک سلطان کی بیوہ تھی۔ اس کی زندگی میں بھی اُس نے اپنے آپ کو کبھی ملکہ یا شہزادی نہیں سمجھا تھا۔ اُس کی صرف یہ خواہش تھی کہ مردوں کے دوش بدوش میدانِ جنگ میں جائے، صحراؤں میں لڑے اور اُسے شہیدوں میں سے اٹھایا جائے۔

ایک روز عزالدین اس کے کمرے میں آگیا اور معذوریت کی بنا پر اتنے دن نہ آسکنے کی معذرت کی۔

"میں نے آپ کی غیر حاضری کی شکایت تو نہیں کی؟" رضیع خاتون نے کہا— "میں دلہن بن کے نہیں آئی۔ میرے دل میں ایسی بھی کوئی خواہش نہیں کہ آپ ہر وقت میرے ساتھ رہیں یا ہر رات میرے ساتھ گزاریں۔ میری آدھی سے زیادہ ازدواجی زندگی تنہائی میں گزری ہے۔ نورالدین زنگی مرحوم محاذ پر رہتے تھے اور میں اُن کے نہیں اُن کی لاش کے انتظار میں رہتی تھی۔ محاذ پر نہ ہوں تو سلطنت کے کاموں اور فوج کی تربیت میں مصروف رہتے تھے لیکن وہاں میں بھی معروف رہتی تھی۔ سلطنت کے بعض کاموں کی نگرانی اور شہیدوں کے گھروں کی دیکھ بھال میرے سپرد تھی۔ میں جوان لڑکیوں کو فوجیوں کی مرہم پٹی، تیغ زنی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی تربیت دیتی تھی۔ وہاں میں ایک کمرے میں قید نہیں تھی جس طرح یہاں بند کر دی گئی ہوں۔ یہ قید مجھے پسند نہیں۔"

"میں یہ نہیں کہتا کہ نورالدین زنگی مرحوم نے سلطنت کے کئی کام اپنی بیوی کے سپرد کر کے اچھا نہیں کیا تھا۔" عزالدین نے کہا— "لیکن میں کسی سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ حلب کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں ایک عورت کا ہاتھ ہے۔ تم میری بیوی ہو۔ میں تم پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا جس کا تعلق ازدواجی زندگی سے نہیں۔"

چونکہ رضیع خاتون کو عزالدین کی نیت کا پتہ خادمہ سے چل چکا تھا اس لیے اس نے اپنے سے دوسرے خاوند کی ایسی باتوں سے اپنے آپ کو اس خود فریبی میں مبتلا نہ کیا کہ وہ پیار کرنے آیا ہے۔ وہ ایک ہی بار، آج ہی، اُس کی نیت کو بے نقاب کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھی۔ وہ کم عمر لڑکی نہیں پختہ کار عورت تھی۔

"مگر جس طرح مجھے اس کمرے میں قید کر دیا گیا ہے یہ مجھے پسند نہیں۔" رضیع خاتون نے کہا— "میں آپ کے حرم کی کوئی زر خرید لڑکی نہیں۔"

"رضیع خاتون!" عزالدین نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہا— "تمہیں وہ ازدواجی زندگی ضرور یاد آئے گی جو تم نے زنگی مرحوم کے ساتھ گزاری ہے۔ انہوں نے تمہیں جو آزادی دے رکھی تھی، وہ مجھے پسند نہیں اور یہ کسی بھی خاوند کو پسند نہیں آسکتی.... کیا تم باہر گھومنا پھرنا چاہتی ہو؟ چار گھوڑوں کی بگھی موجود ہے۔ جب چاہو باہر جا سکتی ہو۔"

"جب محل کے اندر گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں اُسے باہر جانے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟" رضیع خاتون نے پوچھا— "کیا واقعی آپ نے حکم دیا ہے کہ میں محل کے اندر کہیں نہیں جا سکتی؟"

"میں نے یہ حکم تمہاری سلامتی کے لیے دیا ہے۔" عزالدین نے جواب دیا— "تم جانتی ہو کہ حلب اور دمشق میں کیسی خونریز خانہ جنگی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی نے تمہارے بیٹے کو شکست دے کر اُسے ملامت کا معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا مگر یہاں کے لوگوں کے دلوں سے وہ دشمنی نکلی نہیں۔ محل کے اندر ایسے افراد موجود ہیں جو تمہیں اور سلطان ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ سلطان ایوبی کی فوج کے ہاتھوں اُن کے گھر تباہ ہوئے اور اُن کے جوان بیٹے مارے گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم سلطان ایوبی کی حامی ہو اور دمشق پر تم نے قبضہ کرایا تھا۔ اِن میں سے کوئی بھی تمہیں قتل یا اغوا کر سکتا ہے۔"

"وہ آپ کو بھی قتل کر سکتے ہیں کیونکہ آپ صلاح الدین ایوبی کے دوست اور اتحادی ہیں۔"— رضیع

خاتون نے کہا۔ "تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ اس قسم کے افراد کو جو اتحادِ اسلامی کے خلاف ہیں پکڑا جائے؟ کیا آپ کے پاس ایسے جاسوس اور مخبر نہیں ہیں جو تخریبی عناصر کا سراغ لگا کر انہیں پکڑوا سکیں؟"

"میں تمام انتظامات کر رہا ہوں۔" عزالدین نے ایسے لہجے میں کہا جو اکھڑا اکھڑا سا تھا جیسے اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ "میں تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔"

"کیا یہ خطرہ محل کے صرف اندر ہے؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔ "آپ نے مجھے چار گھوڑوں کی بگھی پر جہاں میں چاہوں باہر گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی ہے۔ کیا باہر مجھے کوئی قتل یا اغوا نہیں کر سکے گا؟" — عزالدین کچھ جواب دینے ہی لگا تھا۔ رضیع خاتون نے اسے بولنے نہ دیا اور کہا۔ "میں نے آپ کے ساتھ شادی صرف اس لیے کی ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم اپنا جو مقصد اُدھورا چھوڑ کر فوت ہو گئے ہیں، وہ آپ، سلطان صلاح الدین اور میں مل کر پورا کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اگر ابھی تک آپ کے زیرِ سایہ ایسے عناصر پرورش پا رہے ہیں جو ایک اور خانہ جنگی کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں تو ان کا خاتمہ کیا جائے اور قوم میں اتحاد پیدا کر کے صلیبیوں کو اس سرزمین سے بے دخل کیا جائے۔"

"کیا تمہیں یہ شک ہے کہ میں سلطان ایوبی کا اتحادی نہیں؟"

"کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں کہ اس محل پر صلیبیوں کے وہ اثرات جو میرے بیٹے نے پیدا کیے تھے ختم ہو گئے ہیں؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔ "کیا آپ کے تمام امراء اور سالار بغداد کی خلافت کے وفادار ہیں؟"

"تم یہاں سفیر بن کے آئی ہو یا میری بیوی؟" عزالدین نے قدرے طنز سے کہا۔

"میں جو ارادے لے کے آئی ہوں وہ بتا چکی ہوں۔" رضیع خاتون نے کہا۔ "میں اپنے بطن سے آپ کے بچے پیدا کرنے اور صرف بیوی بن کے اس کمرے میں بند رہنے کے لیے نہیں آئی۔ میں محل میں گھوم پھر کر یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ حلب صلیب کے سائے سے محفوظ ہے۔ اگر نہیں تو اس عظیم شہر کو محفوظ کرنا ہے۔ میں اپنے اس ارادے سے باز نہیں آ سکوں گی۔"

"میں تمہیں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میرے کسی کام میں دخل نہ دینا۔" — عزالدین نے کہا۔ "تم میری بیوی ہو اور یہی تمہاری حیثیت رہے گی۔ اگر تم آزاد ہونے کی کوشش کرو گی تو میں نے تمہیں بگھی پر باہر جانے کی جو اجازت دی ہے، وہ روک لوں گا۔"

"اگر میں یہ شرط قبول نہ کروں تو؟"

"تو اس کمرے میں قید رہو گی۔" عزالدین نے جواب دیا۔ "تم مجھ سے طلاق نہیں لے سکتی اور میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔" عزالدین باہر نکل گیا۔

☆

"آپ نے غلطی کی ہے۔" خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا۔ خادمہ پچھلے دروازے کے ساتھ کان لگائے

عزالدین اور رضیع خاتون کی باتیں سن رہی تھی۔ عزالدین نکل گیا تو خادمہ پچھلے دروازے سے اندر آ گئی۔ اس نے کہا۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ شخص آپ کو فی الواقع ایسی قید میں ڈال دے گا جو موت کی آزادی مگر قید سے بدتر ہو گی۔ اب آپ نے آقا کی نیت جان لی ہے۔ اب ان کے ساتھ اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔ ان کے سامنے خوش رہیں۔ بظاہر بے حس ہو جائیں۔ آپ جو ارادے لے کے آئی ہیں وہ ہم پورے کریں گے۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ آقا نے آپ کو کبھی کبھی باہر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ہم آپ کو اپنے نگران سے ملوائیں گے اور اگر اسحاق ترک آ گیا تو اس کی بھی ملاقات آپ سے کرائیں گے۔"

دروازہ آہستہ سے کھلا۔ دونوں نے دیکھا۔ رضیع خاتون کی بیٹی شمس النساء تھی۔ وہ دروازے میں رکی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی مگر آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ مسکراہٹ آنسوؤں میں بہہ گئی۔ ماں نے آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے لگا لیا اور دونوں کی ہچکیاں سنائی دینے لگیں۔ خادمہ باہر نکل گئی۔ کچھ دیر دونوں الملک الصالح کو یاد کر کے روتی رہیں۔

"تم اتنے دن کہاں رہی؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔

"چچا (عزالدین) نے آپ سے ملنے سے منع کر دیا تھا۔"

"وجہ پوچھی تھی اُن سے؟"

"انہوں نے گول گول اور مہمل سی وجہ بتائی تھی۔" شمس النساء نے جواب دیا۔ "ابھی ابھی انہوں نے کہا ہے کہ اپنی ماں کے پاس جاتی رہا کرو۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میں بہت مصروف ہوتا ہوں، تم اپنی ماں کے ساتھ زیادہ وقت گزارا کرو۔"

"انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اپنی ماں پر نظر رکھا کرو اور مجھے بتایا کرو کہ اس کے پاس کون آتا ہے اور کیا باتیں ہوتی ہیں؟"

"ہاں۔" شمس النساء نے معصومیت سے جواب دیا۔ "انہوں نے کچھ ایسی باتیں کی تو تھی جو میں سمجھ نہیں سکی۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ اچھا بتایا کروں گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہاری ماں ہندی، وہی اللہ جھگڑالو معلوم ہوتی ہے، اُسے یہ بتایا کرو کہ میں بہت مصروف اور پریشان رہتا ہوں۔"

"سنو بیٹی!" رضیع خاتون نے کہا۔ "اب یہ معصومیت اور بھولپن ترک کر دو۔ تم جوان ہو گئی ہو۔ میں نہیں کہوں گی کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔ مجاہدوں کی بیٹیوں کے ہاتھوں پر لہو کی مہندی لگا کرتی ہے۔ زندہ قوموں کی بیٹیوں کی ڈولی کم ہی اٹھا کرتی ہے۔ اُن کی لاشیں میدانِ جنگ سے اٹھائی جاتی ہیں۔ تمہاری بدنصیبی یہ ہے کہ تم اپنے بھائی اور اس کے مشیروں کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہو۔ یہ سب غدار ہیں۔ تمہارا بھائی بھی غدار تھا۔ تم نے اپنے بھائی کی فوج کو اپنے باپ کی فوج اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑتے دیکھا ہے۔ تمہارا بھائی، جسے میں اپنا بیٹا کہنے سے شرمندگی محسوس کرتی ہوں، صلیبیوں کا دوست تھا۔ ان صلیبیوں کا دوست جو تمہارے مذہب کے دشمن ہیں۔ تمہارا باپ ساری عمر اُن کے خلاف لڑتا رہا ہے۔"

"بھائی الصالح کہا کرتا تھا کہ صلیبی بڑے اچھے لوگ ہیں"۔ شمس النسار نے کہا۔ "وہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کیا کرتا تھا۔"

ماں نے شمس النسار کو بتایا کہ صلیبیوں کے عزائم کیا ہیں اور یہ بھی کہ ان کی دوستی میں بھی دشمنی ہے۔

رضیع خاتون بولتی جارہی تھی اور شمس النسار کی آنکھیں کھلتی جارہی تھیں۔ ماں کا ایک ایک لفظ بیٹی کے دل میں اترتا جارہا تھا۔ اس میں ماں کا سحر بھی شامل تھا جس سے بیٹی مسحور ہوتی جارہی تھی۔

"مسلمان کا کوئی دوست نہیں"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "دنیا کی ہر وہ قوم جو رسولِ خدا کا کلمہ نہیں پڑھتی مسلمانوں کی دشمن ہے اور ان کی دشمنی کی سب سے زیادہ خطرناک صورت ان کی دوستی ہے۔ صلیبیوں نے حلب موصل اور حران کے امراء سے دوستی کرکے ہماری قوم کو دو دھڑوں میں کاٹ دیا۔ تمہارا بھائی اُن کے ہاتھوں کھیلتا رہا۔ خدا اور اس کے رسول صلعم کا حکم یہ ہے کہ اُمت کا دھڑوں میں تقسیم ہونا گناہ ہے کیونکہ یہ تقسیم دھڑوں کو آپس میں لڑاتی ہے۔ قرآن کا حکم بالکل واضح ہے کہ کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہو۔ مگر کفار نے عیاشی کا سامان مہیا کرکے اس دیوار میں شگاف ڈال دیئے تھے۔ شیطان کی باتوں میں جادو کا اثر ہوتا ہے، عورت، شراب، زر و جواہرات اور بادشاہی کے خواب انسان کو گہری نیند سلائے رکھتے ہیں۔ شیطان کا یہ کام صلیبیوں نے کیا۔"

"میں نے یہ سب اپنی آنکھوں اس محل میں دیکھا ہے"۔ شمس النسار نے کہا۔ "میں اُس وقت چھوٹی تھی، کچھ سمجھ نہیں سکی۔ مجھے جب بھائی الصالح نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس اعزاز کا قلعہ مانگنے کے لیے بھیجا تھا تو میں ہنستی کھیلتی یہاں کے سالاروں کے ساتھ سلطان کے پاس گئی تھی۔ مجھے کسی نے نہیں بتایا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ خانہ جنگی تھی جو صلیبیوں کی کارستانی تھی۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا ماں! مجھے بتاؤ، مجھے بتاؤ۔"

"ہاں بیٹی!... غور سے سنو"۔ رضیع خاتون کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "اس محل میں ابھی تک شیطان کی حکمرانی ہے۔ عزالدین نے میرے ساتھ شادی کرکے مجھے اپنی بیوی نہیں اپنا قیدی بنایا ہے۔ میں نے یہ شادی صرف اس لیے قبول کی تھی کہ خانہ جنگی کے امکانات کو ختم کرکے قوم میں استحاد پیدا ہو اور صلیبیوں کے خلاف محاذ آرائی کی جاسکے مگر میں نے زندگی میں پہلی بار دھوکہ کھایا ہے اور یہ کوئی معمولی سا دھوکہ نہیں۔ میں اسی صورتِ حال میں اپنے عزم کی تکمیل کروں گی۔ اس کے لیے مجھے تمہارے ساتھ اور تعاون کی ضرورت ہوگی۔"

"مجھے بتائیں"۔ شمس النسار نے کہا۔ "آپ پہلی بار دھوکے میں آئی ہیں اور میں پہلی بار اصل صورتِ حال سے آگاہ ہوئی ہوں۔ یہ بتادیں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"جاسوسی"۔ رضیع خاتون نے کہا اور اسے تفصیل سے ہدایات دینے لگی۔

شمس النسار جب اس کمرے سے نکلی اُس کی ذات اور اُس کے خیالات میں انقلاب آچکا تھا۔ وہ اس

کمرے میں داخل ہوئی تھی تو بے پروا اور کھلنڈری سی لڑکی تھی۔ جب کمرے سے نکلی تو اللہ کی راہ میں قربان ہونے والی مجاہدہ تھی۔

☆

"آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میری ماں جھگڑالو اور وہمی ہے؟"۔ شمس النسار نے عزالدین سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ اُن کی زندگی کیسی گزری ہے۔ وہ آپ کو بھی میرے باپ نورالدین زنگی مرحوم جیسا نامور جنگجو اور مجاہد اسلام بنانا چاہتی ہیں۔"

"وہ میرے کاموں میں دخل دینا چاہتی ہے"۔ عزالدین نے کہا۔ "اُسے یہ وہم ہے کہ میں صلیبیوں کا دوست ہوں۔"

"میں نے انہیں روک دیا ہے"۔ شمس النسار نے کہا۔ "اور اُن کا یہ وہم بھی دور کردیا ہے کہ آپ صلیبیوں کے دوست ہیں۔ انہیں غلط نہ سمجھیں۔ ان پر غیر ضروری پابندیاں عائد نہ کریں۔"

"میں نے کوئی پابندی عائد نہیں کی"۔ عزالدین نے کہا۔ "مجھی ہر وقت موجود ہے۔ اپنی ماں کو جب چاہو سیر کرانے لے جایا کرو۔"

ان کے درمیان اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ عزالدین نے شمس النسار کی باتوں کو سچ مان لیا۔ یہ باتیں عزالدین کے دفتر میں ہو رہی تھیں۔ شمس النسار وہاں سے نکلی تو باہر عامر بن عثمان کھڑا تھا۔ اُس کی عمر ابھی تیس برس نہیں ہوئی تھی۔ وجیہہ اور بڑا ہی پُرکشش جوان تھا۔ تیراندازی اور تیغ زنی میں اس کا مقابلہ کوئی کم ہی کرسکتا تھا۔ دماغ کا بھی تیز تھا۔ وہ الملک الصالح کے خصوصی محافظ دستے کا کماندار تھا۔ اسی عمر میں اسے جسمانی اور ذہنی چستی کی بدولت اتنا بڑا عہدہ اور اتنی نازک ذمہ داری دے دی گئی تھی۔ اس کی رہائش محل کے اندر ہی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے سے وہ شمس النسار میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ شمس النسار کو پہلے ہی وہ اچھا لگتا تھا۔ اس لڑکی میں کھلنڈرا پن سا تھا۔ اُسے باپ کی عظمت اور عزم سے کسی نے کبھی آگاہ نہیں کیا تھا۔ اُسے محل میں بے ضرر فرد سمجھا جاتا تھا۔ اس کا بھائی مرگیا تو عزالدین نے بھی اُسے بھولی بھالی اور کھلنڈری لڑکی سمجھ کر آزادی دیئے رکھی۔ اسی لیے وہ عامر بن عثمان سے ملتی ملاتی رہی۔

اب وہ جوان ہوگئی تھی۔ عمر سولہ برس تھی۔ اُس دور میں لڑکیاں قد کاٹھ کے لحاظ سے عمر سے زیادہ جوان لگتیں اور بعض اسی عمر میں ایک دو بچوں کی مائیں بن جایا کرتی تھیں۔ شمس النسار تو حکمران خاندان کی شہزادی تھی۔ اپنے قدرتی حُسن سے کچھ زیادہ ہی حسین لگتی تھی۔ عامر بن عثمان میں اُس کی جو دلچسپی تھی اس کا رنگ بدل چکا تھا۔ کبھی وہ اُسے چھیڑ کر بھاگ جایا کرتی تھی مگر اب اُسے دیکھ کر شرما جاتی اور اُسے چوری چھپے دیکھا کرتی تھی۔ یہ پاک محبت تھی جس کی شدت نے انہیں روح کی گہرائیوں تک ایک دوسرے کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے شادی کے عہد و پیمان کر رکھے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ عامر بن عثمان شمس النسار کے خاندان کا ادنیٰ ملازم تھا۔ وہ اس لڑکی کے رشتے کی توقع رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی اُس نے گھر والوں کا نئے کیا ہوا رشتہ قبول کرنے

سے انکار کردیا تھا۔

شمس النسار عزالدین کے دفتر سے نکلی تو عامر باہر کھڑا تھا۔ شمس النسار اسے دیکھ کر مسکرائی اور اشارہ کرکے چلی گئی۔ عامر اس اشارے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے سر ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ ضرور آؤں گا۔

☆

جگہ پودوں اور درختوں میں دھکی چھپی تھی۔ اوپر رات کی تاریکی نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ عامر بن عثمان اور شمس النسار محل کی رونق اور ہماہمی سے بے نیاز اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پُرشباب جذبات پر والہانہ محبت کا نشہ طاری تھا۔

"میں آج اپنی ماں سے ملی ہوں۔" شمس النسار نے بتایا۔ "اور اب اُنہی کے ساتھ رہا کروں گی۔"

"تمہاری ماں بھی شاہی خاندان کی خاتون ہیں۔" عامر نے کہا۔ "وہ تمہیں کسی شہزادے کے ساتھ ہی بیاہنا پسند کریں گی۔"

"نہیں!" شمس النسار نے کہا۔ "وہ شاہی خاندان کی ضرور ہیں لیکن اُس خیمے میں رہنا پسند کرتی ہیں جو محاذ کے بالکل قریب ہو۔ وہ مجھے بھی سپاہی بنانا چاہتی ہیں۔"

"کیا یہ اُمید رکھی جاسکتی ہے کہ تم ان سے میرے متعلق بات کرو اور وہ مان جائیں؟" عامر نے پوچھا۔

"اگر میں نے اُن کی وہ اُمیدیں پوری کردیں جو انہوں نے میرے ساتھ وابستہ کردی ہیں تو میں اُن سے اپنی ہر خواہش منوا سکتی ہوں۔" شمس النسار نے جواب دیا۔ "تمہیں بھی اُن کی امید پوری کرنی ہوگی۔"

"انہوں نے میرا نام لیا تھا؟"

"نہیں۔" شمس النسار نے جواب دیا۔ "انہوں نے مجھے اپنا مقصد بتایا ہے جس کی تکمیل کے لیے انہیں میرے تعاون کی ضرورت ہے اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں یہ مقصد اور اپنے فرائض بتاؤں میں تم سے حلف لینا چاہتی ہوں کہ تم مدد کرو یا نہ کرو، اس مقصد کو اور میری سرگرمیوں کو راز میں رکھو گے۔"

"اور اگر میں حلف نہ دوں تو؟" عامر نے ہنستے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

شمس النسار پرے ہٹ گئی۔ عامر پر سنجیدگی طاری ہوگئی۔ شمس النسار نے کہا۔ "میں نے پہلے بھی وعدہ کیا ہے اور آج بھی قسم کھوگے کھا کر اپنا وعدہ دہراؤں گی کہ میری شادی ہوگی تو تمہارے ساتھ ہوگی لیکن اس سے پہلے ہمیں وہ کام کرنا ہوگا جو ماں نے مجھے بتایا ہے۔"

عامر بن عثمان کو حیرت اس پر ہوئی کہ شمس النسار کو اس نے ایسی سنجیدگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ چونکا اور بولا۔ "کیا تمہارے دل میں میری اتنی سی محبت رہ گئی ہے کہ تم مجھ سے حلف لینا ضروری سمجھتی ہو؟"

"کام کچھ ایسا ہی ہے کہ حلف ضروری ہے۔" شمس النسار نے جواب دیا۔ "میں تو اپنی ماں کا حکم مانتے ہوئے جان بھی دے دوں گی۔ تم شاید ساتھ نہ دے سکو۔"

"میں تمہاری محبت کی خاطر جان دے دوں گا۔"

"نہیں۔" شمس النسار نے کہا۔ "محبت کی خاطر نہیں، اسلام کی عظمت کی خاطر۔ اس اسلام کی خاطر نہیں جو اس محل کے اندر ہم دیکھ رہے ہیں۔ میں اُس اسلام کی بات کررہی ہوں جس کی خاطر میرے والد نے اپنا سب کچھ لٹاتے عمر گزاری ہے اور جس کی خاطر صلاح الدین ایوبی لڑ رہا ہے۔"

"میں قرآن کے نام پر حلف دیتا ہوں کہ مجھے جو فرض سونپا جائے گا جان کی بازی لگا کر پورا کروں گا۔" عامر بن عثمان نے شمس النسار کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "اگر میں نے اس حلف کی خلاف ورزی کی تو مجھے یہاں سے مار دیا جائے اور میری لاش کتوں اور گیدڑوں کے آگے پھینک دی جائے.... اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"جاسوسی۔" شمس النسار نے کہا۔ "سلطان صلاح الدین ایوبی مصر میں ہیں۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے میرے بھائی الملک الصالح کے ساتھ جو دوستی اور آئندہ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا تھا وہ اس کی وفات کے بعد بھی قائم ہے، مگر تم زیادہ اچھی طرح جانتے ہو کہ معاہدے کے باوجود حلب کی امارت صلیبیوں کے اثرات سے پاک نہیں رہی۔ عزالدین کو سلطان صلاح الدین ایوبی اپنا دوست سمجھتا ہے لیکن میری ماں کسی اور خطرے کا اظہار کررہی ہے۔"

"آقا اور تمہاری والدہ کی شادی کے بعد کوئی خطرہ نہیں رہنا چاہیے۔" عامر نے کہا۔

"اصل خطرہ شادی سے ہی شروع ہوا ہے۔" شمس النسار نے کہا۔ "یہ شادی دراصل فریب ہے جس میں میری ماں کو ڈال دیا گیا ہے۔ عزالدین نے یہ شادی اس مقصد کے لیے کی ہے کہ دشمن والوں کو کوئی صحیح راہ دکھانے والا نہ رہے.... یہیں اس محل کے ڈھکے چھپے بھید معلوم کرکے قاہرہ تک پہنچانے ہیں۔ یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ صلیبیوں کی نیت اور ارادے کیا ہیں۔ کیا وہ ایک بار پھر ہماری افواج کو کنعان جنگی میں مروانا چاہتے ہیں یا وہ کوئی اور جنگی اقدام کریں گے۔ تم ایسی جگہ پر ہو جہاں تمہیں بہت کچھ نظر آسکتا ہے۔ تم عزالدین کے خصوصی محافظ دستے کے کمانڈر ہو۔"

"میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں۔" عامر بن عثمان نے کہا۔ "تم نے ٹھیک کہا ہے کہ میں ایسی جگہ پر ہوں جہاں مجھے بہت کچھ نظر آتا ہے۔ شمسی! میں جو دیکھتا رہا ہوں اور جو دیکھ رہا ہوں اس پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں مرد محاذ سے لازم بن گیا تھا۔ جب سپاہی محاذ سے لازم بن جاتا ہے تو یہی کچھ ہوتا ہے جو اس محل میں ہو رہا ہے۔ سپاہی کو اپنی ملازمت سے غرض ہوتی ہے۔ وہ دشمن کا خون بہانے کی بجائے خوشامدی بن جاتا ہے تاکہ اوپر والے اس پر خوش رہیں۔ انعام و اکرام ملتا رہے اور ترقی ملے۔ خون اور خوشامد میں اتنا ہی فرق ہے جتنا فتح اور شکست میں۔ مجھے کسی نے کبھی نہیں بتایا کہ سپاہی کا فرض صرف باہر کے حملے کو روکنا نہیں بلکہ اندر کے خطروں کے خلاف لڑنا بھی ہے۔ سپاہی کا فرض یہ بھی ہے کہ اگر ملک اور قوم کو اپنے ہی حکمران کی طرف سے خطرہ ہو تو اس کا سینہ تیروں سے چھلنی کرکے اسے قلعے سے باہر پھینک دے.... تم نے مجھے فرض یاد دلا دیا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کسی کو قتل کرنا ہے یا صرف اندر کے راز ہی معلوم کرنے ہیں؟"

"دونوں کام کرنے ہیں۔" شمس النسار نے جواب دیا۔ "راز معلوم کرنے کے لیے کسی غدار کو قتل کرنا پڑے

یک کشتی آندی گئی جس میں دو گھوڑے اور دو قاصد تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ ساحل پر کس جگہ اتریں، اور وہاں سے کس سمت جائیں۔ انہیں بتا دیا گیا کہ وہ سلطان ایوبی کو کیا خبر دیں گے۔

☆

یہ بادبانی کشتی تھی۔ ہوا کا رخ موافق تھا۔ بیروت سے دور جنوب کی طرف ساحل سے جا لگی۔ وہاں چٹانیں تھیں۔ قاصد اپنے گھوڑے لے کر ان پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ کشتی وہیں چٹانوں میں چھپا دی گئی۔

قاصد رات کو پہنچے مگر سلطان ایوبی فرنگیوں کے پھندے میں آ چکا تھا۔ اس نے بیروت کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ خشکی کی تمام اطراف اس نے فوج کو پھیلا دیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے محفوظہ کے ایک حصے کو جوابی حملے کے لیے استعمال کیا مگر فرنگیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ اگلے روز محاصرے کے ایک اور حصے پر حملہ ہوا۔ سلطان ایوبی نے اس کے خلاف بھی محفوظہ کو بھیجا۔ تب سلطان نے محسوس کیا کہ وہ محفوظہ کو استعمال کیے بغیر جنگ جیت سکتا تھا مگر یہاں اس کے محفوظہ کی آدھی قوت ابتدا میں ہی لڑائی میں جھونکی گئی تھی۔ وہ محاصرے کو کمزور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے کچھ شک ہونے لگا۔

اس کا دیکھ بھال (ریکی) اور چھاپہ ماروں کا انتظام نہایت اچھا تھا۔ اسے اطلاعیں ملنے لگیں کہ عقب میں بروت دشمن موجود ہے۔ ایک چھاپہ مار جیش میں سے صرف ایک سپاہی خون میں ڈوبا ہوا بچ کر آیا۔ وہ صرف یہ بتا کر شہید ہو گیا کہ اس کا پورا جیش فرنگیوں کے پورے دستے کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ کوئی بھی زندہ نہیں رہا، صرف یہ کہ ہراول فرنگیوں کی بہت بڑی فوج کے محاصرے میں ہے۔

اس کے فوراً بعد سمندری قاصد پہنچ گئے۔ انہوں نے سمندر کی خبر سنائی اور حسام الدین کے لیے حکم واپس کیا۔

"صلیبیوں کو میں نے اس طرح تیاری کی حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔" سلطان ایوبی نے اپنی ہائی کمان کے سالاروں وغیرہ سے کہا۔ "صاف پتہ چل رہا ہے کہ انہیں قبل از وقت پتہ چل گیا ہے کہ ہم بیروت کے محاصرے کے لیے جا رہے ہیں۔ ہم خود محاصرے میں آ گئے ہیں۔ اپنے مستقر سے اتنی دور آ کر میں ہاری ہوئی جنگ نہیں لڑ سکتا۔" اس نے حسام الدین کے قاصدوں سے کہا۔ "حسام الدین سے کہو کہ بیڑہ واپس لے جائے اور اس میں جو فوج ہے وہ بیکندیہ تک کر دمشق روانہ ہو جائے۔"

قاصد چلے گئے تو سلطان ایوبی نے موصل کی طرف پسپائی کی ہدایت دینی شروع کر دی، لیکن پسپائی آسان نہیں تھی۔ اس کے لیے بھی چھاپہ ماروں کو استعمال کیا گیا۔ راتوں کو دستے آہستہ آہستہ پیچھے اور نکالے گئے۔ کچھ جھڑپیں ہوئیں جن میں چھاپہ ماروں اور جانی دستے (ریئر گارڈ) نے جان اور خون کی قربانیاں دے کر فوج کو وہاں سے نکال لیا۔ فرنگیوں نے تعاقب نہ کیا۔

موصل کے راستے میں سلطان ایوبی کو موصل سے آیا ہوا ایک جاسوس ملا جس نے اسے اسحاق ترک کی بغاوت اور موصل کے والی عزالدین کے خلاف بغاوت کی اطلاع دی۔ سلطان غصے سے لال ہو گیا۔ اس نے حکم

دے دیا کہ موصل کو محاصرے میں لے لیا جائے۔

شامی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے "سلطان صلاح الدین ایوبی بغیر جنگ کیے گیارہ رجب ۵۷۰ ہجری (۱۰ نومبر ۱۱۷۴ء) موصل کے قریب پہنچا۔ میں اس وقت موصل میں تھا۔ عزالدین نے مجھے کہا کہ میں خلیفہ کی مدد حاصل کرنے بغداد جاؤں۔ میں دجلہ کے ساتھ ساتھ اتنی تیز رفتاری سے گیا کہ دو دنوں میں ۷۰۰ میل کا فاصلہ طے کر کے بغداد پہنچ گیا۔ خلیفہ نے مجھے کہا کہ وہ شیخ العلماء سے کہیں گے کہ موصل والوں اور سلطان ایوبی کے درمیان صلح صفائی کرا دیں۔ موصل کے والی نے آذربائیجان کے حکمران کو مدد کے لیے کہہ دیا تھا مگر اس حکمران نے جو شرائط پیش کیں ان سے بہتر یہ تھا کہ عزالدین سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دے۔"

صلح صفائی کی بات چیت ہونے لگی۔ ۱۶ شعبان ۵۷۰ ہجری (۱۵ دسمبر ۱۱۷۴ء) کے روز سلطان ایوبی نے موصل کا محاصرہ اٹھا لیا اور نصیبین کے مقام پر فوج کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔

"بیروت کا محاصرہ صلیبیوں نے نہیں میرے ایمان فروش بھائیوں نے ناکام کیا ہے۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "میں آپس کے خون خرابے سے بچنا چاہتا تھا مگر یہ ممکن نظر نہیں آتا۔"

☆

سُنّت، سارہ اور صلیب

بیروت کے محاصرے کی ناکامی سلطان صلاح الدین ایوبی کی دوسری شکست تھی۔ اس ناکامی میں اُس نے کھویا کچھ بھی نہیں تھا مگر پایا بھی کچھ نہیں تھا اس لیے وہ اسے اپنی شکست سمجھتا تھا۔ اگر سلطان ایوبی کی نہیں تو یہ اُس کی انٹیلی جنس کی شکست ضرور تھی۔ بیروت والوں کو قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ سلطان ایوبی بیروت کو محاصرے میں لینے آرہا ہے۔ صلیبیوں کو یہ خبر قاہرہ سے ہی ملی ہوگی، حالانکہ سلطان نے اپنی باغی کمانڈ کے سالاروں کے سوا کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا تھا کہ اُس کا ہدف کیا ہے۔

"آپ اسے شکست نہ کہیں۔" ایک سالار نے سلطان ایوبی کو مایوسی کے عالم میں دیکھ کر کہا۔ "بیروت وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔ وہیں رہے گا۔ ہم اس شہر پر ایک اور حملہ کریں گے۔"

"اتنا بڑا شکار میرے ہاتھ سے نکل گیا۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ "میں اسے محاصرے میں لینے اور اس پر قابض ہونے آیا تھا لیکن میں خود محاصرے میں آگیا اور مجھے محاصرہ اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ یہ شکست نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ شکست ہے۔ میرے مشیروں اور سالاروں میں بھی ایمان فروش موجود ہیں۔"

خیمے میں سناٹا طاری ہوگیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ بہت دن گزر گئے تھے۔ اُس کی فوج بہت تھکی ہوئی تھی۔ بہت سی نفری زخمی بھی تھی۔ اُس نے قاہرہ سے بیروت تک بہت تیز پیش قدمی کرائی تھی۔ مہینوں کا فاصلہ دنوں میں طے کیا تھا۔ فاصلہ طے کرنے کے فوراً بعد فوج کو صلیبیوں کے محاصرے سے نکلنے کے لیے خونریز لڑائی لڑنی پڑی، پھر تیز رفتار پسپائی ہوئی۔ سلطان ایوبی نے فوج کو مکمل آرام دینے کے لیے نصیبہ کے مقام پر پڑاؤ کیا.... آرام فوج کے لیے تھا، سلطان ایوبی کی تو نیند بھی اُڑ گئی تھی۔ دن کو وہ بے چینی سے خیمے میں ٹہلتا یا باہر نکل کر ادھر اُدھر گھومتا رہتا تھا۔ اپنے سالاروں کے ساتھ بھی کم ہی بولتا تھا۔ اسی کیفیت میں اسے ایک سالار نے کہا کہ اسے شکست نہ کہیں سلطان ایوبی کا جواب سُن کر سالار خاموش ہوگیا۔ سلطان ایوبی اپنے خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ وہاں ایک سالار اور بھی تھا۔ بہت دیر تک دونوں سالار خاموش رہے۔ سلطان ایوبی کے مزاج میں جیسے غصہ تھا ہی نہیں، پھر بھی سالار اس کے ساتھ بات کرتے ڈرتے تھے۔

"تم دونوں کیا سوچ رہے ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ آپ اسی طرح مایوسی اور غصے کی حالت میں رہے تو آپ کے فیصلے مزید نقصان

کا باعث بنیں گے۔" ایک سالار نے کہا۔ "میں نے آپ کو اس حالت میں رملہ کی شکست کے وقت بھی نہیں دیکھا تھا۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کریں اور اس جذباتی کیفیت سے نکلنے کی کوشش کریں۔"

"اور میں سوچ رہا ہوں کہ کفار ہماری جڑوں میں اتر گئے ہیں۔" دوسرے سالار نے کہا۔ "ہم اس وقت اپنی سرزمین پر کھڑے ہیں۔ ہماری جنگ صلیبیوں سے ہے اور ہمارا مقصد فلسطین کی آزادی ہے مگر مسلمان امراء میں سے کوئی ایک بھی امیر ہمارے پاس نہیں آیا۔ عزالدین اور عمادالدین کہاں ہیں؟ کیا انہوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ نہیں کیا تھا کہ ضرورت کے وقت ہمیں اپنی فوج دیں گے؟ ان کا یہ سرد رویہ بتاتا ہے کہ وہ ابھی تک صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ تو کیا ہم آپس میں لڑتے رہیں گے؟"

سلطان ایوبی خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ رک گیا۔ آسمان کی طرف دیکھ کر اس نے آہ بھری اور کہا۔ "میرے رسولؐ کی اُمت کا زوال شروع ہو گیا ہے۔ جب غیر مذہب کے اثرات قبول کیے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جو ہم دیکھ اور بھگت رہے ہیں۔ صلیبی اور یہودی مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے کے لیے انسانی فطرت کی سب سے بڑی کمزوری کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کمزوری لالچ ہے۔ انسانوں پر حکومت کرنے کا لالچ، بادشاہ اور شہزادہ بننے کا لالچ اور یہ لالچ کہ میں روئی جیسے ملائم قالینوں پر چلوں اور لوگ ننگے پاؤں گرم ریت پر چلیں۔ اُن کے پاؤں جلیں تو میرے آگے سجدے کریں۔ جب یہ لالچ دل میں اتر جاتا ہے تو دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔ عقل پر ایسا پردہ پڑتا ہے کہ قومی غیرت اور خودداری بے معنی سے جذبے بن جاتے ہیں۔ جب کوئی انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ غداری کو قابلِ فخر اقدام سمجھتا ہے۔ صلیبیوں نے ہمارے بیشتر امراء کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے۔ انہوں نے اپنی تہذیب کی بے حیائی مسلمانوں میں بھی پھیلا دی ہے۔ جب تہذیب بدل جاتی ہے تو مذہب ایک کمزور سا خول بن کے رہ جاتا ہے جو اُتار کر پھینکا بھی جا سکتا ہے اور قوم کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے اوپر چڑھایا بھی جا سکتا ہے۔"

دونو سالار خاموشی سے سُن رہے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ٹھہری ٹھہری آواز میں بول رہا تھا۔ وہ چپ ہو گیا، پھر گہرا سانس لے کر بولا۔ "تم محسوس نہیں کر رہے کہ یہ بھی میری شکست ہے کہ میں جو عمل کے میدان کا مرد ہوں خیمے میں کھڑا عورتوں کی طرح باتیں کر رہا ہوں۔ ہمیں اس وقت بیت المقدس میں ہونا چاہیئے تھا۔ میری پیشانی مسجدِ اقصیٰ میں سجدے کرنے کو تڑپ رہی ہے۔ مجھے اُن شہیدوں کے خون کا خراج ادا کرنا ہے جو فلسطین کی آبرو اور آزادی پر قربان ہو گئے ہیں۔" سلطان ایوبی کی آواز میں یکلخت تھراہٹ آ گئی۔ اُس نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر سالاروں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ "کیا تم اُن بچوں کا سامنا کر سکتے ہو جنہیں میرے حکم اور میرے عزم نے یتیم کیا ہے؟ کیا تم اُن عورتوں کے سامنے جا کر اپنا سر اونچا کر سکتے ہو جن کے خاوند نعرے لگاتے ہمارے ساتھ گئے اور اُن کے بے جان جسم گھوڑوں کے سُموں سے قیمہ ہو گئے؟ تم اُن خوبرو اور جوان چچا پھپھیوں کو کیسے بھول سکتے ہو جو ہم سے بہت دُور دشمن کے علاقوں میں دُور اندر جا کر شہید ہوئے؟ ... میں اُن میں سے کسی کی ماں کے سامنے جانے سے ڈرتا ہوں۔ ڈرتا اس لیے ہوں کہ اُس نے یہ کہہ دیا کہ میرا بیٹا واپس کرو

یا مجھے قبلۂ اوّل لے چلو جہاں میں اپنے بیٹے کی شہادت پر شکرانے کے نفل پڑھوں تو میں اس ماں کو کیا جواب دوں گا؟

"شہیدوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا محترم سلطان!" یہ چچا پھپھو بزرگوں کے سالار مہتمم مدنی کی آواز تھی جو سلطان ایوبی کے خیمے کے دروازے میں آن کھڑا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کی اُدھر پیٹھ تھی۔

"کسی شہید کی ماں اپنے بیٹے کے خون کا حساب نہیں مانگے گی۔ رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والی ماؤں کا دودھ آبِ زمزم جیسا پاک اور مقدس ہے۔ اُس دودھ کے پلے ہوئے بیٹے آپ کے حکم سے نہیں اللہ کے حکم سے لڑا کرتے ہیں۔ آپ اُن کے خون کا خراج اپنے ذمے نہ لیں۔ غداروں کے خون کی بات کریں۔ ہماری تلواریں غداروں کے خون کی پیاسی ہیں۔"

"تم نے میرے حوصلے میں جان ڈال دی ہے مہتمم!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میرے یہ دونوں رفیق بھی مجھے یہی کہہ رہے تھے کہ مایوس اور جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"ضرورت ہے بھی کیا!" مہتمم مدنی نے کہا۔ "شکست شکست ہے، مردانگی نہیں۔ ہم اسے فتح میں بدل سکتے ہیں اور بدل کر دکھائیں گے۔"

"اگر بات میدانِ جنگ کی ہوتی تو میں ایک بازو کٹوا کر بھی مایوس اور پریشان نہ ہوتا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مشکل یہ پیدا ہو گئی ہے کہ دشمن زمین کے نیچے چلا گیا ہے۔ صلیبی اور یہودی ہماری قوم میں ایسے زہریلے اثرات چھوڑ رہے ہیں جو پُرکشش اور طلسماتی ہیں۔ قوم اور فوج کے متعلق مجھے اطمینان ہے۔ سپاہی اور عام آدمی ان اثرات کو قبول نہیں کرتا۔ انہیں وہ چند ایک افراد قبول کرتے ہیں اور کر چکے ہیں جن کا اثر قوم پر ہے۔ یہ امراء اور مالکوں کا طبقہ ہے۔ ان میں بعض مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں اور ان میں چند ایک سالار بھی ہیں جو ریاستوں کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایمان فروشوں کا گروہ ہے جو سیدھے سادے لوگوں کو مذہب کا دھوکہ دے کر اُن میں مذہب کا جنون پیدا کرتے اور انہیں مسلمان بھائیوں کے خلاف اکساتے بھڑکاتے اور اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ مسلمان امراء اور اسی سطح کے طبقے کو اپنے زیرِ اثر لیتے ہیں۔ پھر یہ طبقہ لوگوں کو مذہب اور محبت کا دھوکہ دیتا اور انہیں بھوکا اور بے بس رکھتا ہے تاکہ لوگ یہ نہ دیکھ سکیں کہ یہ طبقہ درپردہ کیا کر رہا ہے۔"

"مگر ہم عالم نہیں۔" ایک سالار نے کہا۔ "ہم خطیب اور مسجدوں کے امام نہیں کہ تلواریں پھینک کر لوگوں کو وعظ اور خطبے سناتے پھریں۔ ہمیں یہ مسئلہ تلوار سے حل کرنا ہوگا۔ ان پتھروں کو گھوڑوں کے سُموں تلے روندنا ہوگا۔"

"یہ لوگ قرآن کے منکر ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "قرآن کا حکم بڑا واضح ہے کہ کفار کو دوست مت سمجھو۔ ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ تم نہیں جانتے کہ اُن کے دل ہمارے خلاف کدورتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔"

"یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں۔" مہتمم مدنی نے کہا۔ "قرآن کا اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

"یہ صورتِ حال بہت نقصان دہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن بھی ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے اور کفار کے اشاروں پر بھی ناچ رہے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "قوم نے ہمیشہ ایسے ہی سربراہوں کے ہاتھوں دھوکہ کھایا ہے جن کے ہاتھ میں قرآن اور دل میں صلیب ہے۔ یہ لوگ اذان کی آواز پر خاموش ہو جاتے ہیں مگر ان کے

دلوں میں گرجوں کے گھنٹے بجتے ہیں. قوم ان کا اصلی روپ نہیں دیکھ سکتی اور ان کے دل کی آواز نہیں سُن سکتی. یہی وجہ ہے کہ ہم ایک خانہ جنگی میں ایک دوسرے کا خون بہا چکے ہیں اور دوسری خانہ جنگی کی تلوار ہماری گردن پر لٹک رہی ہے۔"

"ہم اس طوفان کو روک سکیں گے۔" ایک سالار نے کہا۔ "لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہم اب کوئی معاہدہ اور کوئی صلح نامہ نہ کریں. ہمیں اپنے بھائیوں کا خون بہانا پڑے گا اور ہمیں ان کے ہاتھوں مرنا بھی ہوگا۔"

سلطان ایوبی کے چہرے پر اداسی کا سایہ آگیا. اس کی آنکھیں جیسے افق پر کسی چیز کو دیکھ رہی تھیں. رات پتہ چل رہا تھا کہ اس کی نظریں آنے والی صدیوں کا سینہ چاک کر رہی ہیں. خیمے میں ایک بار پھر گہرا سکوت طاری ہوگیا. تینوں سالار اپنے سلطان کے اس تاثر سے جو اُس پر کبھی کبھی طاری ہوا کرتا تھا اچھی طرح واقف تھے.

"میرے عزیز رفیقو!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے نظر آرہا ہے کہ میرے رسولؐ کی اُمت آپس میں لڑ لڑ کر ختم ہو جائے گی. صلیبی اور یہودی اسے خانہ جنگی میں اُلجھائے رکھیں گے. حکمرانی کا لالچ بھائی کو بھائی کا دشمن بنائے رکھے گا. فلسطین خون سے لال ہوتا رہے گا. مسلمان حکمران سلطنتوں میں بٹ کر عیش و عشرت میں پڑے رہیں گے. ہمارا قبلۂ اوّل اُمتِ رسولؐ اللہ کو پکارتا رہے گا اور اس پکار کو کوئی مسلمان نہیں سنے گا. اگر کوئی فلسطین کی سرزمین کو آزاد کرانے اُٹھے گا تو وہ کوئی ہم جیسا دیوانہ ہوگا. ایسے دیوانوں کو خود اپنے مسلمان حکمران دھوکے دیں گے اور درپردہ دوست بنے رہیں گے. تم نے کہا ہے کہ ہم اس طوفان کو روک سکیں گے، مگر ہمارے مرنے کے بعد یہ طوفان پھر اُٹھے گا۔"

"پھر ایک اور صلاح الدین ایوبی پیدا ہوگا۔" سالار صارم مصری نے کہا۔ "ایک اور نورالدین زنگی پیدا ہوگا. مسلمان مائیں مجاہدین کو جنم دیتی رہیں گی۔"

"اور یہ مجاہدین عیاش حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونے بنے رہیں گے۔" سلطان ایوبی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور وہ وقت بھی آجائے گا جب فوج بھی عیاش سپاہیوں کا گروہ بن جائے گی اور اس کے سالار کفار کے ہاتھوں میں کھیلیں گے۔" سلطان ایوبی اس انداز سے خاموش ہوگیا جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو. اُس نے تینوں سالاروں کی طرف باری باری دیکھا اور کہا۔ "مگر ہم یہ باتیں کب تک کرتے رہیں گے؟ ہم چاروں ایک دوسرے کو خطبے سنا رہے ہیں. اللہ کے سپاہی خطیب نہیں ہوا کرتے. ہمیں عمل کرنا ہے. ہم میدانِ عمل کے مرد ہیں. صارم! تم نے میری پہلی ہدایت کے مطابق اپنے چھاپہ مار دستوں کو میری بنائی ہوئی جگہوں پہ پھیلا دیا ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ہماری یہ خیمہ گاہ کس خطرے میں ہے۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں سلطانِ محترم!" سالار صارم مصری نے جواب دیا۔ "ہم بیروت کا محاصرہ اٹھا کر اس طرف آئے تھے تو ہماری توقع کے خلاف صلیبیوں نے ہمارے تعاقب میں فوج نہیں بھیجی تھی، لیکن ہم اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے کہ صلیبی ہمیں بخش دیں گے. میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کھلا حملہ نہیں کریں گے. وہ ہم پر ہمارے انداز کے شبخون ماریں گے، بلکہ اُن کے چھاپوں اور شبخونوں کا سلسلہ شروع ہوگیا

ہے. خیمہ گاہ سے بہت دُور سے فرنگیوں اور ہمارے گشتی دستوں کی چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کی خبریں آنے لگی ہیں. میں نے چھاپہ مار دستوں کو دُور دُور تک پھیلا رکھا ہے. مجھے شک ہے کہ کفار کا اڈہ کہیں باہر نہیں بلکہ موصل میں ہے اور والیٔ موصل عزالدین انہیں پناہ اور مدد دے رہا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اگر موصل میں ہی صلیبیوں کا خفیہ اڈہ ہوا تو میں اس کا بندوبست کروں گا۔" اُس نے دوسرے دو سالاروں سے کہا۔ "ہمیں مسلمان امراء کے اُن قلعوں پر قبضہ کرنا ہوگا جو موصل اور حلب کے درمیان ہیں. میں ان دونوں شہروں کو ایک دوسرے سے کاٹ دینا چاہتا ہوں. وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے قابل نہیں رہیں گے. اُن کے تاجدار کو بھی راستہ نہیں ملے گا. میں نے بہت کوشش کی ہے کہ میری تلوار کسی مسلمان کے خلاف نیام سے نہ نکلے لیکن میں ناکام رہا. میں اِن حکمرانوں اور امراء کو ختم کروں گا جو صلیبیوں کے دوست ہیں. میں خود قوم کی آڑ میں نہیں بیٹھوں گا نہ قوم کا خون بہنے دوں گا. میں اُن امراء کو گھٹنوں بٹھاؤں گا جو قوم کو گمراہ کر رہے ہیں۔"

سلطان ایوبی نے نقشہ نکالا اور اپنے سالاروں کو دکھانے لگا.

☆

بیروت میں بالڈوِن کے محل میں اُس نے اپنے سالاروں اور تین چار صلیبی حکمرانوں کو مدعو کر رکھا تھا. بہت بڑی ضیافت کا اہتمام تھا. بے شمار صلیبی مہمانوں میں دو مسلمان بھی شراب کے پیالے اٹھائے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے نظر آرہے تھے. شراب پیش کرنے والی لڑکیاں ایسے باریک ریشمی لباس میں ملبوس تھیں کہ عریاں لگتی تھیں. جوں جوں شراب اثر دکھاتی جارہی تھی لڑکیوں کے ساتھ مہمانوں کی دست درازی بڑھتی جارہی تھی اور لڑکیاں پہلے سے زیادہ بے حیا ہوتی جارہی تھیں. ان دو مسلمان مہمانوں کی طرف دوسرے مہمانوں کی نسبت زیادہ توجہ دی جارہی تھی. دو لڑکیاں ان کے اردگرد اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھیں. یہ دونوں مہمان لباس اور شکل و صورت سے کسی شاہی خاندان کے افراد معلوم ہوتے تھے.

ایک صلیبی آیا. دونوں سے کہا کہ انہیں شاہ بالڈوِن نے اپنے کمرے میں بلایا ہے. دونوں شراب کے پیالے رکھ کر چلے گئے. وہ جس غلام گردش سے گزر کر بالڈوِن کے کمرے میں گئے اس میں ایک آدمی ہاتھ میں برچھی اٹھائے فوجی انداز سے ٹہل رہا تھا. اس کا لباس خاص قسم کا تھا. اُس کے پہلو میں جو تلوار لٹک رہی تھی، اس کی نیام پالش سے چمک رہی تھی. اُس کے سر پر فولاد کی چمکدار خود تھی. محل میں اس لباس میں کئی ایک آدمی سینے تانے اور گردنیں اکڑائے ٹہل رہے تھے. یہ محل کے خصوصی ملازم تھے جو سالاروں کے کمروں کے سامنے موجود رہتے اور ضیافتوں میں برآمدوں اور غلام گردشوں میں ٹہلتے رہتے تھے. فانوسوں کی روشنی میں اُن کا لباس اور اُن کی چال اچھی لگتی تھی. یہ دراصل نمائش کے لیے رکھے گئے تھے اور یہ تربیت یافتہ لڑاکے بھی تھے.

یہ آدمی جس نے دو مسلمانوں کو بالڈوِن کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا، گورے رنگ کا تھا. وہ رُک کر انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا. وہ دونوں بالڈوِن کے کمرے میں داخل ہوگئے اور دروازہ بند ہوگیا. اس دروازے کے

سامنے ای آدی جیسے لباس میں دو آدمی پہرے پر کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے اُسے کہا۔" ہیاو جیک، اِدھر کیوں گھومتے پھر رہے ہو؟ اُدھر جاؤ جہاں پریاں ناچ رہی ہیں۔ ہم تو یہاں سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔"

جیکب نے اُن کے مذاق کا جواب دے کر کہا۔" یہ دو آدمی جو اندر گئے ہیں مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ کون ہیں یہ؟"

"تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہے؟"

"تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ اِن سے مجھے کیا دلچسپی ہے؟" جیکب نے کہا۔" کیا تم جانتے نہیں کہ مسلمانوں کے خلاف کتنی نفرت پائی جاتی ہے؟ یہ دونوں کسی جنونی صلیبی یہودی کے ہاتھوں قتل ہو سکتے ہیں۔ اِن کی حفاظت کی ذمہ داری ہمیں دے دی گئی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ مسلمان ہیں یا مسلمان علاقے کے عیسائی؟"

"یہ مسلمان علاقے کے مسلمان ہیں۔" اُسے جواب ملا۔" یقین سے نہیں کہا جا سکتا، جہاں تک ہم جانتے ہیں یہ موصل سے آئے ہیں۔ غالباً عزالدین کے ایلچی ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے خلاف مدد مانگنے آئے ہوں گے۔" جیکب نے کہا۔" اِن ایلچیوں کو کون بتائے کہ صلاح الدین ایوبی ختم ہو چکا ہے۔ رملہ سے شکست کھا کر بھاگا تو بیروت کو محاصرے میں لینے آ گیا۔ اُس کے بحری بیڑے کو آگے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ ہماری فوج نے ایوبی کی فوج کا تعاقب نہیں کیا۔ ورنہ آج ایوبی قید خانے میں ہوتا۔"

"تم اپنا کام کرو دوست!" ایک پہرے دار نے طنزیہ کہا۔" سلطان صلاح الدین ایوبی قید ہو گیا تو اُس کی سلطنت تمہیں نہیں ملے گی۔ اگر شاہ بالڈون مارا گیا تو بیروت کی بادشاہی تمہارے نام نہیں لکھی جائے گی۔"

جیکب وہاں سے ہٹ آیا لیکن گھوم گھوم کر بند دروازے کو دیکھتا رہا جس کے پیچھے یہ دو نو مسلمان گم ہو گئے تھے۔

☆

وہ دونو عزالدین والیٔ موصل کے ہی ایلچی تھے۔ اس سلسلے کی پچھلی قسط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی جب بیروت کا محاصرہ اٹھا کر موصل کی طرف گیا تھا تو عزالدین نے قاضی بہاؤالدین شداد کو خلیفہ کی طرف بھیجا تھا۔ اس کو اس خیرسگالی کے ساتھ دوڑایا تھا کہ سلطان ایوبی کے ساتھ اس کی صلح کرا دیں۔ دوسرے لفظوں میں اُس نے یہ درخواست کی تھی کہ اُسے سلطان ایوبی سے بچایا جائے۔ خلیفہ نے یہ کام شیخ العلماء کے سپرد کر دیا اور سلطان ایوبی نے عزالدین کو بخش دیا۔ عزالدین نے بظاہر سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن اُس نے درپردہ دو ایلچیوں کو صلیبی حکمران بالڈوِن کے پاس بھیج دیا تھا۔ یہ دو ایلچی اب بالڈوِن کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

"والیٔ موصل نے کہا ہے کہ آپ نے صلاح الدین ایوبی کا تعاقب نہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" ایک ایلچی نے بالڈوِن کو بتایا۔" آپ نے اُس کی فوج کو آرام کرنے کا موقع دے دیا ہے۔ والیٔ موصل نے کہا ہے کہ میں تحریری پیغام نہیں دے سکتا کیونکہ راستے میں پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ دمشق کی طرف پیشقدمی کریں اور اس شہر کو محاصرے میں لے کر اس پر قبضہ کر لیں۔ آپ کی فوج ایسے راستے سے اور اتنی تیزی سے دمشق پہنچے کہ صلاح الدین ایوبی دمشق بروقت نہ پہنچ سکے۔ میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی جب آپ کے حملے کی اطلاع پر یہاں سے روانہ ہوگا تو موصل اور حلب کی فوجیں اُس کے سامنے آ کر اُسے روکنے کی بجائے اس کی فوج پر شبخون مارتی رہیں گی۔ اس سے اُس کی پیشقدمی بہت سست ہو جائے گی اور آپ دمشق پر آسانی سے قبضہ کر لیں گے۔ ہمارے علاقوں میں جو چھوٹے موٹے امراء ہیں، میں ان سب کو اپنے ساتھ ملا لوں گا۔ آپ ان کے تلے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی فوج کو موصل کے اندر قیام کی اجازت نہیں دے سکتا، کیوں کہ اس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ میرا اور آپ کا اتحاد ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی کو یہ تاثر دے رہا ہوں کہ میں اُس کا دوست ہوں۔"

ایلچی جب یہ پیغام دے رہے تھے اُس وقت بالڈوِن کے ساتھ اس کے دو جرنیل تھے۔ عزالدین کے ایلچی بھی فوجی مشیر تھے۔ جنگی امور کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ بالڈوِن ان کے ساتھ اس مسئلے پر بحث اور بات چیت کرتا رہا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ مسلمان اُس کے جال میں آ گئے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنی شرطیں ماننی شروع کر دیں۔

"عزالدین کو شاید پوری طرح احساس نہیں کہ صلاح الدین ایوبی کو بے خبری میں نہیں دبوچا جا سکتا۔" بالڈوِن نے کہا۔" ہم دمشق کو محاصرے میں لیں گے تو وہ برق رفتار پیشقدمی کر کے ہم پر عقب سے حملہ کر دے گا۔ میں اسے ممکن نہیں سمجھتا کہ ہم دمشق کی طرف پیشقدمی کریں تو صلاح الدین ایوبی کو قبل از وقت خبر نہ ہو۔ وہ عقاب اور گدھ کی طرح بہت دُور سے شکار کو دیکھ لیتا اور ایسا جھپٹا مارتا ہے کہ پسپائی بھی محال ہو جاتی ہے۔ ہم ابھی کھلی جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہم اس کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ فوری طور پر ہم نے یہ بندوبست کر دیا ہے کہ چھاپہ مار دستے بھیج دیئے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کی فوج کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ اِن دستوں کے لیے ہمیں مستقل اڈے کی ضرورت ہے۔ یہ آپ مہیا کر دیں گے تو ہم صلاح الدین ایوبی کی فوج کو صرف چھاپہ مار دستوں سے ہی بے حال کر سکتے ہیں۔ وہ نہ لڑنے کے قابل رہے گا نہ بھاگ سکے گا۔ آپ ہمارے دستوں کو پناہ، مدد اور خوراک وغیرہ مہیا کرتے رہیں۔ ہم اسلحہ اور سامان بھیجتے رہیں گے۔ آپ حلب کے والی عمادالدین سے بھی کہہ دیں کہ ہم پر بھروسہ رکھے اور ہمارے چھاپہ مار دستوں کو بوقتِ ضرورت پناہ اور مدد دیتا رہے۔ دوسرے امراء اور قلعہ دار بھی آپ کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ ان کا خیال رکھیں کہ اِن میں سے کوئی صلاح الدین ایوبی کے پاس جا کر اس کا اتحادی نہ بن جائے۔"

اتحاد کی شرائط طے کر لی گئیں۔ عزالدین نے ان ایلچیوں کو پورا اختیار دے دیا تھا کہ وہ شرائط طے کر کے آئیں اور وہ جو مراعات صلیبیوں کو دینا مناسب سمجھیں دے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایمان ایک صلیبی حکمران

کے ہاں صرف اس لیے گروی رکھ دیا کہ اُن کی حکمرانی محفوظ رہے۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا تو ضیافت میں شریک ہونے کے لیے چلے گئے۔ انہیں دراصل شراب اور شراب پلانے والی لڑکیوں کے ساتھ ہی دلچسپی تھی۔

"اِن مسلمانوں پر زیادہ اعتماد نہ کریں"۔ ایک جرنیل نے بالڈوِن سے کہا۔ "انہوں نے ضرورت محسوس کی تو آپ کو بتائے بغیر صلاح الدین ایوبی کے پاؤں میں جا بیٹھیں گے"۔

"مجھے اپنے چاپہ ماروں کے لیے ایک اڈہ چاہیے"۔ بالڈوِن نے کہا۔ "موصل میرا اڈہ بن گیا تو میں آہستہ آہستہ پوری فوج وہاں لے جاؤں گا اور عزالدین کو وہاں سے بے دخل کر دوں گا۔ ہم سب کا منصوبہ یہ ہونا چاہیے کہ ان مسلمانوں کو ہم متحد نہ ہونے دیں بلکہ انہیں آپس میں لڑاتے رہیں اور آہستہ آہستہ ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں۔ ہم سب نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمان کو عیش و عشرت اور حکمرانی کا لالچ دے دو تو وہ اپنی خودداری اور اپنا مذہب تمہارے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔ عزالدین، عمادالدین اور دوسرے چھوٹے موٹے مسلمان امراء صرف اس لیے صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہیں کہ وہ سب خود مختار حکمران بنے رہنا چاہتے ہیں اور عیش و عشرت کی خاطر پُرسکون زندگی کی خواہش رکھتے ہیں، مگر صلاح الدین ایوبی عیش و عشرت اور حکمرانی کا قائل نہیں۔ وہ ان سب کو ایک محاذ پر متحد کر کے فلسطین سے ہمیں بے دخل کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے ہے لیکن جنہیں وہ متحد کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ جنگ و جدل سے ڈرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ عزالدین اور اُس کا لڑکا ہمارے ہاتھ سے نکلے گا نہیں۔ اگر کسی نے نکلنے کی کوشش کی تو اُسے ہم حشیشین کے ہاتھوں قتل کرا دیں گے۔

بالڈوِن نے اپنے جرنیلوں کو چند ایک ہدایات دے کر کہا۔ "عزالدین کے ان دونوں ایلچیوں کی اتنی زیادہ خاطر تواضع کرو کہ ان کی عقل بالکل ہی ماری جائے اور انہیں یاد ہی نہ رہے کہ ان کا مذہب کیا ہے"۔ اس نے جس ہدایت پر سختی سے عمل کرنے کو کہا وہ یہ تھی کہ اس کمرے میں ان ایلچیوں کے ساتھ جو باتیں ہوئی ہیں وہ کمرے سے باہر نہ جائیں۔ بالڈوِن نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بیروت میں موجود ہیں"۔

دونوں ایلچی شراب اور لڑکیوں کے نشے سے بدمست ہوئے جا رہے تھے۔ مہمان اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے شراب پی رہے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جیکب ان دو ایلچیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اُن میں سے ایک اسے الگ مل گیا۔ جیکب نے فوجی انداز سے اُسے سلام کیا اور پوچھا۔ "آپ غالباً موصل کے مہمان ہیں؟ ہم موصل والوں سے بہت محبت کرتے ہیں"۔

"ہم موصل کے حکمران عزالدین کے ایلچی ہیں"۔ ایلچی نے شراب کے نشے میں بدمست ہوتے ہوئے کہا۔ "ہم یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ بیروت کے صلیبیوں کے دل میں موصل کے مسلمانوں کی کتنی محبت ہے"۔ ایلچی کی جس قدر زبان لڑکھڑا رہی تھی اسی طرح اُس کی ٹانگیں بھی لڑکھڑا گئیں۔ وہ اتنی زیادہ پی چکا تھا کہ پاؤں پر کھڑا بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے جیکب کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔ "شراب کا یہی کمال ہے کہ انسان کے دل سے مذہب نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ محبت آ جاتی ہے۔ مجھے صلیب سے محبت ہے اور مجھے تمہاری اِس برچھی سے محبت ہے۔ جس روز یہ برچھی صلاح الدین ایوبی کے سینے میں اُتر جائے گی اُس روز میں سالارِ اعظم بن جاؤں گا"۔

جیکب وہاں زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ اس کی ڈیوٹی گھومتے پھرنے کی تھی۔ وہ ایلچی کو تھپتھپا کر کھڑا ہوا، چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ ایلچی کو دو آدمی تھام کر لے جا رہے تھے۔ وہ ہوش میں نہیں رہا تھا۔

☆

آدھی رات کے قریب جیکب کی ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ ناچ گانا جاری تھا۔ جیکب اور اُس کے ساتھیوں کی جگہ دوسرے آدمی آ گئے۔ جیکب اپنے کمرے میں گیا۔ وردی اتاری اور اپنے کپڑے پہن لیے۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اُسے سو جانا چاہیے تھا لیکن وہ باہر نکل گیا۔ اُس کا رخ کسی اور طرف تھا لیکن وہ اُس طرف چلا گیا جہاں لڑکیاں رہتی تھیں۔ یہ ایک عمارت تھی جس کا ایک حصہ اتنا خوبصورت تھا جیسے وہاں شہزادیاں رہتی ہوں۔ یہ اُن لڑکیوں کی رہائش گاہ تھی جو جاسوسی کے لیے اور کردار کی تخریب کاری کے لیے مسلمانوں کے علاقوں میں امراء اور سالاروں اور حکمرانوں کو صلیب کے جال میں پھانسنے کے لیے بھیجی جاتی تھیں۔ انہیں اُن علاقوں میں جو صلیبیوں کے قبضے میں آ گئے تھے، مسلمان جاسوسوں کو پھانسنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اسی عمارت کے دوسرے حصے میں ناچنے اور گانے والی لڑکیاں رہتی تھیں۔ ان کی قدر و قیمت جاسوس لڑکیوں جتنی نہیں تھی جو جسمانی حُسن کے لحاظ سے جاسوس لڑکیوں سے کم نہیں تھیں۔ اُن کا کام صرف یہ تھا کہ محل میں ضیافتوں پر ناچا کرتی تھیں۔ باہر کے مہمان آئیں تو ناچ گانا ضرور ہوتا تھا۔ اُس رات موصل کے مسلمان ایلچیوں کے اعزاز میں جو ضیافت دی گئی تھی اس میں ناچ گانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اُن میں سارہ نہیں تھی۔ سارہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ اُس کے خدوخال اور اُس کے بالوں اور آنکھوں کا رنگ یورپ کی لڑکیوں جیسا نہیں تھا۔ وہ بیروت کی ہی رہنے والی ہو سکتی تھی، مصر کی بھی اور وہ یونان کی بھی ہو سکتی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہاں کی رہنے والی ہے۔

جیکب کسی اور طرف جا رہا تھا۔ اُسے یاد آ گیا کہ ناچنے گانے والیوں میں اُسے سارہ نظر نہیں آئی تھی۔ اس کی غیر حاضری کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ بیمار ہے یا اس پیشے سے تنگ آ کر بھاگ گئی ہے۔ جیکب کو معلوم تھا کہ سارہ اس پیشے سے خوش نہیں ہے کیونکہ وہ خود نہیں آئی لائی گئی ہے۔ جیکب بھی اسی محل کے قریب رہتا تھا اور اس کی ڈیوٹی محل میں ہی ہوتی تھی۔ ایسی ہی ایک ضیافت کے دوران سارہ اتفاق سے جیکب سے ملی تھی۔ سارہ کو سب مغرور لڑکی کہا کرتے تھے کیونکہ وہ کسی کے ساتھ بولتی نہیں تھی۔ جیکب میں نہ جانے اُسے کیا نظر آیا کہ اُسے وہ پسند کرنے لگی۔ جیکب کو بھی یہ لڑکی اچھی لگنے لگی۔

ایک رات سارہ محل سے فارغ ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے جیکب مل گیا۔ سارہ نے اسے کہا۔

"میں اکیلی جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ کمرے تک نہیں چلو گے؟"

"اکیلے جاتے ڈر آتا ہے؟" جیکب نے کہا۔ "یہاں سے تمہیں کوئی اغوا کر کے نہیں لے جا سکتا"۔

"اب میں اغوا نہیں ہو سکتی"۔ سارہ کی مسکراہٹ بجھ گئی۔ کہنے لگی۔ "اب تو اپنے آپ کو خود ہی اغوا کروں گی.... میرے ساتھ چلو۔ اکیلے جاتے ڈر تو نہیں آتا، تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے"۔

"سونگھ لو" انوشی نے کہا ــــ "یہ شراب نہیں شربت ہے۔ یہ میری محبت کا جام ہے۔ پی لو" اس نے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ عامر نے بھی پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ دونوں نے پیالے خالی کر دیئے۔ انوشی نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور دونوں پیالے پرے پھینک کر بازو عامر کے گلے میں ڈال دیئے۔ اپنے رخسار اس کے گالوں سے رگڑتی ہوئی بولی ــ "اب ہم آزاد ہیں"

انوشی اُچک کر عامر سے الگ ہو گئی اور بولی "تم بھی غنودگی محسوس کر رہے ہو؟"

"ہاں!" عامر نے جواب دیا ــ "میں گہری نیند سے اٹھ کر آیا ہوں۔ نیند پریشان کر رہی ہے"

"اب ہم دونوں اتنی گہری نیند سوئیں گے کہ ہمیں کوئی جگا نہیں سکے گا" انوشی نے ایسی آواز میں کہا جس میں غنودگی کا نمایاں اثر تھا۔ کہنے لگی "میں تم سے زیادہ تھکی ہوئی ہوں۔ گنا ہوں نے تھکا دیا ہے" ــ اس کا سر ڈولنے لگا۔ اُس نے سنبھل کر کہا ــــ "زیادہ باتوں کا وقت نہیں عامر! تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ اب ہم اگلے جہان میں اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔ میں اپنا فرض ادا کر چکی ہوں، تم اپنا فرض ادا کر چکے ہو۔ میں نے اس شربت میں وہ زہر ملایا تھا جو مجھ جیسی لڑکیوں کو دے کر پردیس بھیجا جاتا ہے۔ یہ ضرورت کے وقت کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس سے کوئی تکلیف اور تلخی محسوس نہیں ہوتی۔ بڑی میٹھی غنودگی میں انسان ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہوں۔ میں اس لیے زندہ نہیں رہنا چاہتی کہ زندہ رہی تو تمہیں سزا دلا دوں گی۔ تمہیں اس لیے زندہ نہیں رہنے دیا کہ کوئی اور لڑکی یہ نہ کہے کہ عامر کو اُس سے محبت ہے"

عامر بن عثمان لیٹ گیا تھا جیسے وہ انوشی کی باتیں سُن ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ انوشی کا سر ڈول رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے تک گئی۔ خادمہ دروازے کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ اُسے اندر بلا کر کہا ــ "ہم دونوں نے زہر پی لیا ہے۔ سب کو بتا دینا کہ ہم نے خود زہر پیا ہے۔ کسی اور نے نہیں پلایا۔ کوئی صلیبی ملے تو اُسے بتا دینا کہ سوڈلن کی پری اپنا فرض ادا کر کے مری ہے"

اُس کی آواز دب گئی۔ وہ گرتی گرتی عامر تک پہنچی۔ خادمہ دوڑتی باہر نکلی۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں کئی لوگ آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ عامر بن عثمان پلنگ پر چت پڑا ہے اور انوشی اس کے ساتھ لگی اس طرح لیٹی ہوئی ہے کہ اس کا سر عامر کے سینے پر اور اس کا ایک ہاتھ عامر کے سر پر تھا جس کی انگلیاں بالوں میں اُلجھی ہوئی تھیں۔ دونوں مرے ہوئے تھے۔

☆

اُس وقت اسحاق ترک موصل سے جا چکا تھا۔ انوشی نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اجنبی سلطان ایوبی کا جاسوس ہو سکتا ہے اُس کا تعاقب نہ کیا، نہ گرفتار کرانے کی سوچی۔ اُس نے زندگی کی یہ چند ہی ساعتیں روحانی سکون پایا تھا جو اُس نے عامر کے ساتھ پیار کے دھوکے میں گزاری تھیں۔ اس نے اس پیار کا صلہ یہ دیا کہ اسحاق کو جانے دیا۔

اسحاق ترک قاہرہ سے ابھی کئی دنوں کی مسافت جتنا دور تھا کہ اس کے گھوڑے کو سانپ نے ڈس لیا۔ اس

حادثے کی تفصیلات اس کہانی کی پچھلی قسط میں سنائی جا چکی ہیں۔ مندرجہ بالا واقعات اس حادثے سے پہلے کے ہیں جو یہ واضح کرنے کے لیے سنانا ضروری تھے کہ اسحاق ترک کتنی اہم اطلاعات لے کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اسلام کی عزت اور بے عزتی کا دار و مدار اس پر تھا کہ یہ اکیلا مجاہد انتہائی وسیع اور ایسے ظالم صحرا سے گزر کر قاہرہ بروقت پہنچتا ہے یا نہیں، مگر اُس کے گھوڑے کو سانپ نے ڈس کر مار دیا اور یہ سوار صحرا کے مظالم سے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو وہ صلیبیوں کے خیمے میں پڑا تھا جہاں دو صلیبی لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک کا نام میرینا اور دوسری کا باربرا تھا۔ یہ تفصیلات پچھلی قسط میں پڑھ لیں تاکہ وہ واقعات ایک بار پھر آپ کے ذہن میں تازہ ہو جائیں۔

اسحاق ترک بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا جس سے صلیبیوں کی اس ٹولی پر ظاہر ہو گیا کہ یہ مسلمان جاسوس ہے اور کوئی اہم خبر لے کر قاہرہ جا رہا ہے۔ دونوں لڑکیوں، میرینا اور باربرا کی آپس میں رقابت تھی۔ دونوں اپنے کمانڈر کو چاہتی تھیں اور کمانڈر باربرا کو محبت کا دھوکہ دے کر میرینا کے ساتھ گہری دوستی لگائے ہوئے تھا۔ باربرا نے انتقام لینے کے لیے اسحاق کو چوری چھپے بتا دیا کہ وہ صلیبی جاسوسوں کے جال میں آ گیا ہے۔ اسحاق اس جال میں ایسی بُری طرح آیا کہ اُس نے اعتراف کر لیا کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور حلب سے آیا ہے۔ صلیبیوں کے سربراہ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا خبر لے جا رہا ہے؟ اسحاق نے بتایا کہ خبر صرف اتنی سی ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ رضیع خاتون نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ صلیبی سربراہ نے کہا کہ یہ خبر پرانی ہو گئی ہے اور اب سلطان ایوبی شام کی طرف پیشقدمی کرنے والا ہے۔

اس صلیبی نے اسحاق ترک سے کہا کہ وہ صلیبیوں کے لیے جاسوسی کرے اور یہ بھی بتائے کہ وہ کیا راز لے کے جا رہا تھا اور بیروت میں جو مسلمان جاسوس ہیں وہ کون کون ہیں اور کہاں کہاں ہیں اور اگر وہ نہیں بتائے گا تو اُسے صلیبی علاقے میں جا کر کسی قید خانے کے تہہ خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ اسحاق نے یہ سوچ کر ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ ان کی حراست سے فرار کی کوشش کرے گا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ صلیبیوں کے لیے جاسوسی کرے گا۔ اس سے یہ بھی پوچھا جا رہا تھا کہ وہ کیا راز لے کے جا رہا ہے۔ اس نے چند ایک باتیں گھڑ لیں جو زیادہ تر شام کے مسلمان امراء سے تعلق رکھتی تھیں۔ بیروت کے متعلق اس نے بے خبری کا اظہار کر دیا اور یہ بھی کہا کہ اُسے بیروت کے راستے کا بھی علم نہیں۔

جیسا کہ پچھلی قسط میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کی پارٹی تھی۔ اس کے ساتھ ان کے محافظ بھی تھے اور دو لڑکیاں۔ اس پارٹی کی نفری آٹھ نو تھی۔ یہ قاہرہ سے بیروت کو واپس جا رہے تھے۔ ان کے سربراہ نے اسحاق کو بتایا تھا کہ وہ رات کو روانہ ہو رہے ہیں۔ اسحاق نے جب یہ سنا کہ وہ بیروت جا رہے ہیں تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ وہاں اُس کی ملاقات اپنے نائٹ سے بھی ہو سکتی تھی لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا، اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ اُسے سلطان ایوبی کو بالڈوِن کی فوج کا ڈیپلائے بتانا تھا اور اُسے خبردار کرنا تھا کہ وہ بیروت کا محاصرہ ترک کر دے۔ اس کے بعد اسحاق جان دینے کے لیے تیار تھا مگر وہ قیدی بن چکا تھا اور نہتہ تھا۔

رات کو اس قافلے نے وہاں سے کوچ کیا۔ اسحاق کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر ایک اونٹ پر سوار کر دیا

یہ تھا سلطان صلاح الدین ایوبی کا یہ جاسوس بیروت سے قاہرہ کو روانہ ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کا یہ جاسوس بیروت سے قاہرہ کو روانہ ہوا تھا مگر قاہرہ پہنچے بغیر بیروت کو واپس ہو رہا تھا۔ مسافت بڑی ہی لمبی تھی۔ سارا ترک اس امید پر جا رہا تھا کہ فرنگی کوئی صورت پیدا کرلے گا۔

☆

نہ تو یہ مسلمان بھی متذکر نہیں کرسکتا کہ صلیبی ایوبی اپنے سالاروں سے کیا باتیں کر رہا تھا۔ فوج تیاری کی حالت میں ہے۔ اس حالت میں فوج کو زیادہ دیر کھلا نہیں رکھا جا سکتا۔ سپاہیوں کے جسم تک جاتے ہیں۔ یہ لیلیت جنگ کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں صلیبیوں کو تیاری کی حالت میں بلوچ لینا چاہتا ہوں۔ ہم جب بھی لڑے اپنے علاقوں میں لڑے ہیں اور اسی پر خوش ہوئے کہ ہم نے دشمن کو پسپا کر دیا ہے۔ دشمن ہماری ہی زمین پر حملہ آور ہوا ہر بار پسپا ہو کر ہماری ہی زمین پر رہا۔ اب میں پہلا قدم جو اٹھانا چاہتا ہوں وہ فرنگی فوج بیروت میں ہے۔ مجھے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اگر اطلاع نے کوئی نقل و حرکت کی ہوتی تو اطلاع آجاتی۔ میرا قیاس یہ ہے کہ وہ دوسرے صلیبی ہمارے مسلمان امراء کو اپنا حامی اور ہمارا دشمن بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ وہ ایک بار پھر ہمیں خانہ جنگی میں الجھائیں گے۔ وہ زمین دوز کارروائیوں میں لگے رہیں، ہم بیروت کو محاصرے میں لیں گے اور اللہ کو منظور ہوا تو یہ خیم شہر ہمارے قبضے میں آجائے گا۔"

سالاروں کے اس اجلاس میں سلطان ایوبی کی بحریہ کا امیر البحر بھی موجود تھا۔ ایک مصری وقائع نگار فہد الوحید نے اس کا نام حسام الدین لولوع لکھا ہے۔ یہ بحری جنگ کا ماہر اور غیر معمولی طور پر قابل امیر البحر مانا جاتا تھا۔ بیروت چونکہ بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع تھا اس لیے سلطان ایوبی نے اسے محاصرہ کرنے کے لیے سمندر کی طرف سے بھی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حسام الدین کو بحری جہازوں سے جانا اور ساحل پر اترنا ہے وہ سکندریہ پہنچ چکے ہیں۔ حسام الدین کو ہدایات دی جا چکی ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔" سمندر سے جانے والے دستے جلدی منزل پر پہنچ جائیں گے، اس لیے یہ کچھ دیر بعد روانہ ہوں گے تاکہ خشکی والے دستے پہنچ جائیں۔ سمندری دستے ساحل پر اتریں گے تو فوراً حملہ نہیں کریں گے۔ شہر پر ان کی یلغار صبح طلوع ہوگی۔ اگر فرنگیوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو آپ سب کو اجازت ہوگی کہ شہر کو تباہ و برباد کر دیں۔ عورت، بچے، بوڑھے اور مریض پر ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ انہیں پناہ میں لیا جائے گا۔ فوجیوں کو بلاک نہیں قید کیا جائے گا۔ کسی صورت میں لوٹ مار نہیں ہوگی۔ آپ سب کو بیروت میں امن و سکون قائم کرنا ہے۔ حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو موقعہ پر قتل کر دیا جائے۔ خواہ وہ کتنے ہی اونچے عہدے کے عسکری کیوں نہ ہوں۔ خشکی کی طرف سے جانے والے دستوں کی پیشقدمی امن کے انداز سے نہیں جنگی رفتار سے ہوگی۔ پڑاؤ بغیر خیموں کے ہوں گے۔ کوئی سامان کھولا نہیں جائے گا۔ سب کو پانی محدود مقدار میں ملے گا۔ کھانا پکایا نہیں جائے گا۔ کھجوروں وغیرہ کا ذخیرہ ساتھ جا رہا ہے۔ جانوروں کو پیدل خوراک دی جائے گی۔"

سلطان نے جاسوس جتنے چھوٹے کپڑے پر قاہرہ سے بیروت تک کا نقشہ تیار کرا رکھا تھا۔ اس نے دیوار کے ساتھ لٹکایا اور پیشقدمی کے راستے پر انگلی چلاتے ہوئے کہا۔" یہ ہوگا وہ پیشقدمی کا راستہ۔" اس کی خاموشی اور زیادہ گہری ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے سب کے چہروں کو دیکھا اور پوچھا۔" خاموش کیوں ہو؟ کہتے کیوں نہیں کہ ہم دشمن کے علاقوں میں سے گزر رہے ہیں..... میرے دوستو! ہم احتیاط کے الفاظ پر جنگ لڑتے رہے ہیں۔ پیشقدمی سے پہلے ہم پہلوؤں کی حفاظت اور پسپائی کا راستہ دیکھتے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صلیبی فلسطین پر قابض ہیں اور وہ دمشق اور قاہرہ پر یلغار کر کے مدینۃ منورہ کی طرف بڑھنے کے منصوبے بنتے ہوئے ہیں۔ وہ بحیرۂ روم کے ساحل سے لگ کر مصر کے ساحل پر بھی رہتا تو یورپ تک اسلام کا پرچم کبھی نہ پہنچتا۔ قاسم کا بیٹا محمد اس قدر خطرناک اور اس قدر لمبی مسافت طے کر کے ہندوستان پہنچا تھا جس سے ایوبی کے دستے بھی پیچھا چھڑا اٹھے تھے۔ صلیبی بہت دور سے ہماری سرزمین میں آئے تھے۔ اگر آپ سب کی سرپرستی ہوتے ہیں تو یہیں کہیں سے مجھے ہوگا۔ اگر وہ حکومت کرنی ہے تو دمشق، مصر اور شام کو عراق میں بغداد میں بیٹھا ہوا شاہ نہ سمجھیں۔ پھر اپنی اپنی بادشاہی کو قائم رکھنے کے لیے صلیبیوں اور یہودیوں سے مدد لیتے رہیں گے اور اپنا دین و ایمان ان کے پاس گروی رکھ دیں گے۔"

"محترم سلطان!" ایک سالار نے اٹھ کر کہا۔" ہم خانہ بدوشوں کے مشتبہ قافلوں سے کوئی بھی اس سے خوفزدہ نہیں کہ ہم دشمن کے علاقوں سے گزریں گے۔ ہمیں یہ بتائیے کہ ان علاقوں سے گزرتے ہماری ترتیب کیا ہوگی؟ کیا ہر دستہ اپنی حفاظت خود کرے گا؟"

"نہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔" میں یہی ہدایات کی طرف آ رہا تھا۔ ہر دستہ اپنی پیشقدمی جاری رکھے گا۔ دائیں بائیں، آگے اور پیچھے جو کچھ ہوتا رہے اس کی طرف آپ توجہ نہیں دیں گے۔ راستہ کہیں سے بھی روکا جائے، اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ دشمن اسے تباہ نہ کر سکے۔ ساری فوج کی حفاظت چھوٹے چھوٹے جیش کریں گے۔ چھاپہ ماروں کے سالار مصر میں یہاں موجود ہیں۔ انہیں بہت پہلے ہدایات دے دی گئی تھیں۔ انہوں نے چھاپہ ماروں کو تربیت اور مشق دے لی ہے۔ باقی سب اپنی اپنی پوزیشن پر کیسے رہیں گے، یہ آج رات کے بعد بتایا جائے گا۔ سب سے ضروری احتیاط یہ کرنی ہے کہ اس کمرے سے باہر کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہماری منزل کیا ہے۔ سپاہیوں اور کمانداروں تک کے کان میں نہ پڑے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

سلطان ایوبی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بیروت میں اس کے مقابلے پر جو فوج ہے اس کے سالار سلطان ایوبی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بیروت میں اس کے مقابلے پر جو فوج ہے اس کے سالار اور وہ فرنگیوں کو بے خبری میں شاید نہ دبوچ سکے۔

رات کو جب فوج کوچ کر رہی تھی، سلطان ایوبی اپنی ہائی کمان کے سالاروں کے ساتھ رات کے کھانے پر دستے کی روانگی کے لیے دعا اور دعائیں دے رہا تھا۔ اس کے پاس اس کے ایک بیٹے کا بزرگ اتالیق بھی

کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی اساتذہ اور علماء کی بہت قدر کیا کرتا تھا۔ محمد فرید ابوحدید کی تحریر کے مطابق جب فوج کا آخری دستہ بھی چلا گیا تو سلطان ایوبی بھی روانہ ہونے لگا، اس کے بیٹے کے اتالیق نے عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یوں ہے۔

"آج سجدے کے پھول عزار کی خوشبو سے لطف اٹھالو۔ شام کے بعد یہ پھول نہیں ملا کرتا۔"

یہ معری وقائع نگار لکھتا ہے کہ اُس وقت تک سلطان ایوبی کا مزاج ہشاش بشاش تھا مگر یہ شعر سن کر اُس پر اداسی طاری ہوگئی۔ اس نے بوقتِ رخصت اس شعر کو بدشگونی سمجھا۔ وہ فوج کے پیچھے روانہ ہوگیا۔ راستے میں اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اس بزرگ سے مجھے توقع تھی کہ الوداعی کے وقت دعا دیں گے۔ انہوں نے ایسا شعر سنا دیا ہے جس نے میرے دل پر بوجھ ڈال دیا ہے"۔۔۔ اور ہوا بھی یہی کہ اس روانگی کے بعد سلطان ایوبی مصر آ ہی نہ سکا۔ اس کی باقی عمر سرزمینِ عرب پر جنگ و جدل میں ہی گزر گئی۔ مصر والوں کو عزار کا یہ پھول پھر کبھی نظر نہ آیا۔

مصر سے سلطان کی روانگی مئی ۱۱۸۲ء میں ہوئی تھی۔

☆

صحرا کا وہ حصہ بڑا ہی ہولناک تھا جہاں صلیبی جاسوسوں اور تخریب کار کا قافلہ داخل ہوگیا تھا۔ اسحاق ترک اُن کا قیدی تھا لیکن اب اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں تھے۔ دو دن اور دو راتیں اُس کے ہاتھ کھانے کے وقت کے سوا ہر وقت بندھے رہتے تھے۔ اُس نے اس پارٹی کے سربراہ سے کہا تھا کہ وہ بھاگ نہیں سکتا۔ بھاگ کر جائے گا کہاں۔ پاپیادہ تو وہ کہیں جا نہیں سکتا۔ بڑی مشکل سے دو کوس چلے گا اور صحرا اُسے اسی طرح بے ہوش کر کے ختم کر دے گا جس طرح وہ بے ہوش ہو کر پکڑا گیا تھا۔ سربراہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے ہاتھ کھول دیئے تھے اور اُن سے کہا تھا کہ اس پر نظر رکھیں۔ اسحاق ترک نے اُن پر اعتماد جما لیا۔ اُس نے سلطان ایوبی اور دوسرے مسلمان حکمرانوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے صلیبی سربراہ کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ ان کا جاسوس بن جائے گا مگر اس سے جب یہ پوچھتے تھے کہ وہ کیا راز لے کر جا رہا تھا تو وہ صحیح جواب نہیں دیتا تھا۔

دو صلیبی لڑکیوں کی رقابت بدستور چل رہی تھی۔ میرینا اپنے سربراہ کی منظورِ نظر تھی اور باربرا کو سربراہ نے اس سختی سے دھتکار دیا تھا کہ اُس کے ساتھ جو بھی بات کرتا طنزیہ انداز سے کرتا تھا۔ باربرا بجھ کے رہ گئی تھی۔ میرینا اس کوشش میں تھی کہ وہ اسحاق ترک کے سینے سے وہ راز نکال لے جو وہ قاہرہ لے کے جا رہا تھا۔ اس دلکش لڑکی نے راتوں کو اسحاق کے پاس بیٹھ کر اُس کے جذبات کو مشتعل کرنے کا ہر داؤ آزما لیا لیکن اسحاق پتھر کا بُت بنا رہا۔ باربرا کی خواہش یہ تھی کہ اسحاق میرینا کو کچھ بھی نہ بتائے۔ پارٹی کے سربراہ کے بعد کا رتبہ مارٹن نام کے ایک آدمی کا تھا۔ یہ آدمی باربرا کو چاہتا تھا مگر باربرا نے اُسے بُری طرح دھتکار دیا تھا۔ وہ اس لڑکی کو دھمکیاں بھی دے چکا تھا کہ اُس نے قاہرہ میں جو غلطیاں کی ہیں اُن کی سزا دلائے گا۔ یہی دھمکی اُسے

سربراہ بھی دے چکا تھا۔ وہ مایوس تو تھی ہی، اب خوفزدہ بھی رہنے لگی تھی۔

باربرا کا خون اُس وقت کھولتا تھا جب میرینا اُس کے ساتھ تنزیہ بات کرتی تھی۔ ایک روز اس نے باربرا سے کہا۔۔۔ "باربرا! تم اس کام کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری کھوپڑی میں دماغ ہے ہی نہیں۔ تم کسی قحبہ خانے میں ناچنے اور گاہکوں کا دل بہلانے والی عورت ہو۔ میرا کمال دیکھو۔ صحرا میں بھی ایک مسلمان جاسوس پکڑ لیا ہے۔ یہ میرا شکار ہے۔ تم اس کے قریب نہ جانا۔ بیروت میں اس کا مجھے انعام ملے گا۔"

باربرا جل اٹھی۔ اُس رات اُس کا دماغ جیسے جواب دے گیا۔ مارٹن تو اُس کے پیچھے پڑا ہی رہتا تھا۔ اُس رات وہ خود مارٹن کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ میرینا سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ اُس نے اس خون کا اظہار بھی کیا کہ میرینا پہنچ کر اُسے سزا دلے گی کیونکہ قاہرہ میں اُس سے اپنی زمین دوز سرگرمیوں میں کوتاہی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بے بس اور تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ مارٹن سے مدد، ہمدردی اور پناہ مانگ رہی تھی۔ مارٹن تو اس کا شیدائی تھا۔ اُس نے باربرا سے مدد کا معاوضہ یہ مانگا کہ اُسی کی ہو جائے۔ باربرا کون سی شریف لڑکی تھی۔ وہ مان گئی۔ گناہوں میں پلی ہوئی اور گناہوں کی تربیت یافتہ لڑکی کے لیے یہ معاوضہ جو مارٹن نے مانگا تھا کوئی زیادہ نہیں تھا۔۔۔ مارٹن نے فوراً ایک ترکیب سوچ لی اور باربرا کو بتا دی۔ اس پر عمل درآمد کے لیے اگلی رات مقرر کی گئی۔

اگلی رات جہاں قیام کیا گیا وہ صحرا کا بڑا ہی ہولناک خطہ تھا۔ دُور دُور تک عجیب و غریب شکلوں کے ٹیلے کھڑے تھے۔ بعض ستونوں اور میناروں جیسے تھے۔ بعض ٹیڑھی ٹیڑھی دیواروں کی طرح اور کچھ جانوروں کی شکلوں کے بھی تھے۔ یہ ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ پانی اور سبزے کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ رات کو یہ ٹیلے یوں نظر آتے تھے جیسے دیو کھڑے ہوں۔ اس خطے میں قافلہ شام کا اندھیرا پھیل جانے کے بعد رکا۔ مارٹن نے اندھیرے سے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنا گھوڑا اپنے خیمے کے ساتھ باندھا اور زین اتار کر اس کے قریب رکھ دی۔

اسحاق کے لیے الگ خیمہ تھا جو مارٹن نے اپنے قریب نصب کرایا تھا۔ اسحاق کے متعلق اب سربراہ بھی مطمئن ہوگیا تھا۔ رات گھوڑوں اور اونٹوں کے اردگرد محافظ سوتے تھے۔ ایسا امکان نہیں تھا کہ اسحاق گھوڑا کھول لے گا، کسی کو پتہ چلے بغیر زین کس لے گا اور بھاگ نکلے گا۔۔۔ قافلے والے تھکے ہوئے تھے۔ سب سو گئے۔ اسحاق بھی سو گیا۔ آدھی رات کو کسی کے آہستہ آہستہ ہلانے پر وہ جاگ اٹھا اور سرگوشی سنائی دی۔۔۔ "اٹھو، ساتھ والے خیمے کے پاس گھوڑا کھڑا ہے۔ زین پاس پڑی ہے۔ دیر نہ کرو، بھاگو۔"

"کون ہو تم؟"

"باربرا!" لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ مجھے تم سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ یہ میں ہی تھی جس نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم سب صلیبی جاسوس ہیں اور تمہیں غلط بتایا جا رہا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ وقت ضائع نہ کرنا۔ سب سوئے ہوئے ہیں۔ جلدی اٹھو۔ گھوڑے والے خیمے سے بائیں طرف ہو جانا۔ آگے راستہ صاف ہے۔ میں اپنے خیمے میں جاتی ہوں۔"

باربرا اپنے خیمے میں چلی گئی۔ وہاں کمان پڑی تھی۔ اُس نے کمان اور تیروں کی ترکش اٹھائی اور خیمے

سے باہر نکل کر اُس راستے کے قریب بیٹھ گئی جو اس نے اسحاق کو فرار کے لیے بتایا تھا۔ اسحاق نے بڑی تیزی سے گھوڑے پر زین ڈال کر کس لی۔ گھوڑا کھلا اور دبے پاؤں چل پڑا۔ ریت پر گھوڑے کے قدموں کی آہٹ نہیں تھی۔ سب سوئے ہوئے تھے۔ خیمے سے ذرا دُور جا کر وہ گھوڑے پر سوار ہُوا۔ کچھ اور آگے جا کر اُس نے ایڑ لگائی۔ صحرا کی خاموش اور خنک رات میں کمان کی "ٹنگ" سنائی دی اور ایک تیر اسحاق کی پیٹھ میں اُتر گیا۔ فوراً بعد دوسرا تیر آیا اور یہ بھی اُس کی پیٹھ میں لگا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی کا شور سنائی دیا ــــ "بھاگ گیا۔ بھاگ گیا۔ اٹھو۔ جاگو!"

سب جاگ اُٹھے۔ مشعلیں جلا لی گئیں۔ باربرا شور مچا کے ہوئے تھی کہ قیدی بھاگ گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ بہت جلدی گھوڑے دوڑا دیئے گئے۔ انہیں زیادہ دُور نہ جانا پڑا۔ اسحاق کو دو تیروں نے گھوڑے سے گرا دیا تھا اور گھوڑا کچھ دور کھڑا تھا۔ تیر قریب سے چلائے گئے تھے اس لیے جسم میں گہرے اُتر گئے تھے۔ اسحاق ابھی ہوش میں تھا۔ اُسے اٹھا کر لے آئے۔ سربراہ نے اُس سے پوچھا کہ اُسے بھاگنے میں کسی نے مدد دی تھی؟ اس نے جواب دیا ــــ "نہیں۔ میں نے گھوڑا اور زین دیکھی۔ سب سو گئے تھے۔ میں بھاگ اٹھا۔" اُس کے فوراً بعد وہ غشی میں چلا گیا اور غشی ہی میں شہید ہو گیا۔

"میں نے اُسے گھوڑے پر سوار ہوتے اور بھاگتے دیکھا تھا۔" باربرا نے کہا ــــ "اتفاق سے کمان اور ترکش میرے خیمے میں تھی۔ میں نے اٹھائی اور اس کے پیچھے دوڑی۔ پے بعد دیگرے دو تیر چلائے۔ دونوں اُسے لگ گئے ورنہ یہ نکل گیا تھا۔"

"آج ہی یہ اتفاق کیوں ہُوا کہ کمان اور ترکش تمہارے خیمے میں تھی؟" سربراہ نے باربرا سے پوچھا۔

"اور مارٹن! یہ گھوڑا تمہارا تھا۔" سربراہ نے کہا ــــ "یہ کہاں تھا اور زین کہاں تھی؟"

"یہ گھوڑا قنیدی کے خیمے کے قریب بندھا تھا۔" ایک محافظ نے کہا۔

"تم میرے اس کارنامے پر مٹی ڈالنا چاہتے ہو؟" باربرا نے غصے سے کہا ــــ "یہ کوئی اہم راز فاہرہ لے جا رہا تھا۔ میں نے اُسے صرف بھاگنے سے نہیں روکا بلکہ ایک راز فاہرہ پہنچنے سے روکا ہے۔"

یہ دراصل مارٹن کا تیار کیا ہوا ڈرامہ تھا کہ اسحاق کو بھاگنے کی سہولت دو اور باربرا گھات میں بیٹھ کر اُس پر تیر چلائے تاکہ یہ کارنامہ باربرا کے کھاتے میں لکھا جائے۔ مگر اُن کا سربراہ تجربہ کار جاسوس اور سراغرساں تھا اس نے مارٹن اور باربرا کو گہری نظروں سے دیکھا اور کہا ــــ "مارٹن! میں اس پیشے میں تم سے بہت عرصہ پہلے آیا تھا۔ بیروت پہنچنے تک تم اور باربرا کوئی بہتر جواب سوچ لو۔"

یہ ان لوگوں کی ذاتی رقابت اور دوستی دشمنی کی سیاست تھی جس کا شکار سلطان ایوبی کا ایک بڑا ہی قیمتی جاسوس ہو گیا۔

☆

سلطان ایوبی کی پیشقدمی بہت تیز تھی۔ اُس کی فوج آدھی سے زیادہ مسافت طے کر کے اس خلا تک

میں داخل ہو گئی تھی جس پر صلیبیوں کا سایہ پڑا ہوا تھا۔ اُس جگہ تک فوجیوں کا حلیہ ایک جیسا تھا۔ گرد کی تہوں میں کسی کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ مئی کا مہینہ تھا جب سورج کی گرمی تپ رہی تھی۔ سب نے سر پگڑیوں میں لپیٹ رکھے تھے۔ کوئی بھی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکتا تھا۔ رستے ترتیب میں نہیں رہے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے سواروں نے پیادوں کو باری باری گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار کرانا شروع کر دیا۔ فضا میں بے قراری تھی ــــ اور ایک گونج دُور دُور تک سنائی دے رہی تھی ــــ "لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ اکبر" ــــ تھکی ہوئی سپاہی مل کر کوئی ترانہ گاتے تھے اور فوج جنون اور وجد کی کیفیت میں چلی جا رہی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی فوج کے درمیان جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو بھی پانی پینے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اُس نے گھوڑے سے ذرا اوپر اُٹھ کر دیکھا اور گھوڑے کا رُخ بدل کر ایڑ لگا دی۔ اس کی ہوشیار فوج کے دو اور دیگر حلقے جس میں تیز رفتار قاصد تھے اُس کے پیچھے گئے۔ آگے وہی مرتفع تھا جہاں اسحاق ترک شہید ہوا تھا۔ وہ اونٹنی شتروں نے چُنے تھے۔ سلطان ایوبی نے ان ٹیلوں کے درمیان جا کر گھوڑا روک لیا۔ چچا پہلوان کے کمانڈر سے کہا ــــ "صارم دوست! یہاں سے تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔ اپنے دستوں کو پھیلا دو۔ ہر پیش دوسرے سے دُور رہے۔ آگے جانے والے پیش فوراً چلے جائیں۔"

"اور باقی فوج اسی طرح چلتی رہے۔" صارم مئی کے جانے کے بعد سلطان ایوبی نے دوسروں سے کہا ــــ "کچھ بھی ہو جائے فوج پیشقدمی جاری رکھے۔ ہم دشمن کے علاقے میں آ گئے ہیں۔"

احکام اور ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے گھوڑا آہستہ چلایا۔ اُسے ایک طرف زمین پر ایسے نشانات نظر آئے جیسے یہاں کوئی مسافر رُکے ہوں۔ وہیں ایک پیش پڑی نظر آئی جو ریت سے ڈھکی ہوئی تھی۔ یہ سلطان ایوبی کی نظر آئی تھی۔ سلطان رُک گیا۔ پیش کھائی ہوئی تھی۔ ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی نے اس ڈھانچے کو سیدھا کیا۔ پیٹھ پر دو تیر لگے ہوئے تھے۔ چہرے کا گوشت سوکھ گیا تھا۔

"جانے دو۔" سلطان ایوبی نے کہا ــــ "کسی قافلے کا مقتول معلوم ہوتا ہے۔ صحرا میں اکیلا انسان پاگل ہو جاتے ہیں۔"

سلطان ایوبی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ اُس کا اپنا قابلِ اعتماد جاسوس اسحاق ترک تھا جو اُسے یہ بتانے آ رہا تھا کہ بیروت نہ جانا۔ صلیبیوں نے وہاں اپنی فوج کو جس طرح پھیلا رکھا تھا اس کا نقشہ اُس نے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔ اسحاق کی ہڈیوں کا پنجر اُسے کچھ بھی نہ بتا سکا۔

چچا پہلوان اس وقت پیش گئے۔ پیش قدمی کرتی ہوئی فوج کے پہلوؤں میں دور تک پھیل گئے۔ چند ایک پیش ہراول سے بھی آگے نکل گئے اور عقب میں بھی چلے گئے۔ اُن کی جنگ یہ بہت سے دُور ہی سے شروع ہو گئی۔ اس علاقے سے آگے نکل گئے تو رات آ گئی۔ فوج چلتی رہی۔ آدھی رات کے قریب پڑاؤ کا حکم ملا۔ فوج رُک گئی لیکن چچا پہلوان متحرک اور سرگرم رہے۔ اُن کے لیے احکام یہ تھے کہ کوئی مشکوک آدمی نظر آئے، اور وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے ہلاک کر دو۔ کوئی قافلہ دیکھو تو اُسے بھی روک لو اور فوج بہت دُور آگے نکل جائے تو اُسے چلنے کی اجازت دو۔

فوج چلتی رہی۔ رُکتی رہی۔ سورج طلوع ہوتا، مجاہدوں کے اس قافلے کو جھلساتا اور غروب ہوتا رہا، اور سلطان کو پہلی اطلاع ملی کہ صلیبیوں کی سرحد کی ایک چوکی پر اپنے چھاپہ ماروں نے شبخون مار کر سب کو ختم کر دیا ہے۔ ریگزار ختم ہوتا جا رہا تھا۔ درخت بھی نظر آنے لگے تھے اور کہیں کہیں سبزہ بھی دکھائی دیتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی نظر آنے لگے تھے۔

بیروت میں بالڈوِن اپنے مختلف فوجی شعبوں سے رپورٹیں لے رہا تھا۔ اُس کے پاس ابھی یہی اطلاع تھی کہ سلطان ایوبی بیروت کا محاصرہ کرے گا۔ اُس نے اس کا انتظام تو کر لیا تھا لیکن اُسے اس سے آگے کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی کہ سلطان ایوبی نے قاہرہ سے کُوچ کیا ہے یا نہیں۔ اس دوران جاسوسوں کا یہ قافلہ بھی بیروت پہنچ گیا تھا جس نے اسحاق ترک کو پکڑا اور مارا تھا۔ یہ قافلہ بھی بالڈوِن کو کوئی خبر نہ دے سکا۔ بالڈوِن نے دیکھ بھال کے لیے بیس پچیس گھوڑ سواروں کا ایک دستہ آگے بھیجا تھا۔ وہ بھی واپس نہیں آیا تھا۔ وہ واپس آ بھی نہیں سکتا تھا۔

گھوڑ سواروں کا جو دستہ بہت دُور نکل گیا تھا۔ اُسے دُور سے گرد اٹھتی نظر آئی جو کسی قافلے کی نہیں ہو سکتی تھی، زمین سے اُٹھتے ہوئے گرد کے یہ بادل فوج کے ہی اڑائے ہوئے ہو سکتے تھے۔ گھوڑ سوار ٹیلوں کے اندر چلے گئے۔ ان کا کمانڈر ایک ٹیلے پر چڑھا اور دیکھنے لگا۔ کہیں سے ایک تیر آیا جو اُس کی گردن کے آر پار ہو گیا۔ دوسرے سوار نیچے تھے۔ اچانک ان پر تیر برسنے لگے۔ ان میں سے چند ایک نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن صلاح مصری کے چھاپہ ماروں نے کسی کو زندہ نہ جانے دیا۔ اُن کے ہتھیار اور گھوڑے قبضے میں لے لیے گئے۔

کوئی خبر نہ ملنے کے باوجود بالڈوِن اور اُس کے جرنیل مطمئن تھے۔ انہوں نے بیروت کو محاصرے سے بچانے کے لیے نہایت کارگر انتظامات کر رکھے تھے۔ وہ اس لیے بھی مطمئن تھے کہ سلطان ایوبی ابھی قاہرہ سے روانہ نہیں ہوا اور جنگ ابھی بہت دُور ہے، لیکن جنگ شروع ہو چکی تھی۔ جوں جوں سلطان ایوبی آگے بڑھتا جا رہا تھا، چھاپہ ماروں کے حملوں اور سرگرمیوں کی اطلاعیں زیادہ آنے لگی تھیں۔ اب تو یہ اطلاعیں بھی آنے لگی تھیں کہ اتنے میل دُور دشمن کے ایک دستے کے ساتھ جھڑپ میں اتنے چھاپہ مار شہید اور اتنے زخمی ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی ایسی ہر اطلاع پر ایک ہی جواب دیتا ــــ "شہیدوں کو کہیں دفن کر دو.... زخمیوں کو پیچھے بھیج دو۔"

یہ سلطان ایوبی کی جنگی اہلیت کا کمال تھا کہ وہ اپنی فوج کو ایسے علاقے سے صحیح و سالم لے جا رہا تھا جہاں جگہ جگہ دشمن موجود تھا۔ اُس کے تھوڑی تھوڑی نفری کے چھاپہ مار جیش شبخون مارتے، دشمن کی جمعیت کو چھیڑتے اور بیکار کرتے جا رہے تھے۔ بعض شبخون بڑے پیمانے کی لڑائی کی صورت اختیار کر جاتے تھے، لیکن چھاپہ مار جم کر نہیں لڑتے تھے۔ وہ بھاگتے دوڑتے، وار کرتے اور دشمن کی بڑی سے بڑی جمعیت کو بکھیر دیتے تھے۔ یہ جھڑپیں اور خون خرابہ سلطان ایوبی کی فوج سے دُور دُور رہتا تھا۔

سکندریہ میں حسام الدین لولوء کا بحری بیڑہ تیار تھا۔ جہازوں میں جانے والی فوج بھی تیار تھی۔ حسام الدین نے سلطان ایوبی کی مسافت اور رفتار کا حساب اندازے سے رکھا ہوا تھا۔ ایک روز اُس نے فوج کو جہازوں میں سوار ہونے کا حکم دیا اور رات کے وقت جہازوں کے لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے گئے۔ جہاز سمندر کے سینے پر سرکنے لگے۔ کھلے سمندر میں جا کر حسام الدین نے جہازوں کو دُور دُور پھیلا دیا۔ وہ ماہر امیر البحر تھا۔ اُس کے جہازوں میں جو فوج جا رہی تھی اُس کے سالار اور نائب سالار سلطان ایوبی کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ اندھا دھند نہیں جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھ بھال کے لیے تربیت یافتہ فوجی ماہی گیروں کے بہروپ میں چھوٹی چھوٹی بادبانی کشتیوں میں آگے بھیج دیئے تھے۔

دونوں راتوں کی مسافت طے ہو چکی تھی۔ اُفق پر بیروت اُبھرنے لگا تھا مگر کوئی کشتی واپس نہیں آئی تھی۔ حسام الدین نے جہاز روک دیئے اور دیکھ بھال کے لیے ایک اور کشتی اتاری۔ رات کو اُس کے رُکے ہوئے جہاز کے قریب سمندر سے کسی نے چلا کر کہا ــ "رسّہ پھینکو۔ رسّہ پھینکو"۔ رسّہ پھینکا گیا۔ ایک بحری سپاہی اوپر آیا جو ادھ مُوا ہو چکا تھا۔ وہ اُس کشتی میں تھا جو سمندر میں اتاری گئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ اُن کی کشتی کو صلیبیوں کی ایک کشتی نے روک لیا تھا۔ اس میں فوجی تھے۔ حسام الدین کے آدمیوں نے کشتی نکالنے کی کوشش کی۔ تیروں کا تبادلہ ہُوا۔ یہ آدمی سمندر میں کُود گیا۔ اُس کے ساتھی پکڑے گئے یا مارے گئے، اور آدمی یہ خبر لے کر آ گیا کہ آگے دشمن بیدار ہے۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ دیکھ بھال کے لیے پہلے جو آدمی بھیجے گئے تھے وہ بھی پکڑے گئے ہیں اور امکان یہی نظر آتا ہے کہ ان آدمیوں سے دشمن کو بحری بیڑے کی آمد کا علم ہو گیا ہے۔

بحری بیڑہ بیروت سے اتنی دُور تھا کہ سورج غروب ہوتے بادبان کھولے جاتے تو جہاز آدھی رات کو بیروت کے ساحل سے جا لگتے مگر خطرہ یہ تھا کہ ساحل پر صلیبیوں نے آتشیں گولے پھینکنے کے لیے منجنیقیں لگا رکھی ہوں گی، جن سے جہازوں کو بچانا محال ہو جائے گا۔ مگر ان خطروں سے ڈر کر پیچھے رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کو سمندر کی طرف سے مدد کی شدید ضرورت ہو گی.... اس اثنا میں ایک کشتی نظر آئی۔ یہ اپنے بحری بیڑے کی تھی۔ اس کے بحری سپاہی دو صلیبیوں کو سمندر سے پکڑ لائے تھے۔ یہ اُسی کشتی میں تھے جس نے حسام الدین کے بیڑے کی کشتی پر حملہ کیا تھا۔ یہ بھی سمندر میں کود گئے تھے اور تیرتے تیرتے اِدھر اُدھر نکل آئے تھے۔ انہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں زندہ پھینک دینے کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ساحل پر بالڈوِن کی فوج گھات میں ہے اور جہازوں کو آگ لگانے کے لیے منجنیقیں تیار ہیں۔ ان سپاہیوں سے مزید پوچھ گچھ سے معلوم ہُوا کہ بیروت کی فوج اندر کم اور شہر سے دُور دُور زیادہ ہے۔

یہ خبر بڑی خوفناک تھی۔ امیر البحر حسام الدین اور سالاروں نے باہم غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرنگیوں کو ہماری آمد کا پتہ چل چکا ہے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی کو علم ہے یا نہیں۔ فیصلہ ہُوا کہ سلطان کو خبر کر دی جائے۔ اس وقت اُسے بیروت کے قریب ہونا چاہیے تھا۔ اس فیصلے کے تحت اُسی وقت

کیا کروں؟"

"جاسوسی"، حسن نے جواب دیا۔ "صرف ایک بار۔ پہلی اور آخری بار.... لیکن تم اُس وقت تک جاسوسی نہیں کر سکو گی جب تک یہ نہ سمجھ لو کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ انسان اپنے مقصد کی عظمت سے عظیم بنا کرتے ہیں۔ جانتی ہو نورالدین زنگی کا مقصد کیا تھا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو بہت بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ میں اُن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں لیکن تم نے میری ذات میں اور میری آنکھوں میں ایسا تاثر دیکھا ہوگا جس نے تم سے سچ بات کہلوالی ہے۔ یہ دراصل میری ذات کا اثر نہیں یہ میرے مقصد کی عظمت ہے جو مجھے ایمان سے زیادہ عزیز ہے۔ مقصد کی ہی عظمت ہے اور اسی کا تقدس ہے کہ تمہارا یہ حسن اور تمہارے جسم کی یہ کشش جو عبادت گزاروں کو چونکا دیتی ہے، مجھ پر اثر نہیں کر سکی۔ کیوں نہیں کر سکی؟ صرف اس لیے کہ میں انسانوں اور اشیاء کو روح کی نظروں سے دیکھا کرتا ہوں۔"

"میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقصد اچھی طرح جانتی ہوں"، سارہ نے کہا۔ "میں یہ بھی جانتی ہوں کہ صلیبی حکمران مسلمان امراء اور حکمرانوں کو مدد اور عیاشی کا سامان دے کر انہیں سلطان کے خلاف لڑا رہے ہیں — اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ صلیبی عالمِ اسلام کو صلیب کے سائے میں لانا چاہتے ہیں۔ حسن! میں نے یہ مقصد یہاں آکر پہچانا ہے ورنہ میں بھی صلیب کے سیلاب میں بہہ گئی تھی۔ یہ سیلاب مجھے یہاں تک لے آیا ہے۔ یہ بھی سناؤں گی کہ کیسے۔ کچھ دنوں سے مسجدِ اقصیٰ میرے دل پر غالب آگئی ہے۔ دو راتیں گزریں، میں نے خواب میں مسجدِ اقصیٰ دیکھی ہے۔ میں نے ابھی تک یہ مسجد نہیں دیکھی۔ مجھے معلوم نہیں یہ کیسی ہے۔ خواب میں یہ مسجد دیکھی اور اُس کے اندر گئی۔ مسجد خالی اور ویران تھی۔ مجھے ایک گونجدار آواز سنائی دی — 'یہ تیرے خدا کا گھر ہے۔ اسے آباد کرو' — میں دیکھ رہی ہوں کہ آواز کہاں سے آئی ہے لیکن آنکھ کھُل گئی۔ یہ آواز میرے دل میں اُتر گئی ہے.... کیا اسے میں اپنا مقصد بنا سکتی ہوں؟"

"یہ ہر مسلمان کا فرض ہے"، حسن نے کہا۔ "لیکن اس کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ میں بیروت میں ہر لمحہ موت کا انتظار کرتا ہوں۔ میں جس روز پکڑا گیا وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

"میں قربانی دینے کو تیار ہوں"، سارہ نے کہا۔ "مجھے میرا فرض بتاؤ۔"

"تمہیں اس بوڑھی اور مجذوبی عورت نے موصل کے جس ایلچی کی تفریح کے لیے بھیجنے کو کہا ہے، تم اُس کے پاس چلی جاؤ" — حسن نے کہا۔

سارہ نے اُسے اتنی زیادہ حیرت سے دیکھا کہ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔

"ہاں سارہ!" حسن نے کہا — "تمہیں یہ قربانی دینی ہوگی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی عورت کو جاسوسی کے لیے نہیں بھیجا کرتے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ ایک عورت کی عصمت بچانے کے لیے میں ایک مضبوط قلعہ دشمن کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ ہم عصمتوں کے محافظ ہیں، مگر سارہ! تم یہاں موجود ہو۔ ہمیں جو فرض ادا کرنا ہے وہ صرف تمہارے ذریعے ہو سکتا ہے۔ تمہارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی کہ کسی کی تفریح کا سامان بنو۔ میں تمہیں

ایک دو طریقے بتاؤں گا جن سے تم ان بوڑھے مسلمانوں کے سینوں سے راز بھی نکال سکو گی اور اپنی عزت بھی بچا لو گی۔ تمہارا مقصد بڑا پاک اور بلند ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے گا۔"

"مجھے بتاؤ کرنا کیا ہے؟" سارہ نے کہا — "میں بے آبرو لڑکی ہوں۔ اگر خدا بھی مجھ سے یہی قربانی لے کر خوش ہو سکتا ہے تو میں یہ قربانی دینے کو تیار ہوں۔"

"یہ دونوں ایلچی موصل کے حکمران عزالدین کی طرف سے آئے ہیں"، حسن نے اُسے بتایا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف بالڈوِن سے مدد لینے آئے ہیں۔ اس وقت ہماری فوج لفیبہ کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ سلطان کو یہ خوش فہمی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے درمیان خیمہ زن ہیں مگر وہ اپنے مسلمان دشمنوں کے نرغے میں آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے سلطان کو خبردار کرنا ہے کہ صلیبی کیسا جنگی اقدام کریں گے اور موصل اور حلب اور دیگر چھوٹی چھوٹی مسلمان امارتوں کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ کیا وہ صلیبیوں کے اتحادی بن جائیں گے؟" حسن نے اُسے بڑی لمبی تفصیل سے اس کا کام سمجھا دیا اور یہ بھی بتایا کہ صلیبی لڑکیاں مسلمان علاقوں میں جا کر کس طرح مسلمان امراء، سالاروں اور دیگر حکام پر اپنی پُرکشش نسوانیت کا جادو طاری کر کے رازے آتی ہیں۔

حسن نے کہا — "تمہیں خودکشی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ میں تمہیں پاک اور پُرمسرت زندگی میں داخل کر رہا ہوں۔ تم مظلوم لڑکی ہو۔ تمہیں غالباً بچپن میں صلیبیوں نے کسی قافلے سے اغوا کیا تھا۔ انہی نے تمہیں گناہوں کی زندگی میں داخل کیا ہے۔"

"نہیں حسن!" سارہ نے کہا — "میں نے اپنے آپ کو خود ہی اغوا کیا تھا۔ یہ کہانی پھر کبھی سناؤں گی۔ مجھے ابھی یہ کام کرنے دو۔ دُعا کرو اللہ مجھے سرخرو کرے اور میں گناہوں کا کفارہ ادا کر سکوں۔"

بارش تھم گئی تو سارہ اپنے کپڑے پہن کر حسن کے کمرے سے نکلی۔ وہ جب اُس عمارت میں داخل ہوئی جہاں اُس کا کمرہ تھا تو اُسے وہ عورت مل گئی جو ان سب لڑکیوں کی کمانڈر تھی۔ اس نے سارہ کو دیکھا اور مسکرا کر کہا — "رات کو تیار رہنا۔ میرے آدمی نے موصل کے ایک ایلچی کے ساتھ بات کر لی ہے۔ آج رات نہ کہیں ناچ گانا ہوگا نہ کوئی ضیافت۔ میں تمہیں اُس کے کمرے میں چھوڑ آؤں گی۔"

"میں تیار رہوں گی"، سارہ نے کہا۔

☆

موصل کے دونوں ایلچیوں کی حالت بھوکے بھیڑیوں جیسی تھی۔ وہ یہاں عزالدین کا اور اپنا ایمان فروخت کرنے آئے تھے۔ وہ اپنی غداری کو کامیاب بنانے کے لیے اس صلیبی بادشاہ سے مدد لینے آئے تھے۔ یہ بادشاہ اپنے مفاد کی خاطر اور مسلمانوں کے حکمرانوں کو آپس میں لڑانے کی خاطر انہیں شہ، پشت پناہی اور مدد دے رہا تھا۔ ان مسلمان ایلچیوں کے پاس نہ ایمان رہا تھا، نہ فاقی وقار نہ قومی وقار۔ اُن کی دلچسپی اب اس میں رہ گئی تھی کہ شاہ بالڈوِن انہیں زیادہ سے زیادہ عیاشی کرائے اور انعام و اکرام دے۔ اِن دونوں کو بیروت کے گرد و نواح اور سمندر کی سیر کرانے کے

نیے روک لیا گیا تھا۔ اس دوران ناچنے گانے والی لڑکیوں کی کمانڈر نے اپنے ایک آدمی کو اُن کے پاس بھیجا تھا۔ اس آدمی نے انہیں کہا تھا کہ وہ انہیں ایسی لڑکیاں لا دے گا جو انہوں نے کبھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ ان دونوں کی اچھیں کھل گئیں اور معاوضے طے ہو گیا۔ ان میں سے ایک کے پاس سارہ کو بھیجنے کے لیے تیار کیا گیا۔

رات سارہ کو سیاہ لبادے میں چھپا کر ایک ایلچی کے کمرے تک پہنچایا گیا۔ ایلچی جودالمی موصل عزالدین کا فوجی مشیر تھا۔ پچاس سال سے اوپر کی عمر کا آدمی تھا۔ گزشتہ رات اُس نے اس قدر شراب پی لی تھی کہ بیہوش ہو گیا تھا لیکن آج رات وہ اپنے کمرے میں آہستہ آہستہ پی رہا تھا۔ وہ ایک رقاصہ کا انتظار بے تابی سے کر رہا تھا جس کے حُسن کے اُسے افسانے سنائے گئے تھے۔ اُس کا دروازہ کھلا۔ ایک لڑکی سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں مستور اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ ایلچی اُس کی طرف لپکا اور اُس کا چہرہ بے نقاب ہونے سے پہلے ہی بڑے فحش الفاظ بک کر اس سے لپٹ گیا۔ وہ اپنی عمر کو بھی بھول گیا۔

سارہ نے اُس کے بازوؤں سے آزاد ہو کر سیاہ لبادہ کر پرے پھینک دیا۔ اُس نے ایلچی کی طرف دیکھا تو حیرت سے اُس کا منہ کھل گیا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگی حتیٰ کہ اس کی پیٹھ دیوار سے جا لگی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ڈھانپ لیے۔ ایلچی نے سارہ کا چہرہ دیکھا تو اُسے ہچکی سی آئی اور اُس کے منہ سے سرگوشی نکلی ــــ

"سائرہ؟"

سارہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی جیسے اُس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ ایلچی نے گھبرائی ہوئی اور حیرت زدہ آواز میں ایک بار پھر پوچھا "سائرہ؟ تم سائرہ ہو؟" ــــ وہ کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا "نہیں مجھے غلطی لگی ہے۔ تمہاری شکل میری ایک بیٹی سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ اُس کا نام سائرہ ہے۔"

"وہ سائرہ میں ہی ہوں جو آپ کی بیٹی ہے۔" سارہ کی زبان اچانک کھل گئی۔ اُس نے نفرت سے دانت پیس کر کہا "میں ہی آپ کی بیٹی ہوں۔ مکافات میں دوسروں کی بیٹیوں کو نچانے والے کی بیٹی بھی ناچ سکتی ہے۔ میں ایک بے غیرت باپ کی بے غیرت بیٹی ہوں۔"

ایلچی لڑکھڑایا اور پلنگ پر گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گیا۔ اب اس کی زبان بند ہو گئی تھی۔ سائرہ اسی کی بیٹی تھی۔ باپ بیٹی کو جُدا ہوئے نو سال ہو گئے تھے۔

"ایمان فروشوں کی بیٹیاں عصمت فروش ہوا کرتی ہیں۔" سارہ آگے بڑھی اور باپ کے سامنے رُک کر نفرت سے دانت پیسنے لگی۔ اُس نے کہا "آج اپنی غیرت اور اپنی عزت کا انجام دیکھ۔ تُو اپنی بیٹی کی عصمت کا گاہک ہے۔ تیری بیٹی تیری خواب گاہ میں رات گزارنے آئی ہے۔" ــــ سارہ نے تیزی سے ایک ہاتھ آگے کیا اور کہا ــــ "لا، میری اجرت نکال۔ میں رات تیرے ساتھ بسر کرنے آئی ہوں۔"

"تُو... تُو..." اُس کے باپ کی زبان لڑکھڑا کر ہکلانے لگی ــــ "تُو گھر سے بھاگ آئی تھی۔ میں بے غیرت نہیں ہوں، تُو بے غیرت ہے۔"

"جو باپ اپنی جوان بیٹی کے سامنے بیٹی کی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ بے حیائی کی حرکتیں کرتا ہے اللہ اپنی

بیٹی جیسی لڑکیوں کو نچاتا اور شراب کے نشے میں بدمست ہو کر اُس کے ساتھ بیٹی کے سامنے دست درازی کرتا ہے، اُس باپ کی بیٹی غیرت والی نہیں بن سکتی۔ وہ بھی رقاصہ یا طوائف بنتی ہے۔ باپ اُس کی شادی کر دے تو وہ اپنے خاوند کو دھوکے دیتی اور درپردہ کئی خاوند بنائے رکھتی ہے۔ سُن میرے باپ! تجھے نیرا مامی اور اپنا حال بتاتی ہوں۔ میں نے تیرے گھر میں دمشق میں ہوش سنبھالا تو تجھے عورتوں سے پردہ عیش کرتے دیکھا۔ نورالدین زنگی مر گئے تو تُو الملک الصالح کے ساتھ حلب کو بھاگ گیا۔ تُو مجھے اور میری ماں کو بھی ساتھ لے آیا۔ حلب میں تُو شراب بھی پینے لگا۔ تب میں لڑکپن میں تھی۔ تیرے پاس گورے چٹے صلیبی آنے لگے۔ انہوں نے تجھے دولت دی۔ بڑی خوبصورت لڑکیاں دیں اور تو کھلے عام شراب پینے لگا۔ تیرے گھر میں شراب کی محفلیں جمنے لگیں۔ لڑکیاں ناچنے لگیں۔ صلیبیوں نے میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تو تُو خوش ہوا....

"پھر الملک الصالح مر گیا۔ تیرے پاس صلیبی پہلے سے زیادہ آنے لگے۔ تُو پہلے سے زیادہ عیاش ہو گیا۔ عزالدین نے تجھے بہت بڑا عہدہ اور رُتبہ دے دیا۔ میں تیری چہیتی رقاصہ لڑکیوں میں اٹھنے بیٹھنے لگی۔ اُن سے میں نے رقص سیکھا۔ تجھے پتہ چلا تو تُو خوش ہوا۔ صلیبیوں نے مجھے دیکھا تو انہوں نے تیرے سامنے مجھے اپنے سینوں سے لگایا۔ تُو نے بُرا کیوں نہ منایا؟ صرف اس لیے کہ وہ میرے بدلے تجھے یورپ کی ایک لڑکی دے دیتے تھے تُو نے اپنا ایمان بیچ ڈالا۔ صلاح الدین ایوبی کے خلاف سازشیں کیں۔ تیرا کردار ختم ہو گیا۔ تُو یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اپنی بیٹی کو بھی تُو نے اپنی راہ پر ڈال دیا ہے۔ پھر ایک صلیبی نے مجھے سبز باغ دکھائے اور میں تیرے گھر کو خیرباد کہہ کر اپنے خیالوں کی جنت کو روانہ ہو گئی۔ مجھ سے یہ مت پوچھ کہ میں جس طرح آج رات تیری خواب گاہ میں آئی ہوں اس طرح کتنی خواب گاہوں کی رونق بنی ہوں۔ اُس صلیبی نے مجھے محبت کا فریب دے کر مجھے بیچ ڈالا۔ میں تجھ جیسے بے شمار دولت مندوں کی تفریح کا ذریعہ بن کر یروت پہنچی جہاں مجھے شاہی رقاصہ کی حیثیت سے رکھ لیا گیا۔ آج اپنا باپ میری عصمت کا گاہک ہے۔"

ایلچی نے سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔

"آج تُو اپنے ایمان کی قیمت وصول کرنے آیا ہے۔" سارہ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا "تُو فلسطین اور قبلۂ اوّل کا سودا کرنے آیا ہے۔ اپنی بیٹی کی قیمت دینے آیا ہے۔" سارہ کی آواز بھرا گئی۔ اُس نے کہا "یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔ میں باپ کے گناہوں کی سزا بھگت کر اس دنیا سے جا رہی ہوں۔"

اُس کے باپ نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اس کے گالوں کو تر کر رہے تھے۔ اُس نے اُٹھ کر دیوار سے لٹکتی ہوئی تلوار اتاری۔ نیام سے نکالی اور تلوار سارہ کے آگے کر کے کہا ــــ "یہ لو۔ اپنے ہاتھوں مجھے ختم کر دو۔ شاید میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے۔"

سارہ نے اُس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور کہا ــــ "آج رسول اللہ کی اُمت اس مقام پر آ پہنچی ہے جہاں ایک باپ اپنی بیٹی کے ہاتھ میں تلوار دے کر یہ کہنے کی بجائے کہ جا بیٹی قبلۂ اوّل کو اس تلوار سے آزاد اور آباد کر، یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے اس تلوار سے قتل کر کے میرے گناہوں کا کفارہ ادا کر دے۔" اپنے باپ کی جذباتی حالت اور

شرمساری کے آنسو دیکھ کر سارہ کا لہجہ بدل گیا۔ باپ کا تازہ خون آیا۔ اُس نے کہا ۔" مرکر ہی گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زندہ رہو اور دشمن کو قتل کرو۔ میں آپ کو بتاؤں؟"

باپ نے شکست خوردگی کے انداز سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

"شاہ بالڈوِن کے ساتھ آپ نے جو معاہدہ کیا ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کے لیے جو منصوبہ تیار اور طے کیا ہے وہ مجھے بتا دیں۔" سارہ نے کہا ۔" میں یہ سلطان تک پہنچا دوں گی۔ اس سے بڑی نیکی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپ کے سارے گناہ بخشے جائیں گے۔" باپ خاموشی سے سُن رہا تھا۔ سارہ نے کہا۔ "ہم دونوں کی نجات اس میں ہے کہ ہم دونوں یہاں سے فرار ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ جائیں۔ اور آپ اسے ساری بات اپنی زبانی سنا دیں۔"

"میں تیار ہوں۔" باپ نے کہا ۔" لیکن ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟"

"انتظام ہو جائے گا۔" سارہ نے کہا۔

باپ نے بیٹی کو گلے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے اپنے گناہوں نے اس سے مختیار ڈلوا لیے تھے۔

☆

لڑکیوں کی کمانڈو عورت بہت خوش تھی کہ اُسے بڑا موتا گاہک مل گیا ہے۔ وہ اطمینان سے سو گئی۔

اُسے معلوم تھا کہ سارہ صبح واپس آئے گی مگر سارہ حسن الادریس کے کمرے میں تھی۔ اُس نے جب حسن کو بتایا کہ اس کا گاہک اس کا باپ تھا تو حسن کو چکر آ گیا تھا۔ سارہ نے حسن کو سنایا کہ اُس کے اس باپ نے گھر کا ماحول کس قدر گناہ آلود بنا رکھا تھا اور وہ کس طرح انہی گناہوں کی شیدائی ہو کر ایک صلیبی کے ساتھ گھر سے بھاگی اور کس طرح اس مقام تک پہنچی تھی۔ سارہ نے اُسے بتایا کہ اُس کا باپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس جانے کو تیار ہے۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ تمہارا مقصد پاک ہے۔" حسن نے کہا ۔" مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے گا۔ خدا نے میری اُمید پوری کر دی ہے..... اب میں تمہارے باپ سے ملوں گا اور اُسے کہوں گا کہ تیار رہنا۔"

دن کو حسن سارہ کے باپ سے ملا۔ بچ بچ کر بات کی۔ اس کی غیرت کو جھنجھوڑا اور جب دیکھا کہ وہ بہت ہی نادم ہے تو حسن نے اُسے وہاں سے نکلنے کا سہل طریقہ بتایا۔ اس کے ساتھ ساری بات طے کر کے وہ سارہ سے اُس محفوظ جگہ ملا جہاں وہ کبھی کبھی ملا کرتے تھے۔ سارہ کے باپ نے اپنے میزبانوں سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اکیلے ذرا سیر کے لیے جانا چاہتا ہے۔ اُسے گھوڑا دے دیا گیا۔ وہ اپنے ساتھی ایلچی کو یہ بتا کر چلا گیا کہ شام تک لوٹ آئے گا۔

وہ شہر سے نکلا تو ایک جگہ حسن گھوڑے پر سوار اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ایک اور جگہ سارہ چھپی ہوئی تھی۔ اُسے باپ نے اپنے گھوڑے پر سوار کرا لیا اور وہ نصیبہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

وہ بچ بچ اور چھپ چھپ کر چلتے رہے۔ بہت دُور نکل گئے تو انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ سفر بہت لمبا تھا جو انہوں نے ایک رات اور ایک دن میں طے کر لیا۔ بیروت کے سراغرسانوں کے لیے شاہ بالڈوِن تہر

بنا ہوا تھا۔ موصل کا ایک ایلچی لاپتہ ہو گیا تھا۔ ایک شاہی رقاصہ جو شاہ بالڈوِن کو ذاتی طور پر اچھی لگتی تھی، غائب تھی اور گلبرٹ جیکب نام کا ایک خصوصی ایجنٹ بھی لاپتہ تھا۔ تینوں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ لڑکیوں کی کمانڈو عورت کی زبان بند تھی۔ وہ کسی کو بتانے سے ڈرتی تھی کہ اُس نے سارہ کو گم شدہ ایلچی کے کمرے میں بھیجا تھا۔ بیروت میں صرف ایک آدمی کو معلوم تھا کہ یہ تینوں کہاں ہیں۔ اس آدمی کا نام حاتم تھا مگر حاتم گمنام سا نفل ساز تھا۔ اُسے وہی لوگ جانتے تھے جو اُس سے گھوڑوں کو نعل چڑھوایا کرتے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ غریب سا نفل ساز سلطان ایوبی کے اُس جاسوس گروہ کا لیڈر ہے جو بیروت کے اندر سرگرم ہے۔ سراغرساں اپنے قیافوں اور قیاس آرائیوں سے اندازے ہوتے جا رہے تھے۔

حسن الادریس، سارہ اور اس کا باپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ سلطان ایوبی عادت کے مطابق خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ سارہ کا باپ اُسے بتا چکا تھا کہ بالڈوِن کے ساتھ اُس نے کیا منصوبہ تیار کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلا لیا اور نقشہ سامنے رکھ کر انہیں بتانے لگا کہ صلیبیوں کا منصوبہ کیا ہے اور ان کے خلاف وہ کیا کارروائی کرنا چاہتا ہے۔

☆

چلے قافلے حجاز کے

اس خبر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو حیران نہ کیا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں، عماد الدین اور عزالدین نے صلیبیوں کے ساتھ اس کے خلاف درپردہ گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ یہ تو جیسے اُس دَور میں رسم بن گئی تھی کہ چھوٹے بڑے مسلمان امراء صلیبیوں کے ساتھ درپردہ دوستانہ گانٹھنے لگے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سلطان ایوبی ان سب کو ایک خلافت کے تحت لاکر انہیں ایک متحد قوم بنانا چاہتا تھا مگر یہ امراء اپنی الگ الگ ریاستیں برقرار رکھ کر ان کے حکمران بنے رہنے کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ ان کا یہ مقصد صلیبیوں کی دوستی سے پورا ہو سکتا ہے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ان سب میں اہم حکمران عزالدین اور عماد الدین تھے۔ ان کی ریاستیں، حلب اور موصل، محلِ وقوع، وسعت، دفاعی استحکام وغیرہ کے لحاظ سے جنگی اہمیت کی حامل تھیں۔ صلیبی اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کے یہ دونوں مقام اُن کے قبضے میں آجائیں یا یہ سلطان ایوبی کے قبضے میں نہ چلے جائیں، کیونکہ ان پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو جانے سے افواج اور رسد وغیرہ کے لیے دو ایسے اڈے مل جاتے تھے جہاں سے وہ آسانی سے بیت المقدس پر فوج کشی کر سکتا تھا۔

"ربِ کعبہ کی قسم! میں حلب اور موصل پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا۔" سلطان ایوبی نے متعدد بار کہا تھا۔ "میں کسی مسلمان ریاست میں سے اپنی فوجیں گزارنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ میرا مدعا یہ ہے کہ یہ امراء اور حکمران صلیبیوں کے خلاف متحد ہو جائیں، خلافتِ بغداد کے وفادار ہو جائیں جو قرآن کا حکم ہے۔ میں انہیں اپنے زیرِ نگین نہیں کروں گا۔ میں خلیفہ نہیں ہوں۔ میں تو خود خلیفہ کا پیروکار اور خادم ہوں۔"

خلافت کے تحت آجانے سے ان لوگوں کو یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ اُن کی عیاشیاں بند ہو جائیں گی اور صلیبیوں کی طرف سے انہیں لڑکیوں اور شراب کے جو تحفے ملتے تھے وہ بند ہو جائیں گے۔ وہ حکومت، دنیا کی جھوٹی شان و شوکت اور عیش و عشرت کے عادی ہو گئے تھے۔ اُن کی نظروں میں سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔

۱۱۸۳ء کے اوائل میں سلطان صلاح الدین ایوبی نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنی تھی مگر اُسے مسلمان امراء کی نیت میں فتور نظر آرہا تھا۔ وہ اب یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ حلب اور موصل کے والیان کی درپردہ سرگرمیاں کیا ہیں اور صلیبی کیا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

اُسے اپنے جاسوس حسن الادریس نے بیروت سے آکر پوری اطلاع دے دی۔ اس جاسوس نے دوسرا کارنامہ یہ کر دکھایا کہ عزالدین کے ایک فوجی مشیر اور اُس کی بیٹی کو جو گھر سے بھاگ کر بیروت میں صلیبیوں کے پاس رقاصہ تھی، اپنے ساتھ لے آیا۔ حسن الادریس سلطان ایوبی کے پاس آیا اور بتایا کہ عزالدین نے بیروت دو ایلچی صلیبیوں کے پاس جنگی امداد لینے بھیجے ہیں۔ سلطان ایوبی اس اطلاع پر حیران نہ ہوا، البتہ یہ اطلاع اس کے لیے اہم تھی۔ اس نے اسی

وقت سالاروں کو بلا لیا اور نقشہ سامنے رکھ کر انہیں بتایا کہ صلیبیوں کا منصوبہ کیا ہے۔

عزالدین کا جو ایلچی بیروت صلیبیوں سے مدد لینے گیا تھا اس کا نام احتشام الدین تھا۔ اب سلطان ایوبی کے پاس اس کی حیثیت ایک قیدی کی تھی لیکن سلطان ایوبی نے احترام سے اپنے سالاروں کے ساتھ بٹھایا۔ احتشام الدین کو تقریباً ہر ایک سالار جانتا تھا۔ کوئی اسے حقارت سے گھور رہا تھا اور کسی کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے کہ وہ ان کے درمیان بیٹھا ہے اور قید ہے۔ سلطان ایوبی نے حسن الادریس کی رپورٹ سن لی تھی۔

"مجھے اُمید ہے کہ ہمارا دوست احتشام الدین آپ کو خود ہی بتائے گا کہ عزالدین اور عمادالدین کی نیت کیا ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں احتشام الدین پر الزام عائد نہیں کرتا کہ یہ ہمارے خلاف لڑنے کے لیے صلیبیوں سے جنگی امداد لینے گیا تھا۔ اسے والیٔ موصل عزالدین نے بھیجا تھا۔ یہ عزالدین کا ملزم ہے۔"

"سلطانِ محترم!" ایک سالار نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ مجھے یہ کہنے سے نہیں روکیں گے کہ احتشام الدین اپنے حکمران کا معمولی سا ملازم نہیں۔ یہ اُس کا فوجی مشیر ہے۔ یہ سالار ہے۔ اسے اپنے حکمران کو ایسا مشورہ نہیں دینا چاہیے تھا کہ صلیبیوں سے مدد حاصل کی جائے۔"

"مجھے حکم دیا گیا تھا۔" احتشام الدین نے جواب دیا۔ "اگر میں حکم عدولی کرتا تو....."

"تو آپ کو جلاد کے حوالے کر دیا جاتا۔" ایک نائب سالار نے کہا۔ "آپ نے موت کے ڈر سے اپنے بادشاہ کا ایسا حکم مانا جو آپ کی اپنی قوم اور اپنے مذہب کی ذلت کا باعث ہے۔ کیا ہم اپنے گھروں سے دُور، اپنی اولاد سے بے خبر، اپنے آپ سے بے نیاز یہاں اپنی عمریں لمبی کرنے بیٹھے ہیں؟ ایک مدت سے ہم ان چٹانوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور رات اس پتھریلی زمین پر سوتے ہیں جب آپ حلب کے محل میں شہزادوں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ شراب پیتے ہیں۔ ناچنے والی حسین یہودی، صلیبی اور مسلمان لڑکیاں آپ کا دل بہلاتی ہیں اور آپ نرم بستر پر سوتے ہیں جن پر مخمل کے چغہ پوش بچھے ہیں۔ ہم یہاں مرنے آئے ہیں۔ ہمارے رفیقوں کی لاشیں جانے کہاں کہاں گم ہو گئی ہیں۔ ہمارے سپاہیوں کی ہڈیاں سارے خلاتے میں بکھر گئی ہیں۔ تم کسی شہید کی کوئی ہڈی دیکھو گے تو کہو گے یہ کسی جانور کی ہڈی ہے۔ عیش و عشرت نے تمہاری نظروں میں شہیدوں کو شراب میں ڈبو دیا ہے۔ دوست اور دشمن کو ایک کر دیا ہے۔ ہم مرنے آئے ہیں تو تمہیں جینے کا کیا حق ہے؟"

"احترام!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "احتشام الدین نے میرے پاس آ کر گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اگر اسے فدیہ دینا ہوتا تو میں بھی دے سکتا تھا۔"

"سلطانِ ذی شان!" ایک اور سالار نے کہا۔

"خدا کے لیے مجھے صرف سلطان کہو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے شان و شوکت سے دُور رہنے دو۔ مجھے بادشاہ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں سپاہی ہوں، مجھے سپاہی رہنے دو.... کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں احتشام الدین کو اور اپنے ان تمام ہتھیار بند بھائیوں کو جو یہاں موجود ہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو سالار اپنے حکمران کا اتنا غلام ہو جاتا ہے کہ اُسے خوش کرنے کے لیے اس کا غلط حکم بھی مان لیتا ہے، وہ اپنی قوم کی عزت کا

تحفظ نہیں کرتا ہے۔ قوم کی عزت کے محافظ ہم ہیں۔ سلطنت کا مالک بادشاہ یا سلطان نہیں۔ ہم فوج ہیں۔ وقت ہم میں سے گزر رہے ہیں، یہ سپاہی کا دور ہے، یہ جہاد کا دور ہے۔ اگر خلیفہ اور سلطان سلطنت کا لالچ دے کر ہمیں صلیبیوں سے نہیں لڑائیں گے تو اللہ کے سپاہی انہیں اپنا اور اسلام کا دشمن سمجھیں گے جیسے یہ صلیبی ہیں۔ اور جب احتشام الدین کی طرح اللہ کے سپاہیوں پر بھی سلطان بننے کا نشہ طاری ہو جائے گا تو اللہ کی فوج کے گھنٹے بجیں گے۔"

"اسلام پر جو بھی دور آئے گا وہ اللہ کے سپاہی کا دور ہوگا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "جب تک اسلام زندہ ہے کفار اسلام کے دشمن ہی رہیں گے۔ آج ہمارے سالاروں کے دلوں میں جاہ و حشمت کی جو خواہش پیدا ہوئی ہے، وہ کسی بھی وقت اسلام کو لے ڈوبے گی۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ اسلام زندہ رہے گا مگر اس شیر کی صورت میں جسے [illegible] سدھا لیا گیا ہو اور اُسے فراموش کرا دیا گیا ہو کہ وہ بادشاہ ہے۔ یہ شیر زنجیروں سے بھی آزاد ہے کہ انسان کف کی انگلیوں پر ناچیں گے۔ اللہ کا سپاہی موجود ہوگا مگر اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہوگی۔ اگر تلوار ہوگی تو وہ کسی صلیبی کی دی ہوئی ہوگی جسے وہ نیام سے باہر نکالنے کے لیے صلیبی سے اجازت لے گا۔" سلطان ایوبی بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ اس نے نظریں گھما کر سب کو دیکھا اور بولا۔ "میں بھی باتوں میں اُلجھ گیا ہوں۔ میرے رفیقو! ہم جس کام کے لیے آئے ہیں اس بحث میں پڑ گئے کہ یہ گناہ کس کا ہے اور وہ خطا کس کی ہے، اور کون سچا اور کون جھوٹا ہے تو ہم رات تک باتیں ہی کرتے رہیں گے.... احتشام الدین تمہیں بتائے گا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں نے صلیبیوں کے ساتھ کیا سودا کیا ہے اور ہمیں کس قسم کے دشمن سے کس قسم کی لڑائی لڑنی پڑے گی۔"

☆

احتشام الدین اُٹھا اور سب کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سب کو نظریں گھما کر دیکھا اور بولا۔ "میرے دوستو! میں تمہاری نظروں میں حقارت اور قہر دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں حق پہنچتا ہے کہ میرے لیے سزائے موت تجویز کرو۔ میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہوں۔ یہ درست ہے کہ میں نے والیٔ موصل عزالدین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا ایمان فروخت کیا اور اس کا ایلچی بن کر بیروت گیا اور صلیبیوں سے مدد مانگی، مگر یہ بھی درست ہے کہ جس طلسم نے میری عقل اور میرے ایمان کو اپنے قبضے میں لیا اس سے تم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ کیا تم میں سے سالار اور حاکم خطاری کا جرم کرنے نہیں پکڑے گئے؟ ان میں بہت سے ایسے تھے جن پر سلطان کو اتنا اعتماد تھا جتنا انہیں اپنی ذات پر ہے مگر وہ ایمان فروش نکلے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسانی فطرت میں ایک ایسی کمزوری ہے جو انسان کو عیش و عشرت میں ڈال دیتی ہے، اور جہاں کے روز و شب میں حکومت اور معاشرے میں گناہ کی ترغیب دینے والی باتیں ہوں، وہاں زاہد بھی عیش پسند اور گناہگار بن جاتے ہیں۔ ہر کوئی امیر اور سلطان بننے کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ کسی کی ذات کا قلعہ مسمار ہو جاتا ہے....

"اگر تم مجھے گناہگار سمجھتے ہو تو میری تلوار سے میرا سر تن سے جدا کر دو۔ اگر مجھے توبہ کا موقع دیتے ہو تو میں عظمتِ اسلام کی پاسبانی اور سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع کے لیے تمہاری بہت مدد کر سکتا ہوں۔"

سارہ جیسی حسین لڑکی کا جیکب کو پسند کرنا کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ جیکب مردانہ حسن اور وجاہت کا شاہکار تھا۔ چند اور لڑکیوں نے بھی اس کے ساتھ دوستی کی پیش کش کی تھی لیکن جیکب ان سے دُور ہی رہا تھا۔ دور رہنے کی وجہ تھی کہ یہ سب ناپاک اور عصمت بریدہ لڑکیاں تھیں۔ جیکب نے اُن کی پیش کش ٹھکرا کر اپنی قیمت چڑھالی اور اپنی کشش میں اضافہ کر لیا تھا۔ وہاں تو یہ عالم تھا کہ بدکاری کو گناہ کی بجائے تفریح بلکہ جائز تفریح سمجھا جاتا تھا۔ پہلی ملاقات میں جیکب سارہ کو بھی ایسی ہی بدکار لڑکی سمجھا تھا لیکن سارہ میں سنجیدگی اور متانت سی تھی جو جیکب کو اچھی لگی تھی۔ سارہ کو جب یہ پتہ چلا کہ جیکب شراب بھی نہیں پیتا تو وہ اُسے زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔ پھر ایک رات سارہ نے اُس کے منہ سے اپنی تعریف کرانے کے لیے پوچھا تھا۔ "تم نے میرے رقص کی کبھی تعریف نہیں کی۔ دوسرے لمحے راستے میں رک کر میرے نن اللہ جسم کی تعریف کیا کرتے ہیں؟"

"میری زبان سے تم اپنے تن کی تعریف کبھی نہیں سنو گی"۔ جیکب نے جواب دیا۔ "البتہ تمہارے جسم میں جادو کا سا اثر ہے۔ بہت اچھا جسم ہے۔ خدا نے تمہارے چہرے مہرے میں جو کشش پیدا کی ہے وہ خدا کے بندوں کی نظروں کو جکڑ لیتی ہے لیکن یہ جسم ناچتا ہوا اچھا نہیں لگتا، نہ کسی کو انگلیوں پر نچاتا ہوا اچھا لگتا ہے۔ یہ جسم کسی ایک مرد کی ملکیت ہوتا۔ وہ مرد چھ کلمے پڑھ کر اس جسم کو احترام اور پیار کے ساتھ مستور کر کے لے جاتا تو اس جسم پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی۔ تم خدا کی توہین کر رہی ہو۔"

"جیکب؟" سارہ نے اسے حیران سا ہو کے کہا۔ "تم کون سے چھ کلموں کی بات کر رہے ہو؟ عیسائی اپنی دلہنوں کو مستور کر کے بھی نہیں لے جاتے۔"

جیکب گھبرا گیا، پھر اچانک قہقہہ لگا کر بولا۔ "میرے دماغ پر مسلمان سوار رہتے ہیں۔ میری اپنی تو شادی ہوئی نہیں، مسلمانوں کی شادیاں دیکھتی ہیں۔"

اُس نے وضاحت کی کہ "چھ کلمے" اُس کے منہ سے نکل گئے ہیں مگر سارہ اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی، پھر وہ چپ سی ہو گئی اور خلاؤں میں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ بے تاب سی ہو کر اُس نے جیکب کے بازو پر ہاتھ رکھا اور پوچھا۔ "تم مسلمان تو نہیں ہو جیکب؟ میرا کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ تم جاسوس ہو۔ ہو سکتا ہے ملازمت کی خاطر تم نے اپنے آپ کو عیسائی بنا رکھا ہو یا عیسائی مذہب قبول کر لیا ہو۔"

"جیکب مسلمان نہیں ہوا کرتے سارہ!" جیکب نے کہا۔ "میرا نام گلبرٹ جیکب ہے..... تم اتنی پریشان اور اداس کیوں ہو گئی ہو؟ معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں مسلمانوں کے خلاف اتنی نفرت ہے کہ تم ان کھسل کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔"

"تمہیں زندگی کی ایک بات بتاؤں؟" سارہ نے کہا۔ "شاید تم اچھا نہ جانو۔ مجھے مسلمان اچھے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ وہ چھ کلمے پڑھ کر اپنی دلہنوں کو مستور کر کے لے جاتے ہیں۔" اس نے آہ بھر کر کہا۔ "عورت عریاں کر دی جاتی ہے تو اُسے احساس ہوتا ہے کہ مستور ہونے میں جو روحانی قرار تھا وہ چھن گیا ہے۔ ناچنے میں بھی لذت نہیں اور اپنے حسن کا جادو طاری کر کے دوسروں کو انگلیوں پر نچانے میں بھی قرار نہیں۔ میں جب تنہائی میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں تو آئینے میں مجھے ایک نامانوس عورت نظر آتی ہے۔ میں اپنے عکس کو مستور نہیں کر سکتی۔ اس پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ البتہ میری روح پر سیاہ پردہ پڑا ہے۔"

"تم اس پیشے سے اتنی متنفر ہو تو نکل بھاگو یہاں سے۔" جیکب نے کہا۔

"کدھر کو؟" سارہ نے کہا۔ "یہاں سے بھاگوں گی تو کسی قحبہ خانے والوں کے قبضے میں آ جاؤں گی..... کیا تم میرے رقص کو پسند کرتے ہو یا مجھے؟"

"میں اُس سارہ کو پسند کرتا ہوں جو اس پیشے سے نفرت کرتی ہے، اداس اور پریشان رہتی ہے۔" جیکب نے کہا۔ "میں کہہ چکا ہوں کہ تم خدا کی توہین کر رہی ہو۔"

"تم فوج میں کس طرح آ گئے ہو؟" سارہ نے کہا۔ "تمہیں کسی دیہاتی گرجے میں پادری ہونا چاہیے تھا... تم ہر روز کتنی شراب پیتے ہو؟"

"اس کی بُو سے بھی نفرت ہے۔"

"پھر تم مسلمان ہو۔" سارہ نے وثوق کے لہجے میں کہا۔ "اگر تم نہیں تو تمہارا باپ مسلمان تھا۔ تم عورت کو مستور دیکھنا چاہتے ہو۔ تمہیں رقص پسند نہیں۔ تمہیں شراب کی بُو سے بھی نفرت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ مجھے تو جو کوئی بھی دیکھتا ہے کھا جانے کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ تم میرے دل کے درد کو سمجھتے ہو نا؟"

"سمجھتا ہوں سارہ!" جیکب نے کہا۔ "یہ درد میرے دل نے محسوس کیا تھا۔"

پھر وہ کئی بار ملے۔ سارہ جیکب کے ساتھ دل کی باتیں کیا کرتی تھی۔ اُس نے جیکب سے کئی بار کہا تھا کہ تمہاری چال ڈھال اور تمہارے خیالات مسلمانوں جیسے ہیں۔ جیکب نے کئی بار اُس سے پوچھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اتنا زیادہ پسند کیوں کرتی ہے؟ سارہ نے کبھی کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ دونوں نے یہ مرد محسوس کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دل میں اُتر گئے ہیں۔

☆

ضیافت کی رات جب جیکب اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر کسی اور طرف جا رہا تھا تو سارہ کی رہائش کی طرف چل پڑا۔ ضیافت میں سارہ کی غیر حاضری کی وجہ بیماری ہی ہو سکتی تھی۔ اس عمارت میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جیکب نے وہاں جانے کا خطرہ اس لیے مول لے لیا کہ تمام لڑکیاں ضیافت میں گئی ہوئی تھیں اور وہاں ملازم عورتیں بھی نہیں تھیں۔ جیکب اندھیری طرف سے گیا وہ سارہ کا کمرہ جانتا تھا۔ وہ دبے پاؤں کمرے کے دروازے تک پہنچا۔ ہاتھ لگایا تو کواڑ کھل گیا۔ ایک کمرے سے گزر کر وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں چھوٹی سی قندیل جل رہی تھی جس کی مدھم سی روشنی میں اُسے سارہ سوئی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اُسے یہ لڑکی دودھ پیتے بچے کی طرح معصوم لگی۔ اُس کا ہاتھ اپنے ہی بکھرے ہوئے بالوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ بحیرۂ روم کی ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں سے سارہ کے بکھرے ہوئے بال آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ جیکب نے ہاتھ اُس

کی پیشانی پر رکھا۔ پیشانی اتنی ہی گرم تھی جتنی اُس عمر کی سوئی ہوئی لڑکی کی گرم ہونی چاہیے تھی۔ جیکب کو یہ اطمینان ہو گیا کہ سارہ کو بخار نہیں۔

"تم خلستان کا پھول ہو جو بادشاہوں کی خواب گاہوں میں اگ کر مرجھا جاتا ہے۔" جیکب نے دل ہی دل میں سارہ سے کہا۔ "تم صبح کا ستارہ ہو جو سورج کی چمک سے بجھ جاتا ہے اور رات کو پھر چمک اٹھتا ہے۔ تمہاری زندگی راتوں کے اندھیرے میں بیت رہی ہے۔ تمہاری قسمت اندھیرے میں لکھی گئی تھی.... تم مجھے کیوں اچھی لگتی ہو؟ مجھ سے بار بار کیوں پوچھتی ہو کہ میں نے چھ کلموں کا ذکر کیوں کیا تھا؟ تم کسی مسلمان ماں کی کوکھ کی پیداوار تو نہیں؟ تمہاری رگوں میں کسی مسلمان باپ کا خون تو نہیں؟ اس راز سے پردہ کون اٹھائے گا؟ میں تمہارے لیے راز ہوں تم میرے لیے راز ہو۔"

جیکب کو یاد آگیا کہ صلیبی فوجی مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ ان کی بچیوں کو اٹھا لے جاتے ہیں اور انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر جاسوسی اور بے حیائی اور رقص کی تربیت دیتے ہیں۔ سارہ بھی شاید انہی بدنصیب لڑکیوں میں سے ہوگی، ورنہ یہ قوم احساسات اور جذبات کے لحاظ سے مُردہ اور بے حیائی میں پوری فرنگ زندہ ہوتی ہے۔ جیکب بھول گیا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ کسی مرد کو ان کمروں میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ سارہ اُس کے دل میں ایسی اتری تھی کہ وہ خطروں سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اُس سے رہا نہ گیا۔ اُس نے قندیل بجھا دی اور اس کے ساتھ ہی سارہ کی آنکھ کھل گئی۔

جیکب کو اُس کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کون ہو؟"

"جیکب۔"

"اس وقت یہاں کیوں آگئے ہو؟" سارہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں محبت بھی تھی ہمدردی بھی۔ "کسی نے دیکھ لیا تو تم سیدھے قید خانے میں جاؤ گے۔ مجھے باہر بلا لیا ہوتا۔"

"یہ پریشانی مجھے اس خطرے میں لے آئی ہے کہ تم بیمار ہو۔" جیکب نے اندھیرے میں اُس کے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "روشنی اس لیے گل کر دی ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ میں کسی اور نیت سے نہیں آیا سارہ! معلوم نہیں کیا کشش ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے۔ تمہیں بخار تو نہیں؟"

"میری روح خیل ہے۔" سارہ نے کہا۔ "میں تو جب بھی محفلوں اور ضیافتوں میں ناچتی ہوں میرا دل ساتھ نہیں ہوتا۔ میرا جسم ناچتا ہے اور روح مرجھاتی ہے، مگر آج جب مجھے کہا گیا کہ موصل سے دو بڑے ہی اہم مہمان آرہے ہیں تو روح کے ساتھ میرا جسم بھی بے جان ہو گیا۔ مجھے متلی آنے لگی اور سر چکرانے لگا۔ مجھے ان بادشاہوں کی جنگوں نہ ان کے امن اور دوستی کے معاہدوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں لیکن میرے کانوں میں جب یہ بات پڑی کہ موصل سے اہم مہمان آرہے ہیں تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے صلیبیوں اور مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ میرا گہرا تعلق ہے۔ میں ابھی تک یہ نہیں سوچ سکی کہ میرا روحانی تعلق کس کے ساتھ ہے، صرف یہ احساس جاگ اُٹھا کہ میں ہی محفل میں نہیں ناچ سکوں گی۔ میں موصل کے مہمانوں کا سامنا نہیں کر سکوں گی یا وہ مجھے دیکھ کر وہاں سے بھاگ جائیں گے۔"

"کیوں؟" جیکب نے پوچھا۔ "موصل والوں کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں بتا نہیں سکتی۔" سارہ نے کہا۔ "میں تو اپنے آپ کو بھی یہ بتانے سے ڈرتی ہوں کہ موصل والوں کے ساتھ میرا کیا تعلق ہے۔"

"سارہ!" جیکب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "تم اپنا آپ مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو؟ کیا تمہیں کسی قافلے سے اغوا کیا گیا تھا؟ تم کس باپ کی بیٹی ہو؟"

سارہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ جیکب چونک اُٹھا۔ دونوں نے کھڑکی کی طرف دیکھا جو کھلی ہوئی تھی۔ وہاں ایک سایہ کھڑا نظر آیا۔ سارہ نے جیکب کے کان میں سرگوشی کی۔ "پلنگ کے نیچے چلے جاؤ۔" جیکب نے انتہائی سے نادہ اٹھایا۔ آہستہ سے سرک کر فرش پر آیا اور بغیر آواز پیدا کیے بغیر پلنگ کے نیچے چلا گیا۔ سارہ لیٹ گئی۔

"سارہ!" کھڑکی کے ساتھ کھڑے سائے کی آواز آئی۔ یہ ایک بڑھی عورت کی آواز تھی جو بعض راتیں ناچنے گانے والیوں کو دیکھا کرتی تھی کہ کوئی لڑکی غیر حاضر تو نہیں۔

اُس کی آواز پر سارہ نہ بولی۔ عورت نے اُسے ایک اور آواز دی۔ سارہ پھر بھی نہ بولی۔ عورت نے تھکا ہوا سے میں کہا۔ "سارہ تم سوئی ہوئی نہیں ہو۔ مجھے جواب دو۔ قندیل کیوں بجھی ہوئی ہے؟"

سارہ نے منہ سے ایسی آواز نکالی جیسے ہڑبڑا کر جاگ اٹھی ہو۔ گھبراہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔ "کون ہو؟ کیا ہو گیا ہے؟"

"میں اُدھر سے آکر بتاتی ہوں۔" عورت کا سایہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ وہ دروازے کی طرف سے آنا چاہتی تھی۔ سارہ نے جھک کر جیکب سے کہا۔ "وہ دوسری طرف سے آرہی ہے۔ باہر آؤ اور کھڑکی سے کود جاؤ۔"

"نہیں سارہ!" جیکب نے پلنگ کے نیچے سے نکل کر کہا۔ "میں اسے جانتا ہوں۔ آنے دو اسے۔ میں اس کی مٹھی گرم کر دوں گا تو خاموشی سے چلی جائے گی۔"

"یہ خبیث عورت ہے۔" سارہ نے کہا۔ "یہ در پردہ لڑکیوں کی دلالی کرتی ہے۔ تم فوراً نکلو یہاں سے، ورنہ میرا جھوٹ مجھے مروا دے گا۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔"

وہ عورت ابھی دروازے تک آئی ہی تھی کہ جیکب کھڑکی سے باہر کود گیا۔ سارہ نے قندیل جلا دی۔ عورت اندر آئی۔ جسم کے لحاظ سے وہ عورت کم اور مرد زیادہ تھی۔ وہ سارہ پر برس پڑی۔ سارہ نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کمرے میں اور کوئی نہیں تھا اور وہ شاید خواب میں بول رہی ہوگی۔ عورت نے اُسے کہا کہ خواب میں عورت کی آواز مرد جیسی بھاری نہیں ہوا کرتی۔

"یہ کیا ہے؟" عورت نے جھک کر پلنگ کے قریب فرش پر گرا ہوا ایک رومال اٹھایا۔ یہ گز بھر لمبا اور اتنا ہی چوڑا کپڑا تھا جو مرد گرمی سے بچنے کے لیے سر پر ڈال لیا کرتے تھے۔ "یہ کس کا ہے؟ یہ اُس کا ہے جو تمہارے پاس آیا بیٹھا تھا۔ وہ کون تھا؟ تم نے اُس سے کتنی رقم لی ہے؟"

"میں عصمت فروش نہیں۔" سارہ نے غصے سے کہا۔ "میں رقاصہ ہوں۔ تم جانتی ہو میں کسی مرد سے منہ نہیں لگاتی۔"

"سنو سارہ!" عورت اُس کے پاس بیٹھ گئی اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے بولی۔ "یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ تم رقاصہ ہو مگر تم یہ نہیں جانتی کہ رقاصہ فوج کی جرنیل یا شہر کی حاکم نہیں ہوا کرتی۔ میں اتنی سی بات کہہ دوں گی کہ تمہارے پاس رات کو ایک آدمی آیا تھا وہ تمہیں ہیروت کے کسی انتہائی گھٹیا قسم خانے میں بیچ ڈالیں گے یا تمہیں قید میں ڈال دیں گے۔ اس نشے میں بات نہ کرو کہ تم شاہی رقاصہ ہو۔ یہاں تمہارا کوئی مقام نہیں۔"

"تم مطلب کی بات کرو۔" سارہ نے کہا۔ "تم مجھ پر جو مہربانی کرنا چاہتی ہو اُس کا معاوضہ کیا لو گی؟ میں ابھی ادا کر دیتی ہوں۔"

"میں تم سے کچھ بھی نہیں لوں گی۔" عورت نے کہا۔ "میں کسی اور سے معاوضہ وصول کروں گی۔ تمہاری ہاں کی ضرورت ہے۔"

سارہ اُس کا مطلب سمجھ گئی۔ باہر سے شاہی مہمان آتے ہی رہتے تھے۔ ان میں عیسائی بھی ہوتے تھے، مسلمان بھی۔ شاہی حیثیت کے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے لڑکیاں موجود رہتی تھیں، لیکن اُن کے ساتھ جو عملہ آتا تھا انہیں اس قسم کی عیاشی مہیا نہیں کی جاتی تھی۔ یہ عورت ان لوگوں سے مل کر اُن کے پاس لڑکیاں بھیجا کرتی اور منہ مانگا معاوضہ وصول کرتی تھی۔ یہ اُس کا خفیہ کاروبار تھا۔ بعض شاہی مہمان ایسے ہوتے تھے جو سرکاری طور پر دی ہوئی لڑکی سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ یہ عورت درپردہ محل کے ایک دو ملازموں کے ذریعے اُن کی یہ ضرورت پوری کرتی اور انعام لیتی تھی۔ سارہ اُس کے ہاتھ کبھی نہیں آئی تھی مگر اب یہ لڑکی اُس کے جال میں آ گئی۔ وہ اگر بتاتی کہ اُس کے پاس جیکب آیا تھا اور اُس کے ساتھ اس کا تعلق پاک ہے تو یہ عورت کبھی یقین نہ کرتی اور دوسرا ظلم یہ ہوتا کہ جیکب کو قید میں ڈال کر بڑی ہی ظالمانہ اذیتیں دے دے کر مار دیا جاتا۔

"سارہ!" عورت نے کہا۔ "اگر اپنے ہولناک انجام سے بچنا چاہتی ہو تو میری بات مان لو۔ باہر سے دو مہمان آئے ہوئے ہیں۔ بہت دولت مند ہیں۔ پرسوں سے وہ ملازموں سے کہہ رہے ہیں کہ انہیں اچھی قسم کی لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ یہ ندامت اُن کی عادت ہے۔ اپنے ہاں حرموں میں بیس بیس تیس تیس لڑکیاں جمع کیے رکھتے ہیں یہاں بھی چاہتے ہیں کہ ان کے کمروں میں لڑکیوں کی چہل پہل لگی رہے۔ کل تم ان میں سے ایک کے پاس چلی جانا۔"

"کون ہیں وہ؟" سارہ نے پوچھا۔ "اگر مسلمان ہیں تو میں اُن کے پاس نہیں جاؤں گی۔"

"تو قید خانے میں جاؤ۔" عورت نے کہا۔ "ہوش میں آؤ۔ اپنے آپ کو دیکھو۔ تم کیا ہو۔ اپنے پیشے کو دیکھو۔ شریف بننے کی کوشش نہ کرو۔ وہ دل کھول کر انعام دیں گے جس میں تمہارا حصہ بھی ہوگا۔"

"اور پکڑے گئے تو؟"

"میں پکڑنے والوں کا منہ بند رکھا کرتی ہوں۔" عورت نے کہا۔ "کل رات تیار رہنا۔ اب تم سے بالکل نہیں پوچھوں گی کہ ابھی ابھی تمہارے پاس کون آیا تھا۔"

عورت چلی گئی۔ سارہ کے آنسو بہنے لگے۔

جیکب بھاگنے والا آدمی نہیں تھا لیکن وہ اس وقت کچھ نہ کچھ کرتا کہ سارہ کی مصیبت آ جاتی۔ اُسے امید تھی کہ سارہ اسی غلیظ دنیا کی لڑکی ہے، وہ اس صورت کو سنبھال لے گی۔ وہ شہر کی دیوار پھاند چکا تھا۔ اس نے دیکھا پر سارہ چھائی ہوئی تھی۔ سارہ سے اُسے دلی محبت ہو گئی تھی اور سارہ اس کے سینے میں بھی بن گئی۔ اُسے وہ کریہی خیال آ رہا تھا کہ سارہ کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہے..... وہ چلتے چلتے شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں داخل ہو گیا۔ گلیوں کے موڑ مڑتا ایک مکان کے سامنے رکا اور دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد اندر سے آواز آئی۔

"کون؟"

"حسن!" جیکب نے جواب دیا۔

"اتنی رات گئے؟" دروازہ کھولنے والے نے پوچھا۔ "فوراً اندر آ جاؤ۔ کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

"نہیں۔" جیکب نے جواب دیا۔ "کافروں کی ضیافت سے ابھی فارغ ہوا ہوں۔ مائیکل مزرونی احسن

"ایا ہوں؟"

وہ اندر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اب وہ جیکب نہیں بلکہ حسن الادریس تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔ اس نے ایک سال پہلے اپنے آپ کو ایک عیسائی ظاہر کر کے اور نام گلبرٹ جیکب بتا کر صلیبی فوج میں ملازمت کر لی تھی۔ گورے رنگ کا جوان تھا۔ ٹریننگ کے مشاق، وہ اداکاری اور چرب زبانی کا ماہر تھا۔ سر کی شکل ہیروں اور دراز قد کی بدولت اُسے خفیہ کی خصوصی ڈیوٹی کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا۔ یہاں سے وہ قاہرہ کو خبریں بھیجا رہتا تھا۔ اس کے گروہ کا لیڈر حاتم اس مکان میں رہتا تھا جس میں وہ داخل ہو گیا تھا۔

"موصل کے دو ایلچی بالڈوِن کے پاس آئے ہیں۔" حسن نے اپنے لیڈر کو بتایا۔ "میں نے یہ یقین کر لیا ہے کہ یہ دونوں موصل سے آئے ہیں اور دونوں مسلمان ہیں۔ انہیں بالڈوِن اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ والیٔ موصل عزالدین کا کوئی پیغام لے کر آئے ہیں۔"

"اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف معاہدے کا پیغام ہوگا۔" لیڈر نے کہا۔ "یہ معلوم کر لیا ہے کہ ان کے درمیان کیا طے پایا ہے؟ سلطان ابھی تک اس دھوکے میں ہیں کہ عزالدین اور عمادالدین ہمارے دوست ہیں یا کم از کم ہمارے خلاف لڑیں گے نہیں۔"

"ان کی بات چیت بند کمرے میں ہوئی ہے۔" حسن نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ جو کچھ طے ہوا تھا، ہو چکا ہے۔ میں نے ان میں سے ایک کے ساتھ بات کی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آتا تھا۔ بدبخت نے شراب اس تسلی لی تھی کہ اس نے نشے میں مجھے بڑا صاف اشارہ دے دیا کہ وہ دونوں مسلمان ہیں اور موصل سے آئے ہیں۔ مجھے کہتا تھا کہ وہ ہماری یعنی صلیبیوں کی محبت دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکا اور گر پڑا۔"

"ہم سلطان کو صرف یہ اطلاع بھجوائیں کہ ہیروت میں موصل کے دو آدمی آئے تھے کافی نہیں۔" حاتم نے کہا۔ "ہم اپنے سلطان سے بہت شرمسار ہیں کہ اُن تک ہماری یہ اطلاع نہ پہنچ سکی کہ وہ ہیروت کو ہمارے میں لینے کا منصوبہ ترک کر دیں کیونکہ بالڈوِن کو اس منصوبے کی اطلاع قاہرہ سے مل گئی ہے۔"

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہ تھا۔" حسن نے کہا۔ "اسحاق ترک بروقت روانہ ہو گیا تھا۔ وہ دھوکہ دینے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ راستے میں کسی حادثے کا شکار ہو گیا یا پکڑا گیا ہے۔"

"بیروت کے محاصرے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا جو نقصان ہوا ہے، ہمیں اس کا ازالہ کرنا ہے۔" حاتم نے کہا۔ "ان کے لیے یہ خبر بہت اہم ہے کہ موصل والے بیروت والوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر رہے ہیں لیکن ہمیں پوری اطلاع دینی چاہیے کہ معاہدے میں کیا کیا شرائط طے ہوئی اور کیا منصوبہ بنا ہے۔ اس وقت سلطان بہت بڑے خطرے میں بیٹھے ہیں۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ دوستوں کے درمیان محفوظ ہیں لیکن وہ دراصل دشمنوں کے گھیرے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔" حاتم نے حسن سے پوچھا۔ "محل میں تم کوئی ایسا ذریعہ پیدا نہیں کر سکتے جو اندر کی باتیں بتا سکے؟"

"باتیں بند کمرے میں ہوئی ہیں۔" حسن نے جواب دیا۔ "بالڈوین یا اس کے مشیروں اور سالاروں سے تو پوچھا نہیں جا سکتا۔ ان دونوں آدمیوں کے سینے سے راز نکالنے کی کوشش کی جا سکتی ہے جو موصل سے آئے ہیں۔ میں ذریعہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر نہ ہوا تو دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔ یہ جب واپس جائیں گے تو انہیں راستے سے اغوا کر لیا جائے گا یا ضرورت پڑی تو ختم کر دیا جائے گا۔"

"انہیں ختم کرنے سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" حاتم نے کہا۔ "ہمیں بالڈوین اور عزالدین کے منصوبے کی ضرورت ہے۔"

"میری کوشش یہی ہوگی۔" حسن نے کہا۔ "اگر منصوبہ نہ ملا تو ان دونوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

"اگر انہیں قتل کرنا ہوا تو وہ میں یہیں کرا سکتا ہوں۔" حاتم نے کہا۔ "جس قدر جلدی ہو سکے مجھے بتاؤ کہ تم مطلوبہ معلومات حاصل کر سکتے ہو یا نہیں۔ میں صبح ایک آدمی کو سلطان کو یہ خبر دینے کے لیے روانہ کر دوں گا کہ بالڈوین کے پاس عزالدین کے وفد آئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو گیا ہے تاکہ سلطان اس خوش فہمی میں نہ پڑے رہیں کہ عزالدین اُن کا دوست ہے۔ تم بہت تھوڑے سے وقت میں مکمل اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

"میری کامیابی کے لیے دعا کریں۔" حسن اُٹھا اور باہر نکل گیا۔

☆

"صلیبی چھاپہ ماروں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کرو۔" سالار صارم مصری نے اپنے چھاپہ مار دستوں کے کمانداروں کو ہدایات دے کر کہا تھا۔ "لیکن اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالو۔ جہاں حملہ کرو وہاں کاری ضرب لگاؤ اور نکلنے کی کوشش کرو۔ اگر تم پر حملہ ہو تو جم کر لڑو اور دشمن کو نکلنے نہ دو۔ یہ اتنی زیادہ فوج تمہارے بھروسے پر آرام کی نیند سوتی ہے اور اتنی زیادہ رسد تمہاری ذمہ داری پر پڑی ہے۔"

چھاپہ ماروں کو اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا۔ سلطان ایوبی نے خیمہ گاہ سے دور چٹانوں اور بلند جگہوں پر بیس سے چالیس نفری کی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں جن کے دستے دیکھ بھال اور خیمہ گاہ کی حفاظت تھی۔ ایسی ہی ایک چوکی جو پہاڑیوں میں گھری ہوئی ایک چٹان پر تھی دشمن کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے اونچی پہاڑیاں تھیں اور ایک وادی۔ اس وادی میں سے فوج گزر سکتی تھی۔ اس ڈھکی چھپی گزرگاہ پر نظر رکھنے کے لیے یہ چوکی قائم کی گئی تھی۔ اس میں دو سوار دو گھوڑوں کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ وہاں معمول بن گیا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد تین چار تیر آتے اور ایک دو سپاہیوں کو ختم کر دیتے۔ ایک شام ایک گھوڑے کو ایک وقت تین تیر لگے اور گھوڑا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ تیر قریب کی پہاڑی سے آتے تھے۔ اس کے فوراً بعد ذرا ڈھیل دیا جاتا تھا، اس لیے تیر چلانے والوں کو ڈھونڈا نہیں جا سکتا تھا۔

ایک روز شام سے پہلے چوکی کے دو سپاہی پہاڑی پر کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ سورج غروب ہونے کو تھا کہ ایک تیر آیا، دو اور دو سپاہیوں کی پیٹھوں میں لگے۔ دونوں شہید ہو گئے۔ صبح اُن کی ادھ کھائی لاشیں اٹھائی گئیں۔ رات کو بھیڑیے لاشوں کو کھاتے رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ صلیبی چھاپہ ماروں کا کام ہے۔ ایک روز دس سپاہیوں کا ایک مختصر جیش علاقے کی تلاشی کے لیے بھیجا گیا۔ پہاڑی علاقے میں جا کر چار چار افراد میں تقسیم ہو کر بکھر گیا۔ ایک جگہ دس بارہ سال کی عمر کا ایک بچہ نظر آیا۔ وہ سپاہیوں کو دیکھ کر دوڑ پڑا اور ایک بلند چٹان کے دہانے میں غائب ہو گیا۔ وہ گڈریا ہو سکتا تھا لیکن وہاں کوئی بھیڑ بکری اور کوئی اونٹ نہیں تھا۔ سپاہی وہاں تک گئے تو انہیں چٹان میں تنگ سا ایک دہانہ نظر آیا جو کسی غار کا تھا۔ بچہ اسی میں چلا گیا ہوگا۔

سپاہیوں نے دہانے کے ساتھ کان لگائے تو اندر سے انہیں باتوں کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی۔ کسی بچے کا غار میں چھپ جانا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ یہ سپاہی اس بچے سے صلیبی چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت پکارا لیکن غار میں خاموشی چھا گئی۔ سپاہیوں نے دھمکی دی کہ جو کوئی اندر ہے باہر آ جائے ورنہ ہم اندر آ کر سب کو قتل کر دیں گے۔ اندر سے ایک جوان عورت نکلی۔ وہ اس علاقے کی زبان میں سپاہیوں کو کوسنے لگی پھر رو پڑی اور کہا کہ مجھے قتل کر دو، میرے بچوں کو بخش دو۔ اُس کے دو بچے تھے۔ ایک دس بارہ سال کا جو باہر سے دوڑا آیا تھا اور دوسرا چند مہینوں کا تھا جو اس عورت نے اندر سلایا ہوا تھا۔

سپاہیوں نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان سپاہی ہیں مگر عورت انہیں گالیاں دینے لگیں اور منت سماجت بھی کرنے لگی۔ اس نے بتایا کہ دو روز ہوئے اس کے گاؤں میں پندرہ سولہ صلیبی سپاہی آئے اور گاؤں پر قبضہ کر لیا.... انہوں نے تمام گھروں کی تلاشی لی۔ اس عورت کے خاوند کو قتل کر دیا۔ قتل اس طرح کیا کہ انہوں نے گاؤں کے تمام بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے کہا کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ اس گاؤں میں سپاہی رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اور گھوڑوں کی خوراک کی ذمہ داری گاؤں پر ڈال دی۔ ان کے کمانڈر نے تلوار نکالی۔ اس عورت کا خاوند سب سے آگے کھڑا تھا۔ کمانڈر نے خاوند کو بازو سے پکڑ کر آگے کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اُس نے گاؤں والوں سے کہا کہ کسی نے اُن کے حکم کی نافرمانی کی تو اُسے ایسی سزا ملے گی۔

ان سپاہیوں نے اپنے لیے تین جھونپڑے خالی کرا لیے اور گاؤں کی عورتوں کو بلا کر اُن سے خدمت خاطر کرانے لگے۔ یہ عورت رات کو موقعہ پا کر وہاں سے بھاگ آئی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ سپاہی ابھی تک گاؤں میں

موجود ہیں یا نہیں۔ یہ گاؤں وہاں سے تھوڑی ہی دُور تھا۔ سپاہی عورت کو وہیں چھوڑ کر گاؤں کی طرف گئے۔ پہاڑی سلسلہ کھل جاتا تھا۔ وہاں وسیع میدان تھا جس میں پندرہ بیس جھونپڑوں کا ایک گاؤں تھا۔ سلطان صلاح الدین کا گشتی جیش گھوڑوں پر سوار تھا۔ انہوں نے گاؤں پر یلغار کرنے کے لیے گھوڑے دوڑا دیئے۔ اُس وقت صلیبی سپاہی جو گاؤں پر قابض تھے گاؤں میں موجود تھے۔ انہوں نے شاید پہرہ کھڑا کر رکھا تھا۔ گھوڑ سوار ابھی گاؤں سے کچھ دُور ہی تھے کہ تمام صلیبی سپاہی باہر آ گئے۔ اُن کے آگے چند ایک بچے اور بہت سی عورتیں تھیں۔ انہوں نے بچوں اور عورتوں کو ایک جگہ اکٹھے کر کے کھڑا کر دیا اور خود ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے کر اُن کے گرد نیم دائرے میں کھڑے ہو گئے۔ ایک نے سلطان ایوبی کے سواروں سے مخاطب ہو کر چیخ کر کہا۔ "اگر تم آگے آؤ گے تو ہم ان بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں گے۔"

سوار بیس پچیس قدم دُور رک گئے۔ وہ مسلمان بچوں اور عورتوں کو صلیبیوں کے ہاتھوں قتل نہیں کرانا چاہتے تھے۔

"بزدلو!" سلطان ایوبی کے چیتا مار جیش کے کمانڈر نے کہا۔ "صلیب کی خاطر لڑنے آئے ہو تو مردوں کی طرح سامنے آ کر لڑو۔ عورتوں اور بچوں کی ڈھال کے پیچھے کیوں کھڑے ہو۔"

"تم سب واپس چلے جاؤ۔" صلیبی کمانڈر نے کہا۔ "ہم گاؤں سے چلے جائیں گے۔"

جن بچوں اور عورتوں کو صلیبی سپاہیوں نے یرغمال بنا رکھا تھا، ان میں سے ایک عورت نے سلطان ایوبی کے سپاہیوں سے بلند آواز سے کہا۔ "اسلام کے سپاہیو! رُک کیوں گئے ہو۔ ہمیں اپنے گھوڑوں تلے روند ڈالو۔ ان کافروں میں سے کسی کو زندہ نہ جانے دو۔ ہم اپنے بچوں سمیت مرنے کو تیار ہیں۔"

صلیبی کمانڈر نے تلوار کا بھرپور وار کیا۔ اس عورت کا سر اس کے جسم سے کٹ کر گر پڑا۔ سلطان ایوبی کے گشتی جیش نے اپنے سپاہیوں کو تیر و کمان نکالنے کا حکم دیا۔ پلک جھپکتے انہوں نے کمانیں کندھوں سے اتار لیں، آگے کیں اور ترکشوں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔ تمام صلیبی سپاہی بچوں اور عورتوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔

"جھوٹے مذہب کے پجاریو!" مسلمان کمانڈر نے کہا۔ "سپاہی بچوں اور عورتوں کی پیٹھ پیچھے نہیں چھپا کرتے۔"

صلیبی ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ وہ شاید بھول گئے تھے کہ گاؤں میں مرد بھی ہیں۔ ان مردوں کو صلیبیوں نے بہت خوفزدہ کر رکھا تھا۔ وہ بھی اپنے بچوں اور عورتوں کے قتل سے ڈرتے تھے۔ اتنے میں ایک عورت نے للکار کر کہا۔ "یہ کافر تو بزدل ہیں، تم ہمارے خون سے کیوں ڈرتے ہو۔" اس نے اپنے سامنے کھڑے تین چار سال کے بچے کو اٹھایا اور اُسے آگے زمین پر پھینک کر کہا۔ "میں اپنے اس بچے کی قربانی خوشی سے دیتی ہوں۔ ہلّہ بولو۔ دس کافروں کی جان لینے کے لیے میں اپنا بچہ قربان کرتی ہوں۔"

ایک صلیبی تلوار سونتے اس عورت کو قتل کرنے کو اٹھا مگر اسے اتنی مہلت نہ ملی۔ ان کے عقب سے گاؤں کے تمام آدمی برچھیاں، لوہے کی سلاخیں اور جو ہاتھ لگا اٹھائے صلیبی سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ صلیبی بچوں اور عورتوں کے پیچھے تیروں سے بچنے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جب مقابلے کے لیے اٹھے، مسلمان سپاہیوں نے ہلّہ بول دیا۔ ان میں سے دو تین سپاہی چیخے۔ "عورتیں نکل بھاگیں۔ بچوں کو ایک طرف کر لو۔"

ان کے گھوڑے صحرائی آندھی کی طرح آ رہے تھے۔ عورتوں نے بچوں کو اٹھایا اور نکل بھاگیں۔ گاؤں کے آدمی

گھوڑوں سے بچنے لگے۔ ذرا سی دیر میں دو صلیبیوں کے سوا باقی تمام کو مار ڈالا گیا۔ گاؤں والوں نے اُن کی لاشوں کا قیمہ بنا دیا۔ وہ دو زندہ صلیبیوں کو بھی اپنے ہاتھوں اڑا چکے تھے لیکن مسلمان جیش کے کمانڈر نے بڑی مشکل سے انہیں سمجھایا کہ ان دو سے ان کے باقی ساتھیوں کا سراغ لگایا جائے گا۔

ان دونوں کو سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اپنے چیتا مار دستوں کے متعلق سب کچھ بتا دیں۔ وہ سپاہی تھے۔ انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔ ایوبی کی فوج کے چیتا مار تھے۔ کم و بیش ایک ہزار چیتا مار سلطان ایوبی کی فوج اور رسد کو نقصان پہنچانے کے لیے بیروت سے بھیجے گئے تھے۔ ان کا ابھی کوئی مستقل اڈہ نہیں بنا تھا۔ وہ تمام علاقے میں پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گاؤں پر قبضہ کر کے وہیں سے خوراک وغیرہ حاصل کریں اور سلطان ایوبی کی فوج کے لیے مصیبت بنے رہیں۔

انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے ان کی باتیں سنیں اور حکم دیا۔ "ان دونوں کو دُور لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ یہ قاتل اور لٹیرے ہیں۔" اس نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبی چیتا ماروں کو موصل میں یا کسی اور قلعے میں رہنے کی اجازت نہیں ملی ورنہ یہ گاؤں کو اڈے نہ بناتے۔" سلطان ایوبی نے حکم دیا۔ "ایسے ہر ایک گاؤں میں تھوڑی تھوڑی نفری بھیج دو۔ سپاہیوں کو سختی سے کہنا کہ گاؤں میں کسی کو پریشان نہ کریں۔ اپنی اور گھوڑوں کی خوراک فوج کی رسد سے لیں۔ کسی گاؤں سے اناج کا ایک دانہ اور چارے کا ایک تنکا بھی نہ لیا جائے۔"

☆

حسن حاتم کو رپورٹ دے کر واپس آیا تو وہ باقی رات سو نہ سکا۔ اُس کے ذہن پر سارہ سوار تھی۔ اُسے دن کو ہی پتہ چل سکتا تھا کہ سارہ کو اس عورت نے پکڑ لیا تھا۔ اس کی اسے کوئی سزا تو نہیں ملی؟ حسن کو معلوم تھا کہ وہ عورت کون ہے لیکن اس عورت سے مل کر وہ سارہ کی سفارش نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ رات سارہ کے کمرے میں وہی تھا۔ حسن یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وہ موصل کے ایلچیوں سے کس طرح معلوم کرے کہ بالڈوِن کے ساتھ انہوں نے کیا معاہدہ طے کیا ہے۔ یہ راز انہی سے لیا جا سکتا تھا۔ اس اجلاس میں کوئی ملازم اندر نہیں تھا جس سے حسن کچھ معلوم کر لیتا۔ وہ جس قدر ذہن پر زور دے کر اس مسئلے کا حل ڈھونڈتا تھا، سارہ اتنی ہی زیادہ اُس کے ذہن پر غالب آتی جا رہی تھی۔

"سارہ!" اُس کے منہ سے سرگوشی نکل گئی جو غیر ارادی تھی۔ اس سے وہ چونک اٹھا۔ اسے کچھ ایسا اطمینان ہونے لگا جیسے اسے مسئلے کا حل مل گیا ہو اور سارہ اس مسئلے کو حل کر دے گی۔ اسے یہ سوال پریشان کرنے لگا۔ "کیا سارہ کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہے؟" اور دوسرا سوال یہ کہ اسے اگر اپنا بچپن یاد آ جائے تو کیا وہ اس کا مسئلہ حل کر سکتی ہے؟ اس کا یہی ایک ذریعہ تھا کہ سارہ موصل کے کسی ایک ایلچی کو اپنا گرویدہ بنا لے اور اُس پر شراب اور اپنے حسن کا طلسم طاری کر کے اس کے سینے سے راز نکال لے مگر سوال یہ تھا کہ سارہ مان جائے گی؟ کہیں اسے ہی نہ پکڑوا دے۔

جاسوسوں کو خطرے مول لینے پڑتے تھے۔ ان کی کوشش تو یہی ہوتی تھی کہ پکڑے نہ جائیں لیکن وہ ڈر سے دبک

کے بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے کہ وہ پکڑے یا مارے جائیں گے۔ حسن کو اپنی زبان کے فن کا کمال دکھانا تھا۔ اسے سارہ کی باتیں یاد آرہی تھیں جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو پسند کرتی ہے۔ حسن کو یہ بھی احساس ہوگیا تھا کہ سارہ کو شک ہوگیا ہے کہ وہ (حسن) مسلمان ہے۔ حسن کا دماغ سوچ سوچ کر تھک گیا۔ اسے دُور سے صبح کی اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔ اُس کے دماغ پر اسلام اور خدا کا تقدس طاری ہوگیا۔ اس کی مدد خدا ہی کرسکتا تھا۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا اور کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔ صلیبیوں کی اس دنیا میں وہ مسلمان نہیں عیسائی تھا۔ حسن الادریس نہیں گلبرٹ جیلیب تھا۔ وہ چھوٹے سے کمرے میں اکیلا رہتا تھا جہاں اُس نے حضرت عیسیٰ کا بُت صلیب کے ساتھ لٹکا ہُوا لٹکا رکھا تھا۔ دیوار کے ساتھ کسی مصوّر کی بنائی ہوئی مریم کی تصویر آویزاں کر رکھی تھی۔ قریب ہی صلیب لٹک رہی تھی۔ اُس نے یہ بُت، تصویر اور صلیب پلنگ کے نیچے رکھ دیں۔ دروازے کے اندر والی زنجیر چڑھا کر قبلہ رُو ہُوا اور نماز پڑھنے لگا۔ وہ ہر روز اسی طرح چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا مگر اس کی جذباتی حالت کبھی ایسی نہیں ہوئی تھی جیسی اس صبح کی نماز میں ہوئی۔ اُس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اس کے منہ سے یہ الفاظ اِیَّاکَ نَعبُدُ وَاِیَّاکَ نَستَعِین (تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) بلند آواز سے نکل گئے تھے۔ اُسے پہلی بار محسوس ہُوا جیسے خدا اُس کے سامنے کھڑا ہے اور اتنی قریب کھڑا ہے کہ وہ خدا کو چھُو سکے گا۔ اس نے نماز ختم کرکے دو نفل پڑھے اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ اُس کی زبان سے الفاظ اس کے سوچے بغیر پھسلنے لگے ــــ "قبلۂ اوّل کے خدا! آج تیرا نام لینے والے تیرے رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان اُن انسانوں کے ڈر سے تیری مسجدِ اقصیٰ میں تیرے حضور سجدہ کرنے سے ڈرتے ہیں جو تیرے رسولؐ کے مُنکر ہیں۔ آج تیرا قبلۂ اوّل ویران ہوگیا ہے۔ جو زمین تیرے رسولؐ کے قدموں سے مقدس اور مبارک ہوئی تھی، اس پر آج صلیب کا سیاہ سایہ پڑ گیا ہے۔ جس بنی اسرائیل کو تیری ذات نے دھتکار دیا تھا، وہ آج تیرے قبلۂ اوّل کو ہیکلِ سلیمانی کہہ رہی ہے....

"میرے خدا! اپنی عظمت کا پتہ دے۔ مجھے بتا تُو عظیم ہے یا خدائے یہودہ۔ مجھے بتا حضرتِ عیسےٰؑ تیرے پاس ہیں، یا صلیبیوں کی صلیب پر لٹک رہے ہیں۔ اپنی عظمت کا پتہ دے۔ قرآن کی عظمت کا پتہ دے۔ اپنے رسولؐ کی عظمت کا پتہ دے، اور مجھے اس کا سبب بنا کہ میں تیرے رسولؐ اور تیرے قرآن کی عظمت کا پتہ یہودیوں اور صلیبیوں کو دوں۔ مجھے ہمت عطا فرما کہ میں ان چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرسکوں جو سلطان صلاح الدین ایوبی اور قبلۂ اوّل کے درمیان حائل ہوگئی ہیں۔ مجھے روشنی دکھا کہ میں ان اندھیروں میں اپنے فرض کی منزل دیکھ سکوں۔ مجھے اتنے سخت امتحان میں ڈال کہ میری جان تیرے نام پر قربان ہوجائے لیکن وعدہ فرما کہ میری جان رائیگاں نہیں جائے گی۔ تجھے تیرے نام پر قربان ہونے والے شہیدوں کے یتیم بچوں کی قسم! مجھے ہمت اور روشنی عطا فرما کہ میں ان یتیموں کے باپوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لے سکوں...

"تجھے رسولؐ کی اُمّت کی اُن بیٹیوں کی قسم جن کی عصمتیں مسجدِ اقصیٰ کی آبرو کی خاطر لٹ گئی ہیں۔ مجھے جرأت عطا فرما کہ کفر کے ہر قلعے کو مسمار کرسکوں۔ اپنے غازی بندوں کو، اپنے مجاہد بندوں کو ہمت اور ہدایت عطا فرما کہ وہ اپنی غیرت کا انتقام لیں اللہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں کہ ہم بے غیرت تھے۔ آج بت بھی تیرے نام پر ہنس رہے ہیں۔ میرا خون کھول رہا ہے۔ مجھے وہ شجاعت عطا کر کہ میں پتھر کے ان بتوں کا مذاق اڑا سکوں۔ میرے خدا! اگر تُو یہ نہیں کرسکتا تو میرے خون کو سرد کر دے۔ مجھے ایسا بے غیرت بنا دے کہ مجھے اور کچھ نظر نہ آئے کہ غیرت کس چیز کا نام ہے۔ میری بینائی واپس لے لے کہ میں اپنی بہنوں کی بیٹیوں کو بے حیا اور بے آبرو ہوتا نہ دیکھ سکوں۔ میرے کان بند کردے کہ میں تیرا نام نہ سن سکوں۔ میں ان مسلمانوں کی فریادیں نہ سن سکوں جو فلسطین میں صلیبیوں اور یہودیوں کے غلام ہوگئے ہیں۔"

حسن کی آواز بلند ہوگئی ــــ "تُو کہاں ہے؟.... تُو ہے کہ نہیں؟.... بول میرے خدا! مجھے زبان دینے والے خدا! خود بھی بول۔ مجھے بتا سُنّت برحق یا صلیب، یا مجھے فیصلہ کرنے دے کہ سچا کون ہے۔ سُنّت یا صلیب۔ قرآن تیری آواز ہے یا کسی بندے کی؟"

بڑی ہی ہولناک گڑگڑاہٹ سنائی دی جیسے چھت گر رہی ہو۔ اس کے فوراً بعد رعد اتنی زور سے کڑکی کہ حسن کا کمرہ ہل گیا۔ کمرے کی دیواروں میں سے حسن کو بجلی کی چمک دکھائی دی۔ اُس نے اور زیادہ بلند آواز سے کہا۔ "اس بجلی سے مجھے بھسم کردے یا اپنی مسجدِ اقصیٰ کو۔ مسافر نہ رہیں منزل نہ رہے۔ بجلیاں ان پر بھی گرا جن کے سنگ تیرے نام پر اُجڑ گئے ہیں۔ اپنے نام پر یتیم ہونے والوں پر بجلیاں گرا۔ اپنے رسولؐ کے نام لیواؤں پر بجلیاں گرا تاکہ کسی کی فریادیں تیرے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔"

رعد پھر کڑکی اور اس کے بعد گھٹائیں گرجنے لگیں۔ بیروت کا ساحل قریب ہی تھا۔ اُن دنوں سمندر خاموش ہُوا کرتا تھا مگر سمندر جوش میں آگیا۔ اس کی لہروں کی مہیب آواز حسن کو یوں سنائی دینے لگی جیسے بھوکے ریوڑ کی غصّے میں آئی ہوئی موجیں اُس کے کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہوں۔ گھٹاؤں کی گرج، رعد کی کڑک اور سمندر کا جوش مل جل کر قیامت کا شور بن گئے۔ حسن کی آواز اور زیادہ بلند ہوگئی۔

"ایسے ہی طوفان میرے اندر اٹھا کہ میں کفر کے ہر نشان کو اڑا دوں اور بہا لے جاؤں۔ میرے خون کے قطرے بہادے لیکن مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں۔ میں شرمسار ہوں کہ قبلۂ اوّل کا پاسبان صلاح الدین ایوبی یہاں تیرا لشکر لے کر آیا تو میں اُسے خبر دار نہ کرسکا کہ بیروت سے دُور رہے کہ یہاں کفار کا پھندا تیار ہے۔ یہ میری مجبوری تھی۔ یہ میرا گناہ تھا۔ مجھے جرأت اور شجاعت عطا کر کہ میں گناہ کا کفارہ ادا کرسکوں، ورنہ یہ بت میری روح کو بھی طعنے دیتے رہیں گے کہ تیرا تو خدا ہی کوئی نہیں۔ مجھے اِن بتوں کے آگے شرمسار نہ کر، مجھے شہیدوں کی روحوں کے آگے شرمسار نہ کر۔ اگر میری دعا قبول نہ ہوئی تو روزِ قیامت میرے مُردے میں جان نہ ڈالنا ورنہ میں تیرا گریبان پکڑ لوں گا اور تیری مخلوق سے کہوں گا کہ یہ ہے وہ خدا جس نے اپنے رسولؐ کی لاج نہیں رکھی، اُس خدا نے رسولؐ کے نام لیواؤں کو اتنا مجبور اور بے بس کیا کہ قبلۂ اوّل ویران ہوگیا اور اس پر صلیب اور یہودہ کے سیاہ سائے پڑ گئے۔"

رعد زور سے کڑکی حسن کے کمرے کی چھت، دروازے اور کھڑکی کے کواڑ بڑی زور سے کھٹکے اور چھت پر یوں آوازیں آنے لگیں جیسے گھوڑے دوڑ رہے ہوں۔ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی تھی۔ طوفانِ باد و باراں زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا۔ حسن کے دل پر ایسی گرفت آگئی جس میں خوف بھی تھا اور جذبات کی شدت بھی۔ کبھی اُسے ایسے لگتا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ اُس نے خدا سے اس طرح کبھی باتیں نہیں کی تھیں۔ وہ چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا اور مختصر الفاظ میں دعا مانگ کر حسن سے جیکب بن جایا کرتا تھا۔

اُس رات جب وہ حاتم کو رپورٹ دے کر آیا تھا، اُس کی جذباتی کیفیت کچھ اور تھی۔ اس پر نیند کا اثر بھی تھا۔ اُس کے سامنے مسئلہ ایسا آگیا تھا کہ وہ سوچ سوچ کر دیوانہ ہونے لگا تھا۔ اس کے لیے آسان راستہ یہ تھا کہ جس مسئلے کا کوئی حل نہیں اسے ذہن سے اتار دے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان اور اس کے لیڈر حاتم کو کیا خبر تھی کہ عزالدین کے ایلچی بالڈوِن کے پاس آئے ہیں اور کوئی معاہدہ ہو رہا ہے۔ وہ خاموش رہتا۔ اس کے گھر میں اس کے ماں باپ کو اس کی تنخواہ اور غیر ممالک میں جاسوسی کے فائق پیسے باقاعدہ پہنچ رہے تھے۔ بیروت میں اُسے اچھی پوزیشن اور عیش و عشرت کا سامان حاصل تھا، مگر وہ ایمان والا مردِ مومن تھا۔ اپنے فرائض کو نماز روزے کی طرح متبرک سمجھتا تھا۔ اُسے احساس تھا کہ قوم کا ہر فرد یہ سمجھے کہ یہ کام کوئی اور کرے گا تو یہ رویّہ سیدھا شکست، قوم کی تباہی اور کفار کی فتح کی طرف لے جاتا ہے۔

☆

رات بھر جاگے ہوئے جوان اور توانا حسن کو نیند نے مصلّے پر ہی دبوچ لیا۔ اس جذباتی کیفیت میں اُسے نیند نہیں چاہیے تھی لیکن اُس کی روح نے کچھ ایسا قرار اور سکون محسوس کیا کہ روح نے جسم اور دماغ کو سلا دیا۔ وہ وہیں اوندھا ہو گیا۔ اسے اتنی مہلت نہ ملی کہ مصلّٰی چھپا کر اور حضرت عیسٰی کا بت، مریم کی تصویر اور صلیب پلنگ کے نیچے سے اُٹھا کر اپنی اپنی جگہ رکھ دیتا۔ دروازہ کھول دیتا اور جیکب کے بہروپ میں پلنگ پر سو جاتا۔ وہ خوابوں کی دنیا میں پہنچ گیا۔

اُس نے مسجدِ اقصٰی دیکھی۔ یہ مسجد اُس نے ایک بار دیکھی تھی جب وہ بیت المقدس میں جاسوسی کے ایک مشن پر گیا تھا۔ یہ مسجد ویران تھی۔ اُس کے کُھلے ہوئے دروازے اپنے نمازیوں کی راہ دیکھ رہے تھے مگر مسلمان چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں یا گھروں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں کے بچوں نے مسجدِ اقصٰی کے صحن کو کھیل کا میدان بنایا ہوا تھا جہاں بے شمار بچے جوتوں سمیت کھیل رہے تھے۔ صلیبیوں نے وہاں کے مسلمانوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔

حسن مسجدِ اقصٰی کے مقدس مقام اور مسلمانوں کے لیے اس کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جب وہاں گیا تھا تو اُس کا نام ریلف نکلسن تھا۔

اب وہ بیروت میں خواب میں مسجدِ اقصٰی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے گنبد پر بے شمار کبوتر بیٹھے تھے۔ کبوتر یک بارگی اڑے اور تمام کبوتر فضا میں جا کر شرارے بن گئے۔ یہ شرارے مسجدِ اقصٰی کے اردگرد گرنے لگے۔ مسجد کے اندر سے صلیبیوں اور یہودیوں کا ایک ہجوم نکلا۔ ان سب کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ سب اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ وہ سب چیخ اور چلّا رہے تھے مگر کسی کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ فضا سے برستے ہوئے شرارے رنگ برنگ کے پرندے بن گئے، اور ایک ایک کر کے مسجدِ اقصٰی کے سبز گنبد پر بیٹھنے لگے۔ اب مسجد میں نہ کوئی صلیبی تھا نہ یہودی۔ حسن آہستہ آہستہ مسجد کی طرف چلا۔ آسمان نیلا تھا۔ دن کی روشنی بھی نیلی تھی۔ مسجد کے دروازے میں ایسی چمک دکھائی دی جیسے بہت بڑے آئینے پر سورج کی کرنیں پڑی ہوں۔

حسن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ چمک یا نور کا یہ گولا وہاں نہیں تھا۔ وہاں سارہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ حسن حیرت زدہ ہو کے رُک گیا۔ سارہ پاؤں سے سر تک چاند کی طرح سفید لبادے میں ملبوس تھی۔

اُس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ نظر آ رہے تھے۔ اُس کی مسکراہٹ سے اُس کے دانت اتنے زیادہ سفید نظر آ رہے تھے جتنی سفیدی اس زمین کے لوگوں نے کبھی نہیں دیکھی۔ سارہ نے بازو پھیلا دیئے۔ اس کے ہونٹ ہلے نہیں تھے، لیکن حسن کو اس کی مترنم آواز سنائی دی — "آجاؤ، مسجدِ اقصٰی تمہاری ہے۔ اس مسجد میں جو کافر داخل ہوگا اُس پر آسمان آگ برسائے گا اور جو مسلمان اس مسجد کے تقدس کو بھول گئے ہیں، ان پر بھی آگ برسے گی۔ میں نے اس کے صحن کو زمزم کے پانی سے دھویا ہے۔ میرے گناہ دُھل گئے ہیں۔ آؤ... آؤ۔"

حسن کی آنکھ کُھل گئی۔ اُس نے پھر آنکھیں موند لیں۔ وہ اس خواب سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا مگر موندی ہوئی آنکھوں میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ اب حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ چیت پر اِدھر اُدھر دوڑتے سلاد بارش کا قیامت خیز شور اور جھکڑ کی چیخیں تھیں۔ اس میں سمندر کی بھی آواز تھی جو پہلے سے زیادہ غضب میں آگیا تھا۔ بادوباراں اور بحیرۂ روم کے اس ہنگامے میں حسن کو ایسے لگا جیسے کسی نے اُس کے دروازے پر دستک دی ہو۔ یہ اس کا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ وہ وہم سے ہی بیدار ہو گیا۔ اُس نے صلیب، حضرت عیسٰیؑ کا بُت اور مریم کی تصویر اُٹھا کر سب کو اپنی اپنی جگہ لٹکا دیا۔ اس دوران دروازے پر دستک بڑی صاف ہوئی۔ حسن نے مصلّٰی لپیٹ کر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور دروازہ کھولا۔

دروازے میں سارہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ بادوباراں کا یہ سماں کہ برآمدے سے پرے کچھ اور نظر نہیں آتا تھا باہر کے کپڑوں اور بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"تم اس طوفان میں میرے پاس آئی ہو؟" — حسن نے اُسے بازو سے پکڑ کر اندر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں جیکب!" — سارہ نے جواب دیا — "میں کسی اور کے پاس گئی تھی۔ وہ ملا نہیں۔ گہری نیند سویا ہوا ہے۔ رات بھر سب شراب پیتے اور بیہودگی کرتے رہے ہیں۔ اب شام کو ہی جاگیں گے۔ میں نے انتظار کیا لیکن مایوس ہو کر اِدھر آگئی۔ یہ طوفان آگے نہیں جانے دے رہا تھا۔ دن کے وقت تو تمہارے پاس آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

حسن نے ایک کپڑا اٹھایا جو اُس نے سارہ کے سر پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھوں اس کے بال اس کپڑے سے خشک کرنے لگا۔ سارہ کو یہ بے تکلفی بہت پسند آئی۔ حسن نے اس کا چہرہ بھی پونچھ دیا۔ پھر ایک چادر اُسے دے کر کہا — "میں منہ اُدھر پھیر لیتا ہوں تم بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر چادر لپیٹ لو۔"

سارہ نے جب بھیگے ہوئے کپڑے اُتارے تو وہ سوچنے لگی کہ اس شخص کو اتنی زیادہ روحانی محبت ہے کہ اُس کے جسم کی دلکشی کے ساتھ اسے دلچسپی نہیں، یا اُس کا دل بالکل ہی مردہ ہے.... سارہ نے جب اُسے کہا کہ میں نے کپڑے بدل لیے ہیں تو حسن نے منہ پھیرا اور اُس کے کپڑے برآمدے میں جا کر نچوڑ لایا۔

"اب بتاؤ تم کہاں گئی تھی" — حسن نے پوچھا — "اور رات میرے بعد کیا ہوا تھا؟ وہ عورت اندر آگئی تھی؟"

"اسی سلسلے میں اِدھر آئی تھی" — سارہ نے کہا اور اُسے بتایا کہ رات کو اُس عورت نے اُس کے کمرے میں آ کر مہمانی کی کیا شرط پیش کی ہے۔ اُس نے کہا — "میں نے یہ نہیں بتایا کہ تم میرے کمرے میں آئے تھے۔ میں نے صرف اس لیے اس کی شرط مان لی کہ تمہارا نام لیا تو میرے ساتھ تمہیں بھی سزا ملے گی اور تم جانتے ہو کہ یہ سزا کیسی بھیانک ہوگی۔ تم شاید

حیران ہوگئے کہ میں کوئی پاک صاف لڑکی نہیں، پھر بھی میں موصل کے مہمانوں یا کسی اور کی خواب گاہ میں جانے کو پسند نہیں کرتی۔ میں رقاصہ ضرور ہوں لیکن میں یوں کھلونا نہیں بننا چاہتی جس طرح یہ بڑھیا مجھے بنانا چاہتی ہے۔ میری اپنی بھی کوئی پسند اور ناپسند ہے۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں لیکن کسی کی آمنی کا اور کسی اور کے گناہوں کا ذریعہ نہیں بنوں گی۔ اس عورت نے کہا ہے کہ وہ مجھے اس چوری چھپے کے کاروبار میں سے معاوضہ دے گی۔ وہ مجھے معاوضوں کی بھوکی سمجھتی ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ میں اس کی خواہش کے مطابق آج رات موصل کے ایک مہمان کے پاس چلی جاؤں گی لیکن میں اب کوشش کروں گی کہ حاکموں کو بتادوں کہ اس عورت نے درپردہ کیا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔"

"اور وہ کہہ دے گی کہ رات تمہارے کمرے میں آدمی جاتے ہیں۔" حسن نے کہا۔

"کہتی رہے۔" سارہ نے کہا۔ "میں تو اب سزا لینے کو بھی تیار ہوں، اور میں خودکشی کے لیے بھی تیار ہوں۔ میں اس عورت کو بے نقاب کیے کے رہوں گی۔ میں رقاصہ ہوں۔ میں عصمت فروشی نہیں کروں گی۔"

"میں سامنے آکر یہ کیوں نہ کہہ دوں کہ تمہارے کمرے میں میں گیا تھا۔" حسن نے کہا۔ "میں کہوں گا کہ میرا تمہارے ساتھ جسمانی نہیں جذباتی تعلق ہے۔"

"اگر یہ کہنا ہوتا تو میں خود کہہ دیتی کہ میرے کمرے میں جیکب آیا تھا۔" سارہ نے کہا۔ "مگر ایسا کہنا نہیں گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا دوڑا دینے کے برابر ہے۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرا تمہارا جذباتی تعلق ہے۔ یہ لوگ کسی کے جذبات سے واقف نہیں۔ ان کے ہاں سب کچھ جسمانی ہے.... تم البرتو کو جانتے ہو۔ اٹلی کا رہنے والا ہے۔ نیک اور رحم دل انسر ہے۔ بالڈوِن پر اُس کا خاصا اثر ہے۔ مرن یہ ایک بڑا انسر ہے جو مجھ جیسی لڑکیوں کو صاف ستھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ میں اُسے رات کی بات سناؤں گی اور اپنی عزت بچانے کی کوشش کروں گی۔ اگر میری یہ کوشش ناکام رہی تو میں سمندر میں کود جاؤں گی۔ اگر سمندر نے میری لاش اُگل دی تو تم بھی دیکھ لینا ورنہ الوداع۔ بحیرۂ روم کی مچھلیاں کھاؤ گے تو شاید اُن میں تم میرے جسم کی بُو سونگھ سکو گے۔"

"سارہ!" حسن نے کہا۔ "تم عیسائی نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ رہنے والی کوئی ایک بھی لڑکی نہیں جو جسمانی عیاشی اور معاوضے کو تمہاری طرح ٹھکرا دے۔ تم نے آج تک میرے ساتھ جو باتیں کی ہیں ان سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تمہاری رگوں میں مسلمان کا خون ہے۔ اس خون میں اب اُبال آیا ہے جب تم صلیبیوں کی گناہوں کی دلدل میں پھنس گئی ہو۔ کہو، میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"

سارہ نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ لی اور بولی۔ "سنو جیکب!...."

"میں جیکب نہیں سارہ!" حسن نے کہا۔ "میرا نام حسن الادریس ہے اور ملک شام کا رہنے والا ہوں۔ یہاں میرا نام گلبرٹ جیکب ہے۔"

"جاسوس ہو؟"

"کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔" حسن نے کہا۔ "جاسوسی ہی وجہ نہیں۔ جس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کی رُوح میں اُتر گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں مسلمان کی اولاد ہیں۔" اُس نے تکیئے کے

نیچے سے مصلّٰی نکالا، اور دیوار میں سے ایک پتھر ہٹا کر اس کے پیچھے سے قرآن کا ایک چھوٹا سا نسخہ نکالا۔ سارہ کو دکھا کر کہا۔ "میں اِن کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ بُت، یہ تصویر اور یہ صلیب دھوکہ ہے۔"

"اگر میں کسی سے کہہ دوں کہ تم عیسائی نہیں مسلمان ہو تو کیا کرو گے؟" سارہ نے ہنس کر کہا۔ "تم جاسوس نہیں ہو سکتے۔ جاسوس اپنا آپ اس طرح ظاہر نہیں کیا کرتے۔"

"کہہ دو۔" حسن نے کہا۔ "میں تمہاری نظروں کے سامنے اس طوفانِ باد و باراں میں غائب ہو جاؤں گا جاسوس میری طرح اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کرتے اور جب ظاہر ہوتے ہیں تو اتنی آسانی سے ہاتھ بھی نہیں آتے، جتنا تم سمجھتی ہو.... لیکن سارہ! مجھے یقین ہے کہ تم کسی سے نہیں کہو گی۔"

حسن نے آگے بڑھ کر سارہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بالکل قریب کر لیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی مگر پُراثر آواز میں کہا۔ "تم کسی سے نہیں کہو گی کہ یہ شخص جیکب نہیں حسن ہے۔ تم کہہ ہی نہیں سکو گی۔ ہماری رگوں میں رسولؐ کے شہ پایوں کا خون ہے۔ یہ خون سفید نہیں ہو سکتا۔ یہ خون اپنے قطروں کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔" سارہ کی آنکھوں کو حسن کی آنکھوں نے جکڑ لیا۔ وہ محسوس کرنے لگی جیسے یہ خوبرو جوان بڑے ہی حسین آسیب کی طرح اُس کے دماغ پر اور اس کے دل پر غالب آگیا ہو۔ حسن کہہ رہا تھا۔ "تم رقص کے لیے نہیں مسجدِ اقصیٰ کو کفار سے آزاد کرانے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ خدا نے مجھے خواب میں بشارت دے دی ہے۔ اب یہ نہ کہنا کہ تم مسلمان نہیں۔ تم کہہ ہی نہیں سکو گی۔ بولو سارہ! میں نے تمہیں اپنا راز دے دیا ہے، تم مجھے اپنا راز دے دو۔ مجھے تمہارے جسم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تمہاری رُوح کو پاک دیکھنا چاہتا ہوں۔"

سارہ پر حسن طلسم بن کر طاری ہو چکا تھا۔ سارہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آہستہ سے بولی۔ "ہاں حسن! میں مسلمان ہوں۔ میں اپنے باپ کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہوں۔ میں سارہ نہیں سائرہ ہوں۔"

"گناہ کسی کے بھی تھے۔" حسن نے کہا۔ "میں نے آج تک تمہاری زبان سے جو باتیں سنی ہیں اور جس انداز سے تم نے یہ باتیں کی ہیں، میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ گناہ تمہارے دل اور رُوح میں چُبھ رہے ہیں۔ تم صلیبیوں کے خلاف نفرت کا اور مسلمانوں کی پسندیدگی کا اظہار کرتی رہی ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چُبھن تمہیں بے چین رکھتی ہے۔"

"جب سے تم نے میری رُوح کو پاک پیار سے آشنا کیا ہے، مجھے عیش و عشرت کی یہ زندگی جہنم سے زیادہ آتشیں اور اذیت ناک محسوس ہونے لگی ہے۔ میں گناہوں میں پلی، بڑھی اور گناہوں میں جوان ہوئی۔ گناہوں کا حسن اب زہریلا ناگ بن گیا ہے۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

"اپنی جان لینا بھی گناہ ہے۔" حسن نے کہا۔ "اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے گناہوں کا کفارہ ادا کر دو، سب بے قراریاں روحانی سکون میں بدل جائیں گی۔"

"کیا کروں؟" سارہ نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔ "نماز پڑھا کروں؟ تارک الدنیا ہو جاؤں؟ بتاؤ

ہے۔ صلیبیوں نے اُس پر جادو سا کر دیا ہے۔ درویش اگر صلیبیوں کا کوئی ڈھونگ نہیں اور درویش ہی ہے تو یہ کوئی بڑی ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ خدا اُسے فتح کا اشارہ دے گا، ہمارے اسلامی عقیدے کے منافی ہے۔ اس پیغام کے ساتھ رضیہ خاتون نے جاسوس سے کہا تھا کہ اس درویش کو بے نقاب کریں اور ممکن ہو تو قتل کر دیں۔ رضیہ خاتون نے اس شک کا بھی اظہار کیا تھا کہ صلیبی ان پہاڑیوں کے اندر کچھ اور کر رہے ہیں۔ معلوم کرو کہ یہ کیا ہے اور اس کی اطلاع سلطان ایوبی تک پہنچاؤ۔

☆

حسن بن درویش کی پُراسرار دنیا میں داخل ہو گیا تھا اور اُس نے ان صلیبیوں میں اعتماد حاصل کر لیا تھا جو پہاڑیوں میں رہتے تھے مگر اُن سے ایک میل آگے پہاڑیوں میں نہیں جانے دیا جاتا تھا جو راستہ تھا وہ اس میل سے آگے تھا۔ وہاں پہاڑیاں اونچی تھیں اور ان میں گھری ہوئی چٹانیں تھیں۔ حسن ابن درویش کو دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔ وہ کسی سے پوچھتا نہیں تھا تاکہ اس پر کوئی شک نہ کرے۔ اُس نے اس قدر اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ اُسے رضدی کے حرم کے لیے بھی ساتھ لے گئے تھے۔

رضدی اس نیم زمین دوز سائبان میں رہنے والے دو تین صلیبیوں کے لیے تفریح کا سامان بن گئی تھی۔ ان میں جو اُن کا سربراہ تھا وہ رضدی کو تفریح کے ذریعے سے کچھ زیادہ اہمیت دینے لگا تھا اس لیے وہ اس لڑکی کو ہر کسی کا کھلونا بننے کی مہلت نہیں دیتا تھا۔ یہ رضدی کے حسن کا اثر بھی تھا جو بازاری قسم کی ناچنے والیوں کی نسبت پاک اور معصوم سُنتا تھا اور یہ اثر اس کی باتوں کا بھی تھا جو ناچنے والیوں جیسی نہیں تھیں۔ ایک رات اس سربراہ نے اُس سے پوچھا۔ "کیا تم میری خوشنودی کے لیے ناچتی ہو اور کیا تم میرے ساتھ راتیں گزارنے میں خوشی محسوس کرتی ہو؟"

"آپ کو خوش ہونا چاہیے۔ میں خوش ہوں۔" رضدی نے متانت سے کہا۔ "مجبوری نے مجھے کھلونا بنا دیا ہے۔ میں دل کی بات کہنے سے ڈرتی نہیں۔ مجھے آپ سے نفرت ہے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل شدید حقارت سے کرتی ہوں۔"

"تم جانتی ہو کہ اس بدزبانی کی پاداش میں، میں تمہارا سر تن سے جدا کر سکتا ہوں؟" سربراہ نے کہا۔ "میں تمہارا یہ حسین چہرہ گھوڑوں کے آگے پھینک سکتا ہوں۔"

"اس سے میرے لیے بہت بڑا انعام ہو گا۔" رضدی نے کہا۔ "میرے لیے یہ بہت سخت سزا ہے کہ میرا سر میرے تن کے ساتھ ہے اور آپ جیسا آدمی میری روح کو کھا رہا ہے۔ آپ اپنے آپ کو جنگجو اور بہادر سمجھتے ہیں۔ ایک بے بس اور مجبور لڑکی کو قید میں رکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ مردانگی اور تلوار کے زور سے آپ مجھے اپنی لونڈی بنانا چاہتے ہیں۔ میرے دل پر اس طرح حکومت کریں کہ آپ محبت سے پوچھیں کہ میں آپ کی خوشنودی کے لیے آپ کا حکم مانتی ہوں؟ بلکہ میں آپ سے پوچھوں کہ میرے رقص اور میرے وجود سے آپ کو مسرت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟"

"اگر میں تمہارے سامنے سونے کی ڈلیاں رکھ دوں تو دل سے مجھے اپنا آقا تسلیم کر لو گی؟"

"نہیں۔" رضدی نے جواب دیا۔ "مجھے جس انعام کی ضرورت ہے وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ وہ جس کے پاس تھا وہ مر گیا۔ وہ انسان تھا جسے میرے جسم کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی... اور تم؟... تم گدھ ہو، گیدڑ ہو، بھیڑیئے ہو۔"

"اس نے تمہیں محبت دی تھی؟" سربراہ نے کہا۔ "اگر میں تمہیں وہی محبت دے دوں تو؟"

"میں نہیں میری روح محبت کی پیاسی ہے۔" اس نے کہا۔ سربراہ نے شراب کا پیالہ اٹھایا۔ منہ سے لگانے لگا تو رضدی نے پیالہ پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ سے لے کر کھانس بلکہ پرے پھینک دیا اور کہا۔ "مجھے ناقص پایا ہے تو میری باتیں سن لو۔ شراب پی لو گے تو تمہاری عقل پر اور جذبات پر بھی پردے پڑ جائیں گے۔ تم نے پوچھا ہے کہ تم مجھے وہی محبت دے دو تو میں قبول کروں گی؟ مجھے پہلے اپنی محبت دکھاؤ۔ یہ پی ہوئی تو مجھے اپنے ساتھ جیتے ہوئے موجوں سے ٹکراتے گھوڑوں سے چھلانگ لگا دو گے تو ہنسی خوشی چلوں گی۔ تمہارے ساتھ جل کر مر جاؤں گی۔"

سربراہ نے اُسے دیکھا۔ اُس نے اس لڑکی کے جسم کے روئیں روئیں کو دیکھا تھا کئی روز سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بھورے بھورے، بکھرے بکھرے بالوں کے گرد سے بھی لطف اندوز ہوا تھا۔ اُس نے ان ریشمی بالوں کا سحر بھی وقت بھی دیکھا تھا جب یہ بال اُس کے عریاں سینے پر اور عریاں پیٹھ پر بکھرے ہوتے تھے۔ وہ لڑکی کے جسم سے آشنا بن واقف ہو گیا تھا جتنا اپنے جسم سے واقف تھا مگر لڑکی نے نفرت اور حقارت کا اظہار ایسی بے خوفی سے کر دیا اور اس نے ہاتھ سے پیالہ چھین کر پرے پھینک دیا تو اس شخص کی مردانگی جواب دے گئی۔ اس نے اپنے آپ میں کتنی بے بسی محسوس کی جیسے یہ لڑکی اس پر تبسم بن کر غالب آ گئی ہو۔ یہ مرد کی فطرت ہے کہ وہ عورت کی مزاحمت کا مقابلہ کرتا ہے۔ مزاحمت سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے مگر ایک عورت جسے وہ پسند کرتا ہے وہ اُسے کہہ دے کہ مجھے تم سے نفرت ہے تو وہ ریت کی ڈھیری بن جاتا ہے۔ یہی جذباتی حالت اس شخص کی ہوئی جس نے جوانی صلیبی جنگ میں گزاری اور مسلسل فتوحات کے خیمے لہراتا رہا تھا۔

"میں تمہیں اپنے کسی ساتھی کے ہاتھ کھلونا نہیں بننے دوں گا۔"

"میں حکم کی پابند ہوں۔" رضدی نے کہا۔ "میں خودکشی نہیں کروں گی۔ یہ بزدلی ہے۔ میں بھاگنے کی بھی کوشش نہیں کروں گی۔ یہ دھوکہ ہے۔ میں خودکشی کر چکی ہوں۔ اپنا من مار دیا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ اُٹھی۔ دو تین قدم پیچھے ہٹ کر رضدی کی طرف بڑھا جیسے اس لڑکی نے اُسے ہپناٹائز کر لیا ہو۔ اُس نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اٹھایا اور رضدی کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "تم میرے تصور سے بھی زیادہ خوبصورت ہو۔" اُس نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور بولا۔ "میں نے آج پہلی بار محسوس کیا ہے کہ تمہاری آواز میں سوز ہے۔ تم رقاصہ ہو، مغنیہ تو نہیں؟"

"میں گاتی بھی ہوں۔" رضدی نے کہا۔ "لیکن نغمہ وہ سناؤں گی جو مجھے پسند ہو گا جس میں میرا درد ہو گا۔"

وہ گنگنانے لگی۔ "چنے تا نلے حجرکے؟"

سائبان کے اندر کے ماحول پر وجد طاری ہو گیا۔ آواز رضدی کے دل سے نکل رہی تھی۔ اس نغمے میں اس کی محبت کے بین تھے۔ دل کی آہیں تھیں۔ آرزوؤں کا سوز تھا اور اُن کے اُن خوابوں کا حسن تھا جو حجاز کے راستے میں شہید ہو گئے تھے۔ رضدی کے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اُس کی لے اور پُرسوز ہو گئی۔ اور عجیب بات یہ ہوئی کہ صلیبی سربراہ کو ایسی غنودگی آنے لگی جو اُسے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ اُسے ہر رات شراب مدہوش کرتی اور وہ اسی مدہوشی میں سو جایا کرتا تھا۔

وہ گہری نیند سو گیا تو رضدی کی نظر اس شخص پر پڑی جو پلنگ کے قریب تپائی پر پڑا تھا۔ رضدی نے آہستہ سے خنجر نیام سے نکالا۔ اس کی نوک پر انگلی رکھی اور خنجر مضبوطی سے پکڑ کر سوئے ہوئے صلیبی کے قریب گئی۔ اس نے خنجر کی نوک

اُس کی شہ رگ کے قریب لے گئی۔ ہاتھ اوپر اٹھایا تو اُسے آواز سنائی دی ۔"رُکی"۔ اُس نے اُدھر دیکھا۔ سائبان کا پردہ اٹھائے وہی خوبرو آدمی کھڑا تھا جس نے کہا تھا کہ وہ صلیبیوں کا جاسوس ہے۔ وہ حسن ابن ادریس تھا۔

☆

حسن الادریس نے رعدی کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ رعدی سے خنجر نیام میں ڈالا اور پردے تک گئی۔ حسن ابن ادریس نے اُسے بازو سے پکڑا اور باہر لے گیا، بولا۔ "آج رات یہ اکیلا ہے۔ دوسرے بہت دنوں کے لیے چلے گئے ہیں۔ یہ شخص میری ذمہ داری اور حفاظت میں ہے لیکن میں سوئے ہوئے کو قتل نہیں کرتا۔ اسے جو قتل کرنے آئے گا وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔... تم تو اسے کہہ رہی تھی کہ میں خودکشی نہیں کروں گی کہ یہ بزدلی ہے اور میں بھاگوں گی نہیں کہ یہ دھوکہ ہے، مگر تم سوئے ہوئے کو قتل کرنے لگی تھیں۔ کیا یہ دھوکہ نہیں؟"

"تم اسے بتا دو گے کہ میں نے اس کی شہ رگ اور دل پر خنجر رکھا تھا؟" اس نے پوچھا اور آہ لے کے بولی۔ "بتا دینا۔ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس سے میرا بھلا ہو جائے گا۔ اور وہ تمہیں انعام دے گا۔ اس سے تمہارا بھلا ہو جائے گا۔"

"مجھے اس شخص سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی تمہارے دل میں ہے۔" حسن الادریس نے کہا۔ "میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"اور مجھ سے اس کا انعام مانگو گے؟" رعدی نے پوچھا۔ "بلکہ مجھے انعام کے طور پر مانگو گے؟"

"نہیں۔" حسن الادریس نے کہا۔ "مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں"۔ وہ لڑکی کو ذرا پرے لے گیا اور اپنائیت کے لہجے میں بولا۔ "میں بھی تمہاری طرح حجاز کا مسافر ہوں۔ ہم نے جس رات تمہیں اُن آدمیوں سے چھینا تھا اس رات تم نے اپنی زندگی کی کہانی سنائی تھی۔ تم نے اپنے جذبات اور اپنی ایک خواہش کا بھی اظہار کیا تھا۔ میں اُس رات سے سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کون سی نیکی بتاؤں جس سے تم خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتی ہو۔" حسن الادریس کی زبان کے سحر نے رعدی کو مسحور کر لیا۔ وہ بولتا رہا۔ وہ سنتی رہی۔ سلطان ایوبی کے جاسوس رہنما نے اس حسین لڑکی کے دل پر قبضہ کر لیا... رعدی وہاں سے اٹھنے پر آمادہ نہیں تھی۔ حسن الادریس نے اُسے جانے پر مجبور کیا تو وہ چلی گئی۔

وہ تین چار راتیں تھیں۔ حسن الادریس نے رعدی کو اپنی جذباتی باتوں اور نیک نیتی کے جادو میں گرفتار کر لیا تھا۔ رعدی اس سے حجاز کی باتیں پوچھتی تھی اور وہ جذباتی انداز میں اُسے حجاز کی دلکش باتیں سناتا تھا۔ دن کے وقت حسن الادریس اس کوشش میں لگا رہتا کہ معلوم کر سکے کہ جہاں اُسے نہیں جانے دیا جاتا وہاں کیا ہے مگر وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکا۔ ایک رات اُس نے لڑکی کو اعتماد میں لے لیا اور کہا کہ ان لوگوں نے ان پہاڑوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔ رعدی نے فوراً جواب دیا۔

"جنگی سامان ہے۔ اس (سردار) نے مجھے بتایا تھا۔ کہتا تھا کہ اس میں آگ لگانے والا تیل اتنا زیادہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے شہروں کو جلا کر بھی ختم نہ ہو.... بے شک میں اس شخص کی لونڈی بلکہ داشتہ ہوں، لیکن یہ میرے آگے غلاموں جیسی حرکتیں کرتا ہے۔"

"کیا تم اس سے خوش ہو کہ تم اتنے اونچے رتبے والے صلیبی کی داشتہ ہو اور یہ تمہارا غلام ہے؟"

"نہیں!" رعدی نے اداس لہجے میں جواب دیا۔ "میں اپنے جسم کی بات کر رہی ہوں۔ میری روح کبھی خوش نہیں ہوگی۔ مجھے جو حجاز کے راستے سے اغوا کر کے لائے تھے وہ کہتے تھے کہ تم نے ناراض ہے۔ کوئی ایسی نیکی کرو کہ خدا تمہارے گناہ بخش دے۔ اور وہ جو مجھے حجاز لے جا رہا تھا اور جسے میں نے چاہا تھا، کہتا تھا کہ حج کر کے ہم پاک ہو جائیں گے۔ پھر وہیں شادی کریں گے۔ میں تو گناہوں میں ڈوبتی چلی جا رہی ہوں۔ میں کیا نیکی کروں گی۔ خدا مجھے سزا دینا چاہتا ہوگا۔"

"زمزم کا پانی ہی نہیں، آگ بھی تمہیں پاک کر سکتی ہے۔" حسن الادریس نے ہنس کر کہا۔ "تم حجاز پہنچ کر پاسبانِ حجاز کو خوش کر دو تو خدا تمہاری روح کو گناہوں سے پاک کر دے گا۔ تم سمجھ پا رہی ہو؟"

"کون ہے پاسبانِ حجاز؟" رعدی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "اور یہ کون سی آگ ہے جو مجھے پاک کر سکتی ہے؟"

"پاسبانِ حجاز سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔" حسن الادریس نے کہا۔ "اور آگ یہ ہے جو ان پہاڑوں میں کنستروں اور مشکوں میں تیل کی صورت میں بھری پڑی ہے۔ اس سے حجاز تک کوئی آگ لگائی جائے گی۔ تم کسی طرح مجھے وہاں تک پہنچا دو جہاں آگ اور جنگ کا سامان بھرا پڑا ہے۔"

رعدی کچھ سمجھ نہ سکی۔ حسن الادریس نے اُسے بڑی لمبی کہانی سنائی۔ سلطان ایوبی کا عزم اور اُس کا کردار بتایا۔ صلیبیوں کے عزائم بتائے اور اُسے ایسی باتیں سنائیں کہ اُس کے دل میں صلیبیوں کی نفرت پیدا ہو گئی اور اسے حق و باطل کا تضاد معلوم ہو گیا۔

☆

دوسرے دن حسن الادریس نے دیکھا کہ رعدی گھوڑے پر سوار صلیبی سردار کے ہمراہ پہاڑیوں کے اُس حصے کی طرف جا رہی تھی جہاں حسن الادریس کو اور صلیبی پہرہ داروں کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی.... رات کو سردار رعدی سے بدلہ لے کر گہری نیند سو گیا۔ یہ نیند بہت ہی گہری تھی کیونکہ رعدی نے حسن الادریس کا بھیجا ہوا چینی ساخت سفوف اس کے شربت میں ملا کر پلا دیا تھا۔ جاسوس بے ہوش کرنے والا سفوف اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ رعدی اُس جگہ پہنچ گئی جہاں حسن الادریس اُس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

"وہاں تو بہت بڑا اندر ہے۔" رعدی نے اُسے بتایا۔ "ان لوگوں نے کھدکھود کر اسے اور زیادہ وسیع کر لیا ہے۔ اتنا چوڑا اور نما کہ دوسرا سرا نظر نہیں آتا۔ اندر آگ لگانے والے تیل کے ہزارہا مشکے اور کنستر رکھے ہیں۔ ساتھ ہی برچھیاں، تیر و کمان، اناج، خیمے، کپڑے اور بے انداز سامان پڑا ہے.... میں نے اس صلیبی سردار سے بچوں کی طرح کہا کہ میں ان پہاڑیوں کے اندر کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔ اُس نے کہا کہ کل دن کو لے چلوں گا۔ تم تو میری ملکہ ہو۔ کسی کو بتانا مت کہ میں تمہیں اُدھر لے گیا تھا۔ وہ مجھے لے گیا۔" رعدی نے اسے بتایا کہ اس غار میں سامنے دو آدمی پہرے پر کھڑے رہتے ہیں اور غار کا دہانہ کھلا رہتا ہے۔ غار سے سو ڈیڑھ سو گز دور پہرہ دار دستے کے خیمے ہیں۔ رعدی نے کہا۔ "تھوڑے فاصلے پر ایک خیمہ ہے جس کے باہر ایک ضعیف آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ سردار نے اُسے پاؤں کی ٹھوکر سے بیدار کر کے کہا۔ 'او درویش! کوئی تکلیف تو نہیں؟ کھانا ٹھیک ملتا ہے؟'۔ بوڑھے نے ضعیف آواز میں پوچھا۔ 'جناب

مجھے کب رہا کرو گے؟ مجھے اب جانے دو۔" سربراہ نے نفرت سے کہا۔ "ابھی انتظار کرو۔ بہت انعام ملے گا۔ یہ شاید وہی درویش ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا۔"

"ہاں۔" حسن الادریس نے کہا۔ "یہ صلیبیوں کا وہی ڈھونگ ہے جس نے مرو کے باشندوں اور اُن کے والی عزالدین کو بھی دیوانہ بنا رکھا ہے..... آؤ رعدی! ہم دونوں مل کر خدا سے تمہارے گناہوں کی بخشش حاصل کریں گے۔"

دونوں چل پڑے۔ سُرچھپ چھپ کر۔ رات کا اندھیرا فائدہ دے رہا تھا۔ وہ چٹانوں کی تنگ گلیوں سے گزرتے رہے۔ جدھر اُدھر دیکھتے، کان کھڑے کیے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں دو پہرہ دار کھڑے تھے۔ اُن کے قریب ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس کا ڈنڈا زمین پر گرا ہوا تھا۔ حسن الادریس اور رعدی اُن سے پندرہ بیس قدم دُور پیچھے رہے۔ دونوں اپنی اپنی جان کی بازی لگانے آئے تھے۔ خدا دیکھ رہا تھا۔ حسن الادریس کھانسا اور رعدی کو ایک طرف گرا دیا اور خود بیٹھ گیا۔ ایک سنتری "کون ہے؟" پکار کر ادھر آیا۔ اندھیرے میں اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ حسن الادریس نے پیچھے سے اس کی گردن باندھ کے گھیرے میں جکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے خنجر کے تین چار وار اس کے دل کے مقام پر کیے۔ سنتری گر پڑا۔

حسن الادریس انتظار کرتا رہا۔ دوسرے سنتری نے اپنے ساتھی کو پکارا۔ اُسے جواب نہ ملا تو وہ آہستہ آہستہ ادھر آیا۔ وہ جب اپنے مرے ہوئے ساتھی کے قریب پہنچا تو اندھیرے میں اُسے کوئی زمین پر پڑا نظر آیا۔ اُس نے جُھک کر دیکھا اور وہ حسن الادریس کے شکنجے میں آ گیا۔ رعدی نے انتظار نہ کیا۔ وہ خار کی طرف دوڑی اور زمین سے مشعل اٹھا کر خار کے منہ پہنچی گئی۔ حسن الادریس نے دوسرے سنتری کو بھی ختم کر دیا۔ پہرے داروں کا دستہ خیموں میں سویا ہُوا تھا۔ حسن الادریس نے رعدی کو پکارا مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ خار کی طرف دوڑا۔ وہاں مشعل بھی نہیں تھی۔

اتنے میں خار میں ایک شعلہ اٹھا۔ رعدی دوڑتی باہر آئی۔ اس کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے خار کے اندر آتش گیر سیال کا ایک مٹکا اوندھا کر کے مشعل سے اُسے آگ لگا دی تھی۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ سیال کس طرح بھڑک کر بے اختیار ہے۔ شعلے نے پھیل کر رعدی کو بھی زد میں لے لیا۔ جب حسن الادریس نے اُسے پکڑا اُس وقت اُس کا آدھا حسین چہرہ جھلس چکا تھا اور اس کے ریشم جیسے بال جل چکے تھے۔ حسن الادریس نے اُس کے کپڑوں کی آگ بجھاتے اپنے ہاتھ جلا لیے۔ کپڑوں کی آگ تو بجھ گئی مگر رعدی پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جُھلس کر بند ہو گئی تھیں۔

حسن الادریس نے اسے کندھے پر اٹھایا اور دوڑ پڑا۔ ممنوعہ علاقے سے نکل کر اُسے اگلے علاقے سے پوری واقفیت تھی۔ خار میں رکی ہوئی آگ نے بند کنستروں اور مشکوں کو اتنی حرارت دے دی کہ ایک مہیب دھماکہ ہُوا جس سے زمین زلزلے کی طرح کانپی۔ ہزاروں من بند آتش گیر سیال ایک ہی بار پھٹ گیا تھا۔ اس نے جبل تباہی کا سارا سامان تباہ کیا۔ وہاں صلیبیوں کا چھپایا ہُوا تمام تر اسلحہ اور دیگر سامان بھی بھسم ہو گیا۔

دھماکے نے موصل شہر کو جگا دیا۔ لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ حسن الادریس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ شہر کے دروازے بند تھے۔ وہ شہر کی بجائے نصیبہ کی طرف چل پڑا۔ وہ خطرے سے نکل گیا تھا۔ اُس نے رعدی کو کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ بہت دُور جا کر وہ تھک گیا تو رعدی کو زمین پر لٹا دیا۔ رعدی نے سرگوشی کی۔ "آگ نے مجھے پاک کر دیا ہے۔" وہ ہنسی اور خواب میں بڑبڑانے کے لہجے میں بولی۔ "قافلہ جلد کوچ کرے گا۔ وہاں جا کر شادی کریں گے؟"

"رعدی، رعدی۔" حسن الادریس نے اسے بلایا۔

"خدا نے میرے گناہ بخش دیے ہیں نا؟" رعدی نے پوچھا۔ وہ اُٹھ بیٹھی اور بازو آگے کر کے بولی۔ "وہ سامنے ہیں۔ دیکھو۔ وہ قافلے والے جا رہے ہیں۔ میں بھی جا رہی ہوں؟"

وہ ایک طرف گری۔ حسن الادریس نے اُسے بلایا، ہلایا۔ آخر نبض پر ہاتھ رکھا۔ رعدی کی رُوح قافلے کے قافلے کے ساتھ جا چکی تھی۔

حسن الادریس نے خنجر سے قبر کھودی۔ صبح تک وہ مزار جتنی گہری اور رعدی کے قد جتنا لمبا گڑھا کھود سکا۔ اس نے رعدی کو اس میں لٹایا اور اُوپر مٹی ڈال دی۔

جب کچھ روز بعد سلطان ایوبی کو صلیبیوں کے ذخیرے کی تباہی کی اطلاع ملی اُس وقت وہ ایک مختصر مقام تل خالد کی طرف پیشقدمی کر رہا تھا۔ تل خالد ایک بڑی ریاست تھی جس کا حکمران صلیبی شاہ ارمن تھا۔ وہ اُس وقت ہرزم کے مقام پر تھا جہاں اُسے والیٔ موصل عزالدین نے ملاقات کے لیے بُلایا تھا۔ ملاقات کا مقصد یہ تھا کہ شاہ ارمن سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے عزالدین کو فوج اور دیگر جنگی مدد دے۔ سلطان ایوبی کو اس ملاقات کا علم قبل از وقت ہو گیا۔ اُس نے شاہ ارمن کے دارالحکومت تل خالد کو محاصرے میں لینے کے لیے پیشقدمی کر دی۔

☆

دوسرا درویش

صلیبیوں کے لیے یہ چوٹ معمولی نہیں تھی کہ انہوں نے سامانوں کے علاقے موصل کے قریب پہاڑیوں کے غاروں کو وسیع کرکے اتنا زیادہ اسلحہ اور آتش گیر سیال چھپا کر رکھا تھا جس سے وہ سلطنت اسلامیہ کی تمام تر عمارتوں کو کھنڈروں میں بدل سکتے تھے، مگر سلطان ایوبی کے تباہ کار جاسوسوں نے اُسے اُڑا دیا۔ یہ سامان چونکہ پہاڑی کے اندر وسیع غار میں تھا۔ اس کے دھماکے نے دُور دُور تک زمین یوں ہلا دی تھی جیسے زلزلہ آیا ہو۔ یہ تو کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ یہ تباہی کس طرح بپا کی گئی ہے جس سے صرف صلیبیوں کی ہی نہیں بلکہ صلیبیوں کے سب سے بڑے اتحادی عزالدین کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ انہوں نے سلطان ایوبی کے خلاف جو درپردہ معاہدہ کر رکھا تھا اس معاہدے کے پرخچے اُڑ گئے تھے۔ صلیبیوں کو یقین تھا کہ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا کام ہے۔ انہوں نے سوچا بھی نہیں کہ یہ اتفاقیہ حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔

پچھلی قسط میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ صلیبی موصل کے دل عزالدین کو اپنا اتحادی بنا کر موصل کے پہاڑی علاقے کو اپنا فوجی اڈہ اور اسلحہ بارود اور دیگر رسد کا بہت بڑا ذخیرہ بنانا چاہتے تھے مگر رعدی نام کی صرف ایک لڑکی نے اپنے ساتھی حسن الادریس کے تعاون سے اُن کا ذخیرہ تباہ کر دیا۔ اس علاقے سے لوگوں کو دُور رکھنے کے لیے ایک درویش کی نمائش کرکے اُس کی زبانی یہ مشہور کرا دیا گیا تھا کہ یہ درویش جس روز پہاڑی کی ایک چوٹی پر بیٹھے گا اور اسے خدا موصل کی فتح کا اشارہ دے گا پھر موصل یعنی عزالدین کی سلطنت دور دور تک پھیل جائے گی۔ اس درویش کا یہ انجام ہوا کہ اسلحہ اور آتش گیر سیال کی تباہی کے ساتھ ہی تباہ ہو گیا۔

دوسرے دن موصل کے لوگوں پر دہشت طاری تھی۔ انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا کہ رات یہ دھماکہ اور زمین کا لرزہ کیسا تھا اور پہاڑیوں میں سے یہ جو سیاہ بادل اُٹھ اُٹھ کر آسمان کو جا رہے ہیں یہ کیسے ہیں۔ آتش گیر سیال کئی روز جلتا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ وسیع غار میں اندر جو سامان رکھا تھا وہ بھی جل رہا تھا۔ دھماکے کے بارے کوئی سوچ جا نہیں تھا۔ سب اُسے درویش کی کرامات یا قہر سمجھ رہے تھے۔ ایسی دہشت زدگی کی اذیت ناک کیفیت میں انہیں ایک صدا سنائی دی ــــ "وہ جہنم کی آگ میں جل گیا ہے۔ وہ اپنے جہنم میں جل گیا ہے۔"

یہ ایک اور درویش تھا جو سبز قبا میں ملبوس تھا۔ سر کے بال لمبے اور سفید تھے، داڑھی بھی لمبی اور سفید تھی۔ اس کے چہرے پر بڑھاپے کی جھریاں تھیں۔ ایک ہاتھ میں لمبا عصا اور دوسرے میں قرآن تھا۔ یہ اُسی درویش کی مانند تھا جو اُسی کی طرح اچانک نمودار ہوا اور اُس نے اعلان کیا تھا کہ اُسے خدا آسمان سے ایک اشارہ دے گا۔ یہ نیا درویش بھی اچانک نمودار ہوا اور جب وہ بازار میں آیا تو خوف سے کانپتے ہوئے لوگوں نے اُسے روک کر گھیر لیا۔

"صلیبی شاید تم سے آمنے سامنے کی ٹکر نہیں لیں گے"۔ اعتشام الدین نے کہا ــــ "انہوں نے ہمیں ہماری اپنی تلواروں سے مروانے کا انتظام کر لیا ہے۔ انہیں اپنی فوجیں مروانے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑانے کے لیے انہیں مدد اور شہ دے رہے ہیں۔ یہ چھوٹی بڑی مسلمان امارتیں اور ریاستیں جو دراصل خلافتِ بغداد کے صوبے ہیں بہت درپردہ صلیبیوں کے غلام بن گئے ہیں تاکہ خود محفوظ رہیں۔ اپنے مرکز سے کٹ کر خود مختاری اسی صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے کہ دشمن کی مدد لو اور اپنے بھائی کو دشمن کہو۔ خانہ جنگی میں صرف ایک فریق سپّا اور محبِ وطن ہوتا ہے۔ دوسرا فریق دشمن کا دوست ہوتا ہے۔ دشمن اُسے خلوص سے مدد نہیں دیتا بلکہ اپنے فائدے اور اپنے عزائم کی تسکین کے لیے مدد دیتا ہے....

"صلیبی ہمارے مخالف دھڑے کو مدد دے رہے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ موصل کو اپنے چھاپہ مار دستوں کا اڈہ بنا رہے ہیں۔ وہ کچھ عرصے تک چھاپوں اور شبخونوں کی جنگ لڑیں گے۔ رفتہ رفتہ وہ حلب کو اور دیگر تمام مسلمان ریاستوں کو اپنے اڈے بنا لیں گے جو آپ کے خلاف استعمال ہوں گے۔ میں جب بیروت میں تھا تو مجھے پتہ چلا تھا کہ صلیبی موصل سے کچھ دُور پہاڑی علاقے میں بے شمار اسلحہ اور سامان چھپا کر رکھیں گے۔ اس میں آتش گیر مادہ بہت زیادہ ہوگا۔ اسے وہ اپنے چھاپہ ماروں کے لیے استعمال کریں گے اور بعد میں کھلی جنگ میں بھی۔ وہ کھلی جنگ اسی صورت میں لڑیں گے جب بہت سی مسلمان امارتوں میں اپنے اڈے بنا کر مستحکم کر چکے ہوں گے۔ میں ابھی یہ معلوم نہیں کر سکا کہ وہ اسلحہ اور آتش گیر مادہ کس مقام پر رکھیں گے۔ یہ معلوم کرنا آپ کے جاسوسوں کا کام ہے"۔

سلطان ایوبی نے سالاروں کو بھیج دیا سوائے حسن بن عبداللہ کے جو جاسوسی اور سراغرسانی کے محکمے کا سربراہ تھا اور سالار صارم مصری کو بھی سلطان ایوبی نے اپنے پاس روک لیا۔ یہ چھاپہ مار دستوں کا سالار تھا۔

"میرا قیاس صحیح نکلا ہے"۔ سلطان ایوبی نے ان دونوں سے کہا ــــ "مجھے معلوم تھا کہ صلیبی موصل اور حلب کو درپردہ طریقوں سے اپنے اڈے بنانے کی کوشش کریں گے اور ہمارے مسلمان بھائی ان کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔ تم نے اعتشام الدین کی زبانی سُن لیا ہے کہ بالڈوئن اور دوسرے صلیبی موصل سے کچھ دُور کہیں جنگی سامان اور آتش گیر سیال کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رہے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جس طرح ہمیں رسد کے ذخیرے کی ضرورت ہے اسی طرح صلیبیوں کو بھی ضرورت ہے۔ ہم میں سے جس کا ذخیرہ ختم یا تباہ ہو گیا وہ آدھی جنگ ہار جائے گا۔ ہمارے کچھ دستے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر موصل اور حلب کے درمیان بیٹھے ہیں۔ انہیں میں نے عزّالدین اور عمادالدین کا آپس کا رابطہ توڑنے کے لیے بٹھایا ہے۔ اب بیروت اور ان دونوں جگہوں کے راستے روکنے ہیں۔ یہ مہم ذرا مشکل اور خطرناک ہوگی کیونکہ چھاپہ ماروں کو اپنے مستقر سے دُور جانا ہوگا"۔

"یہ مجھے دیکھنا ہے کہ یہ مہم مشکل ہے یا آسان"۔ صارم مصری نے کہا ــــ "اور یہ میرا فرض ہے کہ مشکل کو آسان کروں۔ آپ حکم دیں"۔

"کوئی قافلہ نظر آئے اُسے روک لو"۔ سلطان ایوبی نے کہا ــــ "تلاشی لو۔ مزاحمت ہو تو پورا معرکہ لڑو۔ کوشش کرو کہ قیدی زیادہ ہوں"۔ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا ــــ "اور حسن! تم مجھے یہ کام کر کے دکھاؤ کہ معلوم کرو کہ صلیبی اسلحہ اور آتش گیر سیال کا ذخیرہ کہاں جمع کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ذخیرہ کر بھی چکے ہوں۔ اگر تم جگہ معلوم کر سکو تو اس کی تباہی کا انتظام کر دوں گا"۔

"یہ انتظام انشاء اللہ میرا ہوگا"۔ صارم مصری نے کہا۔

"یہ ذہن میں رکھو کہ کچھ عرصے تک ہماری جنگ آنکھ مچولی جیسی ہوگی"۔ سلطان ایوبی نے کہا ــــ "صلیبی کھلی جنگ لڑنے کی بجائے شبخونوں اور تخریب کاری کی جنگ لڑیں گے۔ وہ شاید مجھے مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے کہ میں اُن پر کھلا حملہ کروں۔ میں ایسی حماقت نہیں کروں گا۔ وہ مجھے کئی جگہوں پر گھات لگائیں گے۔ میں سب سے پہلے اپنے ان اُمراء کو ساتھ ملاؤں گا جو صلیبیوں کے دوست بنتے جا رہے ہیں۔ میں اُن سے تعاون کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میں اب تلوار کی نوک پر اُن سے تعاون لوں گا۔ میں اُن میں سے کسی کا بھی خون بہانے سے دریغ نہیں کروں گا۔ یہ برائے نام مسلمان ہیں۔ مسلمان کے خلاف کافر کے ساتھ دوستی کرنے والا مسلمان بھی کافر ہوتا ہے۔ مجھے اب پروا نہیں کہ تاریخ مجھے کیا کہے گی۔ اگر مجھے آج کوئی کہے کہ آنے والی نسلیں مجھے اپنے بھائیوں کا قاتل اور خانہ جنگی کا مجرم کہیں گی تو بھی میں اپنے ارادوں سے باز نہیں آؤں گا۔ میں تاریخ اور آنے والی نسلوں کے آگے نہیں خدا کے آگے جوابدہ ہوں۔ خدا کے سوا نیت کو اور کوئی نہیں جانتا۔ میرے اور فلسطین کے درمیان اگر میرے بیٹے حائل ہوں گے تو میں انہیں بھی قتل کر دوں گا۔ اگر ہم نے آج قبلۂ اوّل کو صلیبیوں سے آزاد نہ کرایا تو ہمارے بعد صلیبی اور یہودی خانہ کعبہ پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ مجھے اپنے امراء اور حکمرانوں کے تیور اور طور طریقے بتا رہے ہیں کہ وہ بادشاہ بنیں گے اور اُن کی اولاد بھی بادشاہ ہوگی اور یہ لوگ فلسطین کو یہودیوں کے تسلط میں دے دیں گے۔ تلوار کے سوا میرے پاس اب کوئی علاج نہیں رہا"۔

"ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں"۔ صارم مصری نے کہا ــــ "اگر آپ میری رائے لیں تو میں یہی کہوں گا کہ مرکز سے خود مختاری یا نیم خود مختاری مانگنے والوں کو غداری کی سزا ملنی چاہیے"۔

"اور میں انہیں سزا دوں گا"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

سلطان صلاح الدّین ایوبی نے صارم مصری اور حسن بن عبداللہ کو جنگی نوعیت کی ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

☆

وہ دونوں چلے گئے تو سلطان ایوبی ایک اور مسئلے پر غور کرنے لگا۔ اُس نے جب بیروت سے مہم اُٹھایا تھا اور وہ نصیبہ کے مقام پر آ کر خیمہ زن ہو گیا تھا، اُس سے کچھ عرصے پہلے اُسے بحیرۂ قلزم کے مشرقی علاقے کے متعلق یہ اطلاعیں ملی تھیں کہ صلیبی فوجی دستے اس علاقے میں قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ صلیبی صرف مسلمان قافلوں کو لوٹتے تھے۔ مال و دولت کے علاوہ اغوا کار گھوڑے لے جاتے اور کمسن اور نوجوان لڑکیوں کو بھی اٹھا لے جاتے تھے۔ زیادہ تر رہزنی اُن دنوں ہوتی تھی جن دنوں مصر کے حاجیوں کے قافلے جاتے اور آتے تھے۔ ان ڈاکوؤں کو فوجی پیمانے پر ہی روکا جا سکتا تھا، لیکن سلطان ایوبی کے پاس اتنی فوج نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اُس کے دماغ پر فلسطین اور وہ مسلمان امراء سوار تھے جو صلیبیوں کے ساتھ درپردہ صلح اور مدد کے معاہدے کر رہے تھے۔ اس لیے سلطان ایوبی ادھر توجہ نہیں دے سکا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بیروت کے محاصرے میں سلطان ایوبی نے بحری بیڑہ بھی استعمال کیا تھا جس کا امیر البحر

حسام الدین لولو رتھا. محاصرہ ابتدا میں ہی ناکام ہوگیا تو سلطان ایوبی نے حسام الدین کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ بحیرۂ سکندریہ سے جہاز لے کر فوراً بعد قاہرہ سے سلطان ایوبی کو پیغام ملا کہ صلیبیوں نے قافلوں کو لوٹنا باقاعدہ پیشہ بنا لیا ہے اور اب کوئی قافلہ منزل تک پہنچتا ہی نہیں. سلطان ایوبی نے قاہرہ کو جواب دینے کی بجائے سکندریہ امیر البحر حسام الدین کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے بیڑے کے اُس حصے کی ہائی کمان لے لے جو بحیرۂ تلزم میں ہے.

سلطان ایوبی کا حکم یہ تھا — بحیرۂ تلزم میں تمہارا مقابلہ دشمن کے بحری بیڑے سے نہیں ہوگا، بلکہ تم خشکی پر گھات لگا کر اُن ڈاکوؤں کو پکڑو گے جو مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے ہیں. مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ ڈاکو صلیبی فوجی ہیں جو باقاعدہ منصوبے اور اوپر والوں کے احکام کے تحت لوٹ مار کر رہے ہیں. یہ صحرا میں نہیں رہتے. سمندر کے کنارے رہتے ہیں. تم فوج کا ایک فتحیاب دستہ ساتھ لے جاؤ اور سمندر میں گھومتے پھرتے رہو. جہاں تمہیں ڈاکوؤں کا شبہ ہو وہاں سپاہیوں کو کشتیوں سے اتار کر خشکی پر بھیجو اور ڈاکوؤں کا خاتمہ کرو. میرے اگلے حکم تک تم تلزم میں ہی رہو گے."

حسام الدین حکم ملتے ہی بحیرۂ تلزم میں چلا گیا. اُس دور میں بحیرۂ روم اور تلزم کو ملانے کے لیے نہر سویز نہیں تھی. بحیرۂ تلزم میں سلطان ایوبی نے چند ایک جنگی جہاز اور کشتیاں رکھی ہوئی تھیں. اگر آپ مشرقِ وسطیٰ کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو بحیرۂ تلزم اور اس کے اوپر خلیج سویز نظر آئے گی. اس سمندر کے مغربی کنارے پر صحرا اور مشرقی کنارے پر سعودی عرب ہے. شمال میں صحرائے سینائی اور خلیج عقبہ ہے. بعض قافلے جو مصر سے حج کے لیے جاتے تھے، وہ اونٹوں اور گھوڑوں سمیت کشتیوں کے ذریعے خلیج سویز عبور کرتے تھے. اکثر قافلے خشکی پر ہی جاتے تھے. اور بحیرۂ تلزم کے ساتھ ساتھ سفر کرتے تھے کیونکہ سمندر کے قریب گرمی میں کمی رہتی تھی.

حسام الدین نے وہاں جاتے ہی ساحل کے ساتھ ساتھ خشکی پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے اور چند ایک ڈاکوؤں کو پکڑ کر وہیں قتل کر دیا لیکن اُسے ان میں صلیبی افواج کا کوئی ایک بھی سپاہی نہ ملا.

☆

حسام الدین کو ایک روز اطلاع ملی کہ مصر سے ایک بہت بڑا قافلہ حجاز کے لیے روانہ ہو گیا ہے. اُس وقت قافلے کو صحرائے عرب میں ہونا چاہیے تھا. حسام الدین نے تین چار سپاہیوں کو خانہ بدوشوں کے لباس میں گشت کے لیے بھیجا مگر انہیں کہیں قافلہ نظر نہ آیا. یہ ایک بدقسمت قافلہ تھا جو ساحل سے دُور دُور جا رہا تھا. ایک رات قافلے نے ایک جگہ قیام کیا. اس میں تاجر بھی تھے اور حجاج بھی. کئی ایک پورے پورے کنبوں کو ساتھ لیے جا رہے تھے. ان میں بچے بھی تھے، بوڑھے بھی اور چند ایک کمسن اور نوجوان لڑکیاں بھی تھیں. اونٹوں اور گھوڑوں کی تعداد خاصی تھی اور افراد کم و بیش چھ سو تھے. یہ سب کھا پی کر سو گئے تھے.

قافلہ سحر کی تاریکی میں جاگا. کسی نے اذان دی. سب نے تیمم کر کے باجماعت نماز پڑھی اور جب روانگی کی تیاری ہونے لگی تو کہیں سے بلند للکار سنائی دی — "سامان مت باندھو. سب ایک طرف کھڑے ہو جاؤ. کسی نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو وہ زندہ نہیں رہے گا."

قافلے میں کئی ایک گھبرائی ہوئی آوازیں سنائی دیں — "ڈاکو. ڈاکو."

صبح کی روشنی صاف ہو گئی. قافلے والوں نے دیکھا. ان کے اردگرد صحرائی لباس میں مسلح سینکڑوں آدمی کھڑے تھے. ان میں بعض گھوڑوں پر سوار تھے. ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور بعض کے پاس تلواریں تھیں. اُن کے سر اور چہرے صافوں میں لپٹے ہوئے تھے. قافلے کی تعداد زیادہ تھی اس لیے عارضی قیام گاہ وسیع تھی. ڈاکوؤں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا. قافلے والے مسلمان تھے. خاموشی سے تہ و تیغ ہو جانا اُن کا اصول نہیں تھا. انہیں مسلح ڈاکو اکثر قافلوں پر حملے کیا کرتے تھے، اس لیے وہ مسلح تھے اور لڑنے کے لیے تیار.

"عورتوں اور بچوں کو درمیان میں ایک جگہ کر لو." کسی نے آہستہ سے کہا اور یہ ہدایت کانوں کان پھیلتے ہوئے قافلے تک پہنچ گئی.

عورتیں اور بچے قیام گاہ کے وسط کو جانے لگے. ڈاکو آگے بڑھنے لگے. قافلے والوں کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ مقابلہ بھی کریں گے. ڈاکوؤں نے للکار بلند کی. اس کے بعد گھوڑوں کے دوڑنے کا، نعروں کا اور تلواریں ٹکرانے کا شور تھا جس میں عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دینی اور شور میں ڈوب جاتی تھیں. ڈاکوؤں میں سے زیادہ تر گھوڑوں پر سوار تھے اس لیے پیادوں کی بجائے تھا اور وہ تربیت یافتہ اور تجربہ کار لوگ تھے. قافلے والے بھی جم کر مقابلہ کر رہے تھے. یہ معرکہ بھی لگ رہے تھے. ایک آواز بلند بار سنائی دیتی تھی — "بچیوں کو درمیان میں رکھو.... لڑکیوں کو گم نہ ہونے دینا."

ایک لڑکی کی بلند آواز سنائی دی — "ہمارا غم نہ کرو. ہم تمہارے ساتھ ہیں."

قافلے والوں کو اگر گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقع مل جاتا تو وہ زیادہ بہتر طریقے سے لڑ سکتے تھے. مگر ان کے گھوڑے ابھی زینوں کے بغیر بندھے ہوئے تھے. وہ صلیبیوں کے گھوڑوں تلے روندے جا رہے تھے. ان میں سے جس کو بھی موقع ملتا وہ گھوڑے پر سوار ہو جاتا. زیادہ تر نقصان قافلے والوں کا ہو رہا تھا. اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ عورتوں اور بچوں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے. وہ گھوم پھر کر نہیں لڑ سکتے تھے. سمٹ کر پھیلتا بھی جا رہا تھا. قافلے میں سات آٹھ جوان لڑکیاں بھی تھیں. ان میں سلندریہ کی رہنے والی ایک رقاصہ بھی تھی جس کا نام رعدی تھا. وہ اپنے پیشے سے اکتا کر متفر ہو گئی اور حج کے لیے جا رہی تھی. اس کے ساتھ وہ آدمی تھا جس سے اُسے محبت ہو گئی تھی. وہ اسی کے سہارے اپنے آقاؤں سے بھاگ آئی تھی. انہوں نے ابھی شادی نہیں کی تھی. دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مکہ معظمہ جا کر شادی اور حج کریں گے.

رعدی رقاصہ تھی اس لیے اس کا جسم چھریرا تھا. کچھ دیر تک وہ اُس آدمی کے ساتھ رہی جس کے ساتھ وہ حج کو جا رہی تھی. اس آدمی کے پاس تلوار نہیں تھی جو اُس زمانے میں ہر مرد لباس کا حصہ سمجھ کر اپنے ساتھ رکھتے تھے. اس کی بجائے اس کے پاس خنجر تھا. اُس نے رعدی کو اپنے ساتھ رکھا اور اس کا چہرہ اور سر اس طرح کپڑے میں لپیٹ دیا کہ پتہ نہ چلے کہ یہ لڑکی ہے. اس آدمی نے ایک ڈاکو کو جو گھوڑے پر سوار نہیں تھا، پیچھے سے پیٹھ پر خنجر مارا. خنجر اتنا گہرا اترا کہ فوراً باہر نہ نکل سکا. ڈاکو نے گھوم کر اس آدمی کے پہلو میں برچھی کی طرح کا گھونپ دی. پھر وہ نیچے گر پڑے.

اس ڈاکو کی پیٹھ کے ساتھ تیروں سے بھری ہوئی ترکش بندھی ہوئی تھی اور اُس کے کندھے اور گردن میں کمان بھی لٹک رہی تھی. رعدی نے اس کی کمان اور ترکش اتار لی. یہ تینوں قیام گاہ کے کنارے پر تھے. قریب ہی کچھ سامان پڑا تھا جس میں خیمے بھی تھے. رعدی سامان اور خیموں کے ڈھیر کے پیچھے چھپ گئی. صلیبی ڈاکوؤں کے

گھوڑے دوڑتے ہوئے اس کے سامنے سے گزرتے تھے۔ رعدی کی کمان سے تیر نکلتا اور گھوڑ سوار اوندھا ہو جاتا۔ اس سے اُس نے کچھ سواروں کو گرایا اور اُس کے بعض تیر گھوڑوں کو لگے جو بے قابو ہو کر اور زیادہ تباہی مچانے لگے۔

رعدی کو کوئی بھی نہ دیکھ سکا مگر اُس نے ایک سوار پر تیر چلایا جو سوار کی بجائے گھوڑے کی گردن میں اُتر گیا۔ گھوڑا بے قابو ہو کر گھوما اور دُور کا چکر کاٹ کر سامان اور خیموں کے اُسی ڈھیر پر آ گیا جس میں رعدی چھپی ہوئی تھی۔ گھوڑا سامان کے ساتھ ٹکرایا اور ڈھیر پر گر پڑا۔ سوار دُور جا پڑا۔ ڈھیر سے ایک چیخ سنائی دی۔ گھوڑا رعدی کے اوپر گرا تھا لیکن وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس کی گردن میں تیر اُترا ہُوا تھا۔ وہ فوراً اٹھا اور اوندھا دُھند جاگ گیا۔ سوار اٹھا تو اسے لپٹے ہوئے خیموں میں ایک سر نظر آیا جو کسی عورت کا تھا۔ سوار نے خیمے ہٹا کر دیکھا۔ اُسے ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ وہ اُٹھنے کے قابل نہیں تھی اور وہ بے ہوش بھی نہیں تھی۔ صلیبی نے اُسے اٹھایا تو وہ کراہنے لگی۔

دو روز بعد حسام الدین ایک بحری جہاز میں اپنے کیبن میں بیٹھا ہُوا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ برّی فوج کے دستے کا کمانڈر دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اُس کے ساتھ ایک آدمی تھا جس کا چہرہ اُترا ہُوا اور لباس کی طرح سفید تھا۔

"صلیبی ڈاکوؤں نے بہت بڑے قافلے کو لوٹ لیا ہے۔" دستے کے کمانڈر نے حسام الدین سے کہا۔ "یہ آدمی اُن کی قید سے بھاگ آیا ہے۔ باقی اس سے سُن لیں۔"

اس آدمی نے تفصیل سے بتایا کہ قافلے پر کس طرح حملہ ہُوا تھا۔ "ہم نے بہت مقابلہ کیا لیکن ہمارے گھوڑے زمینوں کے نیچے ابھی بندھے ہوئے تھے۔ نہ ہم گھوڑ سواروں کو کامیاب ہونے دیتے۔ قافلے کے تھوڑے سے آدمی زندہ ہیں جو ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تک انہیں قتل کیا جا چکا ہوگا۔ میں بھی انہی قیدیوں میں تھا۔ ہم تو مرد تھے، شرمناک صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ پانچ جوان لڑکیاں اور دس بارہ کمسن لڑکیاں اُن کے قبضے میں ہیں۔ قافلے میں بڑا قیمتی سامان تھا۔ نقدی ہر ایک کے پاس تھی۔ نر تے گھوڑے اور تقریباً ڈیڑھ سو اونٹ ہیں۔"

"وہ اب کہاں ہیں؟"

"وہاں ڈیڑھ دو دن سے سیدھے کو ڈے ٹیلے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔ "ٹیلوں میں ڈاکوؤں نے کمروں جیسے غار بنا رکھے ہیں۔ اُن کے پاس پانی کا ذخیرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ اُن کا مستقل اڈہ ہے۔ ویرانے میں ہوتے ہوئے یہ جگہ ویران نہیں لگتی۔" اس نے جو جگہ بتائی وہ سمندر سے بیس میل دُور تھی۔ اُس نے کہا۔ "کچھ ڈاکو بھی ہماری تلواروں اور برچھیوں سے مرے ہیں لیکن زیادہ نقصان ہمارا ہُوا ہے۔ ہم جو زندہ رہ گئے انہیں وہ اپنے ساتھ لے آئے۔ شام تک وہ ہمارے تمام اونٹ، گھوڑے اور سارا سامان اٹھا کر اپنے ٹیلوں والے اڈے پر لے آئے۔ رات کو انہوں نے شراب پی اور ہمارا سامان کھول کھول کر دیکھنے لگے۔ ان کا ایک سردار بھی ہے۔ لڑکیاں اس کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ میں نے پھر لڑکیوں کو نہیں دیکھا۔ وہ ہم سے سامان اُٹھوا کر ایک وسیع غار میں رکھوا رہے تھے۔ بہت سی مشعلیں جل رہی تھیں۔ میرے زیادہ تر ساتھی زخمی تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں بھاگنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان میں سے کسی نے بتایا اگر شیریت سے نکل جاؤ تو سمندر تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ وہاں اپنی فوج کی گشتی کشتی مل جائے گی۔ اس میں اپنے عسکری ہوں گے۔ انہیں بتانا کہ ہم پر کیا مصیبت

ٹوٹی ہے۔۔۔۔

"مجھے یاد آ گیا کہ ہم معرکہ سے نکل رہے تھے تو وہاں اپنے عسکری ملے تھے۔ انہوں نے ہمیں کہا تھا کہ راستے میں کوئی مشکل پیش آ جائے تو ساحل پر چلے جانا، وہاں سے فوج کی مدد مل جائے گی۔۔۔۔ ڈاکو شاید بہت بدمست ہوئے جا رہے تھے۔ ہم سامان اُٹھا اُٹھا کر غار میں رکھ رہے تھے۔ مجھے اندھیرے میں بھاگنے کا موقع مل گیا۔ ان ٹیلوں میں سے نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ دربار میں گھوم پھر کر وہیں پہنچ گیا جہاں سے بھاگا تھا۔ میں نے اللہ کو یاد کیا۔ قرآن کی جو آیات یاد تھیں وہ پڑھنے لگا اور آدھی رات کے بہت بعد ٹیلوں کی گھاٹیوں سے نکل آیا۔ سمندر کی سمت کا خیال نہ رہا۔ میں بھاگتا رہا اور صبح ہونے تک اتنی دُور آ گیا جہاں ڈاکو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ سارا دن اللہ کو یاد کرتا رہا۔ پانی کا چھوٹا سا مشکیزہ ساتھ تھا۔ تھوڑی سی کھجوریں بھی تھیں۔ انہوں نے مجھے زندہ رکھا۔۔۔۔

"تھکن سے چلا نہ گیا تو دوپہر کے وقت ایک ریتلے ٹیلے کے دامن میں گر پڑا۔ ٹیلے کے سائے میں پتہ نہیں کتنی دیر غروب ہُوا تو آنکھ کھلی۔ ستارے روشن ہوئے تو سمت کا اندازہ ہُوا۔ بہت دیر بعد ہوا میں سمندر کی نمی محسوس ہونے لگی۔ میں بولک مخالف چلتا چلا آیا اور شاید سحر کا وقت تھا جب میں ساحل پر آ گیا اور جسم نے جواب دے دیا۔ میں گرا اور جانے بیہوش ہو گیا یا سو گیا۔ کسی نے مجھے جگایا۔ سورج بہت اوپر آ گیا تھا۔ مجھے جگانے والا کوئی عسکری تھا۔ ساحل کے ساتھ مجھے ایک کشتی نظر آئی۔ اس میں بھی عسکری تھے۔ وہ سب میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں بھی قصہ سنایا جو آپ کو سنا رہا ہوں۔ انہوں نے مجھے کشتی میں بٹھا لیا، کھلایا پلایا اور مجھے یہاں لے آئے۔ یہاں ان کمانڈو کے حوالے کر دیا۔ یہ مجھے آپ کے پاس لے آئے۔"

"ہماری راہنمائی کے لیے تم ہمارے ساتھ چلو گے۔" حسام الدین نے اسے کہا۔ "لیکن تمہاری حالت ایسی بُری ہے کہ فوراً ہمارے ساتھ نہیں چل سکو گے۔ تھکن نے تمہیں لاش بنا دیا ہے۔"

"میں فوراً آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" اس آدمی نے کہا۔ "میں آرام کس طرح کر سکتا ہوں جب مسلمان لڑکیاں ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں۔ اگر اس سفر میں مجھے تھکن سے مرنا ہے تو میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے قرآن کی آیات نے اس جہنم سے نکالا ہے، مجھ پر قرآن کا فرض عائد ہوتا ہے کہ ان معصوم بچیوں کو ظالموں کے چنگل سے چھڑاؤں۔ میں اس فرض پر جان دینا چاہتا ہوں۔"

"ڈاکوؤں کی تعداد کتنی ہے؟"

"پانچ سو سے زیادہ ہوگی۔" اس نے جواب دیا۔

"پانچ سو آدمی کافی ہوں گے؟" حسام الدین نے برّی دستے کے کمانڈر سے پوچھا۔ "مجھے ساتھ ہونا چاہیے۔"

"کافی ہوں گے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "ان میں کم از کم ایک سو سوار اور باقی پیادے ہوں گے۔ ہمیں چھاپہ مارنا ہے اس لیے بدھ تک خاموشی برقرار رکھنی ہوگی۔ گھوڑے جتنے زیادہ ہوں گے اتنا ہی شور کا خطرہ ہوگا۔ اس شخص سے اُس جگہ کی مزید تفصیل پوچھ لیتے ہیں اور ابھی روانہ ہو جائیں گے۔ یہ چونکہ بھٹکتا اور گرتا پڑتا آیا ہے اس لیے اتنی دیر سے پہنچا ہے۔ میں نے سمت کا اندازہ کر لیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم شام کے پہلے آدھی رات کے قریب ہدف پر پہنچ جائیں گے۔"

"چھوٹی منجنیقیں ساتھ لے لینا۔" حسام الدین نے کہا۔ "ہانڈیاں (آتش گیر سیال والی) اور فلیتے والے تیر بھی ساتھ ہوں..... اور اسے شام تک مکمل آرام کرنے دو..... سب کو بتا دینا کہ مقابلہ ڈاکوؤں سے نہیں صلیب کے تجربہ کار نوجیوں کے ساتھ ہے۔"

بڑی فوج کا کمانڈر اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔

☆

صحرا کا وہ خطہ جہاں صلیبی ڈاکوؤں نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا قلعے سے کم نہ تھا۔ بلکہ اس لحاظ سے قلعے سے زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا کہ وہاں ٹیلوں نے بھول بھلیوں جیسی گلیاں بنا رکھی تھیں جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مربعاتیں یا شاخوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ اس خطے کے درمیان ایک وسیع میدان تھا۔ اس کے اردگرد ٹیلوں میں صلیبیوں نے اونچے اور لمبے چوڑے کمرے کھود رکھے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے رہنے کی جگہ الگ تھی۔ حسام الدین کا تربی فوج کا دستہ پوری خاموشی سے آدھی رات سے پہلے اس خطے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ صلیبیوں نے پکڑے جانے کا خطرہ غالباً کبھی بھی نہیں محسوس کیا تھا اور نہ وہ ادھر پہرے کا انتظام کرتے۔

حسام الدین نے گھوڑوں کو پیچھے رکھا تاکہ ان کے ہنہنانے کی آواز دشمن تک نہ پہنچے۔ دستے کا کمانڈر چار سپاہیوں کو ساتھ لے کر ٹیلوں کی ایک گلی میں چلا گیا۔ گھومتا گھومتا بہت آگے گیا تو اسے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ گھوڑوں کی ان رات کی آوازوں سے واقف تھا۔ ایک جگہ وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا۔ وہ شب خون کا ماہر تھا اور اسے چھپے ہوئے بدو پر پہنچنے کا تجربہ تھا۔ وہ ٹیلے کے اوپر گیا۔ اوپر چوڑائی تھی۔ وہاں سے اترنا پڑا، پھر ایک اور بلندی پر چڑھا۔ اسے آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو ہلڑبازی کی طرح تھیں۔ وہاں سے بھی اسے اترنا پڑا۔ وہ ایک گلی میں جا رہا تھا کہ قریب ہی اسے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور سب اپنے ہتھیار تان کر ٹیلے کے ساتھ ہو گئے۔ آگے موڑ تھا۔

دو آدمی باتیں کرتے موڑ مڑے۔ وہ شراب پیے ہوئے تھے جو اُن کے لہجے سے ظاہر تھا۔ سپاہیوں سے دو چار قدم آگے گئے تو پیچھے سے سپاہیوں نے تلواریں اُن کے پہلوؤں سے لگا دیں۔ کمانڈر نے اُن کی زبان میں جو فلسطینی، عربی اور عبرانی کی آمیزش تھی کہا کہ آواز نکالی تو مارے جاؤ گے۔ انہیں وہاں سے دُور لے گئے۔ انہوں نے جان کے خوف سے بتا دیا کہ اُن کے ساتھی کہاں ہیں اور اُن تک کون سا راستہ جاتا ہے۔ مسلمان کمانڈر اُن میں سے ایک کو اپنے ساتھ بلندی پر لے گیا جہاں سے وہ میدان نظر آتا تھا جہاں اس کے ساتھی جشن منا رہے تھے۔ کمانڈر نے اوپر سے دیکھا اور وہ حیران رہ گیا۔ اس بے رحم صحرا میں جو جہنم سے کم نہ تھا، ان صلیبیوں نے جنت کا منظر بنا رکھا تھا۔ جہاں مسافر پیاسے مر جاتے تھے وہاں یہ لوگ شراب پی رہے تھے۔ ان میں سے کچھ اِدھر اُدھر بے سُدھ پڑے تھے۔ بعض ٹولیوں میں بیٹھے گا رہے تھے یا ہلڑبازی میں مصروف تھے۔ ایک جگہ ایک لڑکی ناچ رہی تھی۔ مشعلیں اس طرح جل رہی تھیں کہ اُن کے ڈنڈے عمودی ٹیلوں میں گاڑے ہوئے تھے۔

"بہت سے اندر ہیں۔" صلیبی قیدی نے کمانڈر کو بتایا۔ "وہ شراب سے بے ہوش پڑے ہوں گے۔

ایسا جشن صرف اُس وقت منایا جاتا ہے جب کوئی بہت بڑا قافلہ لوٹا جاتا ہے۔ تین چار راتیں جشن منایا جاتا ہے۔"

"تعداد کتنی ہے؟"

"چھ سو کے قریب ہو گی۔" اُس نے جواب دیا۔ "کمانڈر ایک انمٹ ہے۔ وہ اس وقت اکیلوں کے درمیان بدمست پڑا ہو گا۔"

کمانڈر نے بلندی سے میدان کا جائزہ لیا۔ اُسے مشعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آ رہا تھا، وہ اُس نے دیکھ لیا جو نظر نہیں آتا تھا وہ اسے صلیبی قیدی نے بتا دیا۔ وہ ایسے راستے معلوم کر رہا تھا جن کی ناکہ بندی کی جا سکے۔ اس نے اپنے قیدی کو ساتھ لیا اور وہاں سے اتر آیا۔ دوسرے قیدی اور اپنے سپاہیوں کو بھی ساتھ لے کر وہ حسام الدین کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ کس قسم کی کارروائی کرنی ہے۔

☆

میدان میں مشعلوں کی روشنی میں ہلڑبازی کرنے والے صلیبیوں کی تعداد کم ہو گئی تھی۔ اب ان میں سے چند ایک ہی جاگ رہے تھے۔ حسام الدین نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ ڈاکوؤں کو زندہ باہر لانا۔ کمانڈر نے اس پر اعتراض کیا اور کہا۔ "میں ان سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ میں ان کی لاشیں نہیں گننے، مرنے کے لیے اور صحرائی لومڑیوں کے لیے پڑی رہنے دوں گا۔ آپ انہیں زندہ قیدی بنا کر ان کے حکمران کے ساتھ کوئی سودا کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں۔" حسام الدین نے کہا۔ "مجھے بھی انتقام لینا ہے۔ مجھے اپنے اُن مسلمان قیدیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جنہیں صلیب کے ایک جنگجو بادشاہ ارناط نے عکرہ لے جا کر قتل کیا تھا۔ جنگی قیدیوں کو قتل نہیں کیا جاتا مگر ارناط نے ہمارے تمام قیدیوں کو پہلے بھوکا رکھا۔ ان سے مشقت کرائی پھر انہیں قطاریں کھڑا کر کے قتل کیا تھا۔ اس واقعہ کو سات سال گزر گئے ہیں۔ میں اسے ساری عمر نہیں بھول سکتا۔ آج انتقام کا موقعہ ملا ہے۔ میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ یہ صلیبی ڈاکو ہمارے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ انہیں زندہ لاؤ لیکن میں انہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ میں انہیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح صلیبیوں نے ہمارے قیدی قتل کئے تھے۔"

حسام الدین کے سپاہی تین راستوں سے میدان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے جلتی ہوئی مشعلوں سے اپنی مشعلیں جلا لیں۔ جو صلیبی جاگ رہے تھے، انہوں نے نشے کی حالت میں گالیاں دیں۔ وہ لڑنے کی حالت میں نہیں تھے۔ حملہ آور سپاہیوں نے انہیں زندہ پکڑنے کی بجائے تلواروں سے ختم کر دیا۔ جو سوئے ہوئے تھے وہ شور و غل سے جاگ اُٹھے۔ بیشتر اس کے کہ وہ سمجھ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، وہ برچھیوں کی انیوں پر دھر لیے گئے۔ انہیں ہتھیار اٹھانے کی مہلت نہ ملی۔ غارنما کمروں میں سے چند ایک برچھیاں اور تلواریں لے کر نکلے لیکن کچھ مارے گئے، باقی ہتھیار پھینک کر الگ کھڑے ہو گئے۔ اُن کا نائٹ اس حالت میں مدہوش پڑا تھا کہ اس کے جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ وہ گالیاں بکنے لگا۔ مسلمان سپاہیوں کو وہ اپنے سپاہی سمجھ رہا تھا۔ اس کے کمرے سے تین مسلمان لڑکیاں برآمد ہوئیں۔

دوسرے کمروں سے بھی چند ایک لڑکیاں نکلیں۔ یہ سب مسلمان نہیں۔ اُن کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ مسلمان سپاہیوں کو شاید ڈاکوؤں کا کوئی دوسرا گروہ سمجھ رہی تھیں۔ اسی لیے وہ دہشت سے دبکی ہوئی تھیں۔ جب انہیں پتہ

پتہ کہ یہ مسلمان سپاہی ہیں تو لڑکیاں پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگیں۔ وہ روتی تھیں اور کبھی صلیبیوں کو دانت پیس پیس کر گالیاں دیتیں اور کبھی مسلمان سپاہیوں کو کوسنے لگتیں۔ انہوں نے انہیں بے غیرت اور بزدل کہا اور ان میں سے بعض بار بار کہتی تھیں ۔۔۔ "اگر تم مسلمان ہو تو ان کافروں کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ کیا ہم تمہاری بہنیں اور بیٹیاں نہیں؟ کیا ہماری عصمتیں تمہاری بیٹیوں کی عصمتوں جیسی نہیں؟"

اُس وقت حسام الدین اور بری دستے کا کمانڈر کمروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ باہر اب کوئی لڑائی نہیں ہو رہی تھی۔ صلیبیوں کو ایک جگہ بٹھا دیا گیا۔ ان کے گرد مسلح سپاہی کھڑے تھے جن میں بہت سے سپاہیوں نے کمانوں میں تیر ڈال رکھے تھے۔

☆

صبح جب صلیبیوں کا نشہ اُترا تو وہ سمندر کے کنارے بیٹھے تھے۔ لڑکیوں کو حسام الدین نے اپنے بحری جہاز میں بھیج دیا تھا۔ قیدیوں کی تعداد کم و بیش پانچ سو تھی۔ باقی مارے گئے تھے۔ انہوں نے ٹیلوں کے اندر جو سامان اور رقم جمع کر رکھی تھی وہ قیدیوں سے اٹھوا کر ساحل پر لائی گئی۔ ان قیدیوں کے کمانڈر سے جو معلومات حاصل ہوئیں، ان سے یہ انکشاف ہوا کہ یہ ایک مشہور صلیبی بادشاہ ریناالڈ ڈی شاتیون کی فوج کا دستہ تھا۔ مسلمان قافلوں کو لوٹنے کے لیے اتنی نفری کا ایک دستہ یہاں موجود رہتا تھا۔ کچھ عرصے بعد دوسرا دستہ بھیج دیا جاتا تھا۔ سامان جو لوٹا جاتا اس میں سے کچھ حصہ سپاہیوں کو ملتا اور باقی سب اپنے بادشاہ کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اونٹ اور گھوڑے بھی سرکاری ملکیت میں چلے جاتے تھے۔

لڑکیوں کے متعلق یہ احکام تھے کہ حسین بچیاں جو غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی تھیں، وہ صلیبیوں کے ہیڈ کوارٹروں میں بھیج دی جاتی تھیں جہاں انہیں ٹریننگ دے کر جوانی کی عمر میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے مسلمانوں کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ جوان لڑکیوں میں کوئی بہت ہی خوبصورت ہوتی تو اُسے بھی ہیڈ کوارٹروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ باقی لڑکیوں کو یہ صلیبی سپاہی اور کمانڈر اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔

"اس قافلے کے ساتھ بھی بچیاں ہوں گی"۔۔۔ حسام الدین نے پوچھا۔

"بارہ چودہ تھیں"۔۔۔ صلیبی کمانڈر نے بتایا۔۔۔ "صرف ایک بھیجی گئی ہے"۔

"اور باقی؟"

"قتل ہو چکی ہیں"۔

"اور قافلے کے جن آدمیوں کو ساتھ لائے تھے؟"

"انہیں سامان اٹھانے کے لیے لائے تھے۔ پھر انہیں قتل کر دیا تھا"۔

اُس نے جوان لڑکیوں کے متعلق بتایا کہ ان میں ایک رقاصہ تھی۔ بہت خوبصورت تھی۔ اس کا جسم، حسن اور اس کا رقص ہماری اس ضرورت کے مطابق تھا جس کے لیے ہم لڑکیاں حاصل کرتے ہیں۔ اس رقاصہ کو اُسی شام بھیج دیا گیا تھا۔ فوراً بھیجنے کی وجہ یہ بتائی تھی کہ ایسی قیمتی اور دلکش لڑکی کا سپاہیوں میں رکھنا خطرناک ہوتا ہے۔ کوئی بھی سپاہی اُسے

آزادی کا جھانسہ دے کر بھگا لے جا سکتا ہے۔

"انہوں نے اس قافلے کو قتل کیا ہے جو حمص کو جا رہا تھا"۔ حسام الدین نے کمانڈر سے کہا۔ "قافلہ مجاز تک نہ پہنچ سکا۔ ان بدنصیبوں کی بجائے میں ان کے قاتلوں کو مجاز بھیجوں گا اور وہاں انہیں قتل کراؤں گا"۔

حسام الدین تمام قیدیوں کو اُس جگہ لے گیا جہاں انہوں نے قافلے کو لوٹا اور قتل عام کیا تھا۔ وہاں وہ ڑیاں، بھیڑیوں اور گیدڑوں کی کھائی ہوئی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ حسام الدین نے قیدیوں سے قبریں کھدوائیں۔ اُس نے سب کی نماز جنازہ پڑھائی اور سب کو دفن کر دیا۔ اس نے قاہرہ سے حکم لیے بغیر ان تمام قیدیوں کو ایک ہی بحری جہاز میں تھونسا اور جدہ کی طرف لے گیا۔ وہاں انہیں اتارا اور اس پیغام کے ساتھ حجاز روانہ کر دیا کہ انہیں منیٰ کے میدان میں قتل کر دیا جائے۔ پیغام میں اس نے تفصیل سے لکھا کہ ان کا جرم کیا ہے۔

یورپی مؤرخوں نے صلیبی سپاہیوں اور اُن کے کمانڈر کے قتل کو بہت اچھالا اور غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہیں انہوں نے جنگی قیدی کہا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سی جنگ کے جنگی قیدی تھے۔ وہ کسی قلعے میں نہیں تھے۔ مسلمان مؤرخوں نے اصل واقعہ لکھا ہے۔ ان کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ امیر البحر حسام الدین لؤلؤ کا فیصلہ تھا جس سے سلطان صلاح الدین ایوبی بالکل بے خبر تھا۔

☆

اس صلیبی ڈاکو دستے کے کمانڈر نے جس رقاصہ کے متعلق بتایا تھا کہ اُسے اُسی شام یہاں سے بھیج دیا گیا تھا، وہ رعدی تھی۔ اُس کے کہنے کے مطابق اُسے اتنی جلدی اس لیے بھیج دیا گیا تھا کہ گھوڑے کے نیچے آ کر اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ کمانڈر نے اس ڈر سے اسے بھیج دیا کہ اس پر یہ الزام عائد نہ ہو سکے کہ اس رقاصہ کو اس کے تشدد نے اس حالت تک پہنچایا ہے۔ یہ کمانڈر جس وقت حسام الدین کو اپنا بیان دے رہا تھا، اُس وقت رقاصہ رعدی چار صلیبی سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے بہت دُور پہنچ چکی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ راستے میں اس نے سپاہیوں سے کئی بار کہا تھا کہ وہ اُسے قاہرہ لے چلیں جہاں وہ انہیں بے شمار رقم دے گی مگر سپاہی نہ مانے۔ آخر ایک سپاہی نے اُسے کہا۔۔۔ "تم دیکھ رہی ہو کہ ہم تمہیں شہزادیوں کی طرح ساتھ لے جا رہے ہیں۔ تم اتنی زیادہ خوبصورت ہو اور تمہارے جسم میں ایسا جادو ہے کہ جسے اشارہ کر دو تمہارے قدموں میں جان دے دے گا۔ لیکن ہم تمہارے جسم سے چار قدم دُور رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تم ہمارے پاس امانت ہو اور یہ امانت ہمارے بادشاہ کی ہے جو صلیب کا بادشاہ ہے۔ اگر تمہارا کہا مان لیں یا تمہیں اپنی ملکیت سمجھ لیں تو ہمیں نہ بادشاہ بخشے گا نہ صلیب"۔

"ہماری منزل کہاں ہے؟"۔۔۔ رعدی نے پوچھا۔

"بہت دُور"۔۔۔ اُسے جواب ملا۔۔۔ "سفر کٹھن ہے اور لمبا بھی۔ ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اُس علاقے میں سے بھی گزرنا پڑے گا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے"۔

رعدی کو یہ چار صلیبی واقعی شہزادیوں کی طرح لے جا رہے تھے۔ "تم کسی بڑے حاکم کی بیٹی معلوم ہوتی ہو یا کسی دولت مند تاجر کی بیٹی۔ تم اپنے خاندان کے ساتھ حج کو جا رہی تھی؟"۔۔۔ ایک صلیبی نے پوچھا۔

"تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ میں کون ہوں؟" رعدی نے جواب دیا۔ "میرا کوئی باپ نہیں، کوئی بھائی نہیں۔ میری ماں اسکندریہ میں مشہور رقاصہ اور مغنیہ ہے۔ مجھے بالکل علم نہیں کہ میں اُس کے کس چاہنے والی کی بیٹی ہوں۔ ماں نے بچپن میں ہی مجھے رقص کی تربیت دینی شروع کر دی تھی۔ مجھے رقص اور گانا اچھا لگتا تھا۔ میں سولہ سترہ سال کی ہوئی تو ماں نے مجھے ایک بہت امیر آدمی کے گھر بھیجا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ شراب پیئے ہوئے تھا۔ بوڑھے نے مجھے کہا کہ وہ میری محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ مجھے اس بوڑھے سے نفرت ہو گئی۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ میرا باپ نہیں ہے۔ اس بوڑھے کو دیکھ کر مجھے اپنے باپ کا خیال آ گیا تھا۔ اس بوڑھے نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر ایسی ذلیل حرکتیں کیں کہ مجھے پتہ چل گیا کہ یہ میرا باپ نہیں، نہ اس کے دل میں میری محبت ہے، یہ میلا کچیلا ہے....

میں وہاں سے اکیلی بھاگ گئی۔ ماں کو بتایا تو اس نے مجھے سمجھایا کہ یہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں نہ مانی۔ ماں نے مجھے مارا پیٹا۔ میں نے کہا کہ میں ناچوں گی، گاؤں گی لیکن کسی کے گھر نہیں جاؤں گی۔ ماں نے میری شرط مان لی۔ جن کے پاس دولت تھی وہ ہمارے گھر آنے لگے۔ میں چونکہ کسی کے گھر نہیں جاتی تھی اس لیے میری قیمت بڑھ گئی۔ تین سال گزر گئے اور اس دوران میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کوئی میرے حسن اور میرے رقص کی بجائے میرے ساتھ محبت کرے جس میں عیاشی اور معاشی کا دخل نہ ہو۔ آخر ایک آدمی مجھے مل گیا۔ وہ دو بار میرے ہاں آیا تھا۔ وہ مجھے اچھا لگتا تھا۔ مجھ سے سات آٹھ سال بڑا تھا۔ میری اور اس کی ملاقاتیں باہر ہونے لگیں۔ میں کبھی میں سیر کے بہانے چلی جاتی اور وہ وہاں موجود ہوتا....

وہ تو شہزادہ تھا۔ شراب پیتا تھا۔ میں نے ایک شام اسے کہا کہ شراب چھوڑ دو۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ وہ آئندہ شراب نہیں پیئے گا۔ اس نے وعدہ پورا کر دکھایا۔ ایک روز اُس نے مجھے کہا کہ ناچنا چھوڑ دو۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں اس پیشے پر لعنت بھیجوں گی لیکن جب تک اس گھر میں ہوں یہ ممکن نہیں۔ اُس نے کہا کہ میں عیاش باپ کا عیاش بیٹا ہوں۔ میرے باپ کے حرم میں تم سے چھوٹی عمر کی بھی لڑکیاں ہیں۔ میں اس گھر میں رہ کر نیک نہیں بن سکتا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں ناچنے والی ماں کی ناچنے والی بیٹی ہوں۔ تمہیں اپنے باپ کی عیاشی خراب کر رہی ہے اور مجھے اپنی ماں کا پیشہ خراب کر رہا ہے۔ آؤ، کہیں دور چلے چلیں اور میاں بیوی کی طرح پاک زندگی بسر کریں۔ وہ مان گیا....

وہ مسلمان تھا۔ میرا کوئی مذہب نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میرا باپ مسلمان تھا، عیسائی یا یہودی تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے مسلمان سمجھو اور بتاؤ کہ مذہب کیا ہے۔ مجھے محبت دو، مجھے پاک زندگی دو۔ اُس نے بہت سوچا اور بولا کہ پاک ہونا ہے تو حجاز چلو۔ میں نے حجاز کی بہت باتیں سنی تھیں۔ مجھے ایسے گانے بہت پسند آتے تھے جن میں حجاز اور حجاز کے قافلوں کا ذکر ہوتا۔ میں ایک گانا اکیلے بھی گنگنایا کرتی تھی۔ "چلے قافلے حجاز کے"۔ اُس نے حجاز کا نام لے کر میری آرزو کو شعلہ بنا دیا۔ میں نے اُسے کہا میں تیار ہوں۔ ہمت کرو، میری آرزو پوری کر دو۔ اُس نے پوچھا۔ تم جانتی ہو میں تمہیں حجاز کیوں لے جا رہا ہوں؟ میں نے کہا کہ وہ بہت

خوبصورت سرزمین ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ بات خوبصورتی نہیں، وہ پاک سرزمین ہے۔ وہاں خانہ کعبہ ہے۔ وہاں جو بھی جاتا ہے اور وہاں جو جاتا ہے اس کی روح پاک ہو جاتی ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہاں ہم حج کعبہ کریں گے اور پاک ہو کر شادی کریں گے پھر وہیں رہیں گے....

"میں اُس وقت کو بھول نہیں سکتی جب وہ میرے ساتھ یہ باتیں بچوں کی طرح کر رہا تھا اور میں جیسے اُس کی آنکھوں میں اتر کر اُس کی روح میں سما گئی تھی۔ میری ذات فنا ہو گئی تھی، میرا وجود اُس کے وجود میں تحلیل ہو گیا تھا اور میں نے اُسے کہا تھا کہ چلنا ہے تو ابھی چلو۔ اُس نے کہا کہ قافلے جاتے رہتے ہیں۔ میں معلوم کروں گا۔ پھر ایک شام اُس نے کہا کہ آج رات نہیں آ جانا۔ قافلہ روانہ ہو گیا ہے۔ ہم اس سے جا ملیں گے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں گھر چلی گئی تو رات کوئی آنے نہیں دے گا۔ ابھی لے چلو۔ اُس نے کہا آ جاؤ۔ میں نے کسی کو کچھ نہ بتایا۔ شام گہری ہو گئی تھی۔ چھپ کر اس کے ساتھ چلی گئی۔ اُس نے مجھے ایک کمبل میں چھپا لیا اور چھپا لیا۔ وہ کچھ دور جا کر دو گھوڑے لے کر آ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ دوسرا گھوڑا خالی تھا۔ دونوں کے ساتھ پانی اور کھانے کا سامان بندھا تھا....

"ہم اگلی شام قافلے سے جا ملے اور رات وہاں جا پہنچے جہاں تم نے میرے خواب میری محبت کے بوجھ غرق کر دیئے۔ وہ مارا گیا۔ میں پکڑی گئی۔ حجاز کا قافلہ لوٹا گیا اور خانہ کعبہ سے کچھ ہی اللہ کے حضور جا گیا... خدا نے میرے گناہ بخشے نہیں۔ میرے ماتھے کی قسمت میں کعبہ کا سجدہ نہیں لکھا تھا۔ میرا وجود ناپاک تھا جو اللہ کو پسند نہیں تھا کہ اُس کے کعبے تک پہنچے۔"

"تم مذہب میں پناہ لینا چاہتی ہو تو ہمارے مذہب کو قریب سے دیکھا"۔ ایک سپاہی نے کہا۔

"تم نے میرا ایک پاک تصور ریزہ ریزہ کر دیا ہے"۔ رعدی نے کہا۔ "کیا تمہارے مذہب نے یہ حکم دیا ہے جس کی تم نے تعمیل کی ہے؟ میں جو تصور لے کر نکلی تھی وہ ایسا بھیانک تو نہیں تھا؟"

"یہ ہمارا مذہب نہیں"۔ سپاہی نے کہا۔ "یہ اُن انسانوں کا حکم تھا جن کے ہم ملازم ہیں"۔

"تم سے تو میں اچھی ہوں جس کے قدموں میں شہزادے زر و جواہرات کے ساتھ اپنا سر بھی رکھتے تھے"۔ رعدی نے کہا۔ "مگر میں صحراؤں کی خاک چھاننے نکل آئی... جسم وہ مال جو اپنی روح سے نکلے۔ میں اُس کے مذہب کی مرید ہوں جس نے مجھے پاک محبت دی اور پاکیزہ تصور دیا۔ اس سے میں سمجھی کہ اُس کا مذہب بھی پاک ہو گا۔ وہ مجھے میرے تصوروں کی سرزمین حجاز کی طرف لے جا رہا تھا۔ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"ہم انسانوں کے حکم کے پابند ہیں"۔ سپاہی نے کہا۔

"میں خدا کے حکم کی پابند ہوں"۔ رعدی نے کہا۔

"خدا نے تمہیں دھتکار دیا ہے"۔ ایک اور سپاہی بولا۔ "تم اس وقت ہماری پابند ہو۔ ہم جہاں تمہیں لے جا رہے ہیں وہاں سوچنا کہ خدا کو راضی کس طرح کیا جائے۔ کوئی نیکی کرنا شاید خدا تمہیں بخش دے"۔

"میں جانتی ہوں تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو اور کیوں لے جا رہے ہو"۔ رعدی نے کہا۔ "میرا وجود

سراپا گناہ ہوگا اور میں کوئی نیکی نہیں کر سکوں گی؟"

"تم کوئی نیکی سوچ بھی نہیں سکتی"۔ ایک سپاہی نے کہا۔ "تم گناہ کی پیداوار ہو۔ گناہوں میں تم نے پرورش پائی ہے۔ ایک گناہ گار کے ساتھ گھر سے بھاگ کر جا رہی تھی.... تم نیکی کیا کرو گی؟"

"ان بے گناہوں کے خون کا انتقام لوں گی جنہیں تم نے قتل کیا ہے"۔ رعدی نے دانت پیس کر کہا۔

چاروں سپاہیوں نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا اور ایک نے کہا۔ "ہم پر تمہارا احترام فرض ہے۔ ہمیں حکم ہی ایسا ملا ہے ورنہ تم ایسے الفاظ دوبارہ زبان سے نہ نکالتی"۔

رعدی انہیں دیکھتی رہی اور اُس کے دل میں نفرت گہری ہوتی گئی۔

☆

موصل میں ایک درویش کی شہرت آناً فاناً پھیل گئی۔ وہ ایک ضعیف العمر انسان تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ کسی خوش نصیب انسان کے ساتھ ہی بات کرتا ہے اور وہ جس کی بات کرتا ہے۔ اُس کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔ کسی نے اُسے شہر کی دیواروں کے باہر ایک جھونپڑا دے دیا تھا۔ اس کی کرامات سارے شہر میں مشہور ہو گئیں۔ لوگ اُس کے جھونپڑے کے گرد ہجوم کیے رکھتے۔ وہ ذرا سی دیر کے لیے باہر آتا۔ بازو اوپر کر کے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا۔ ہجوم پر خاموشی طاری ہو جاتی۔ وہ اشاروں میں انہیں تسلی دیتا اور جھونپڑے میں چلا جاتا۔ اس کے ساتھ چار پانچ خوبرو آدمی تھے جن کے چہرے سفید اور گلابی تھے اور وہ سر سے پاؤں تک سبز لبادوں میں ملبوس تھے۔

پھر یہ مشہور ہو گیا کہ درویش موصل والوں کے لیے کوئی خوشخبری لایا ہے۔ شہر میں اجنبی سے کچھ لوگ نظر آتے تھے۔ وہ لوگوں کو درویش کے متعلق کچھ ایسی باتیں سناتے تھے جو ہر کسی کے دل میں اُتر جاتی تھیں۔ ہر کسی کو اپنی اپنی مراد پوری ہوتی نظر آتی تھی۔ چند دنوں میں ہی مشہور ہو گیا کہ درویش امام مہدی ہے۔ بعض اسے حضرت عیسیٰ کہنے لگے۔ پھر ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ درویش والیٔ موصل عزالدین کی بگھی پر محل کو جا رہا تھا۔ عزالدین کے محافظوں نے اس کا استقبال کیا۔ اور وہ محل میں چلا گیا کئی گھنٹوں بعد وہاں سے نکلا اور شاہی بگھی پر چلا گیا۔ لوگ جب اس کے جھونپڑے کو گئے تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ درویش کو بگھی کہیں دُور لے گئی تھی۔ شام کو بگھی واپس آئی۔ اس میں بگھی بان اور دو محافظ تھے۔ لوگوں نے بگھی روک لی اور محافظوں سے پوچھا کہ درویش کہاں چلا گیا ہے۔

"ہمیں کچھ علم نہیں وہ کہاں ہے"۔ ایک محافظ نے لوگوں کو بتایا۔ "اُس نے پہاڑیوں کے قریب بگھی رکوائی اور ہمیں کہا کہ تم چلے جاؤ۔ ہم نے اُس کے ساتھ کے ایک آدمی سے پوچھا کہ درویش کہاں جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ان پہاڑیوں میں سے کسی کی چوٹی پر بیٹھے گا۔ اُسے اُفق سے ایک نشانی نظر آئے گی۔ درویش پہاڑی کی چوٹی سے اُتر آئے گا اور والیٔ موصل کو بتائے گا کہ وہ کیا کرے، پھر موصل کی فوج جدھر جائے گی اُدھر پہاڑ اسے راستہ دے دیں گے، صحرا سرسبز ہو جائیں گے۔ دشمن کی فوجیں اندھی ہو جائیں گی اور والیٔ موصل جہاں تک پہنچ سکے گا وہاں تک اس کی حکمرانی ہو گی۔ صلاح الدین ایوبی عزالدین کے آگے ہتھیار ڈال دے گا۔ صلیبی اُس کے غلام ہو جائیں گے اور موصل کے لوگ آدھی دنیا کے بادشاہ ہوں گے۔ سونے چاندی میں کھیلیں گے.... ہمیں یہ معلوم نہیں وہ کون سی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے گا۔"

موصل سے کچھ دُور کوہستانی علاقہ تھا۔ وہاں کرد آبادی تھی جہاں کہیں پہاڑوں میں گھرا ہوا میدان تھا، وہاں دور سے پہاڑ جھونپڑے نظر آتے تھے۔ علاقہ ہرا بھرا تھا۔ گذریئے مویشی لے کے وہاں جاتے تھے۔ ایک روز آمدورفت روک دیا گیا۔ لوگوں کو دُور سے گزرنے کی اجازت تھی۔ موصل کی فوج کے سنتری گشت کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ باہر کے اجنبی لوگ بھی تھے۔ کوہستان کا ایک وسیع علاقہ تھا جس کے قریب جانے سے لوگوں کو منع کر دیا گیا۔ ان پابندیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خطہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس کے متعلق عجیب و غریب باتیں سننے میں آنے لگیں۔ یہ تو ایک دن میں ہر کسی کی زبان پر چڑھ گیا کہ درویش کو آسمان سے ایک نشانی نظر آئے گی۔ پھر آدھی دنیا پر موصل والوں کی بادشاہی ہو گی۔

☆

صرف ایک چار دیواری تھی جس کے اندر چار آدمی بیٹھے کچھ اور قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ ان میں ایک حسن الادریس بھی تھا۔ پچھلی قسط میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حسن الادریس سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ بیروت سے نہایت قیمتی خبر لایا تھا اور اس خبر کے ساتھ والیٔ موصل عزالدین کے ایلچی استحشام الدین اور اس کی رقاصہ بیٹی سائرہ کو بھی سلطان ایوبی کے پاس لے آیا تھا۔ یہ ایک بے مثال کامیابی تھی۔ اسلام کی تاریخ پر اس جاسوس نے بہت بڑا احسان کیا تھا۔ استحشام الدین نے سلطان ایوبی کو بتایا تھا کہ صلیبی موصل کے قریب پہاڑیوں کی کھوہ میں اسلحہ اور آتش گیر سیال اور رسد کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کریں گے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کوہستان کو اپنی فوج کا اڈہ بنائیں گے۔ موصل کو تو وہ اپنے چھاپہ ماروں کا اڈہ بنا رہے تھے۔ اس حقیقت کو سلطان ایوبی اور سالار ہی سمجھ سکتے تھے کہ جس فوج کا اڈہ اور رسد قریب ہو وہ آدھی جنگ جیت لیتی ہے۔ صلیبی فوج کو یہ تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ انہوں نے جب کبھی پیش قدمی کی یا حملہ کیا سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے عقب میں جا کر ان کی رسد تباہ کر دی یا رسد اور فوج کے درمیان حائل ہو کر رسد رک لی۔ آگے سلطان ایوبی نے یہ انتظام کر رکھا ہوتا تھا کہ پانی جہاں کہیں ہوتا تھا وہاں قبضہ کر لیتا تھا جہاں کہیں گھاس اور چارہ ہوتا وہاں بھی وہ قبضہ کر لیتا یا گھاس وغیرہ کٹوا لیتا یا تباہ کر دیتا تاکہ صلیبیوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کو چارہ نہ مل سکے۔ اس کے علاوہ وہ بلندیوں پر اپنے تیر اندازوں کی ٹولیاں بٹھا دیتا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ حسن بن عبداللہ سے کہا تھا کہ وہ معلوم کرے کہ صلیبی کس مقام پر ذخیرہ کر رہے ہیں۔ اس نے چھاپہ مار دستوں کے سالار حسام مصری سے کہا تھا کہ جب ذخیرے کا مقام معلوم ہو جائے تو اسے تباہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ سلطان ایوبی کی دُور بین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ صلیبی اب مکمل تیاری کر کے کھلی جنگ لڑیں گے۔ اس سے پہلے وہ صلیبی علاقوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُسے جب استحشام الدین کی زبانی صلیبیوں کے عزائم کی اطلاع ملی تو اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ صلیبیوں کو کہیں بھی قدم نہ جمانے دیے جائیں۔ اس نے ایک حکم یہ دیا کہ معلوم کرو کہ صلیبی کوہستان میں کہاں ذخیرہ جمع کر رہے ہیں اور دوسرا حکم یہ دیا کہ سنجار کی طرف پیش قدمی کرو اور قلعے کو محاصرے میں لے لو۔ سنجار موصل سے کچھ دُور ایک اہم قلعہ اور جنگی اہمیت کا ایک قصبہ تھا۔ اس کا امیر شرف الدین بن قطب الدین تھا۔ سنجار کو اپنے قبضے میں لینے کا اقدام سلطان ایوبی کے اُس منصوبے کی کڑی تھی جس کے متعلق اس نے کہا تھا کہ وہ اب کسی سے تعاون کی بھیک نہیں مانگے گا بلکہ تلوار کی نوک پر تعاون حاصل کرے

۰ اُسے معلوم تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے مسلمان امراء خود مختار حکمران بننا چاہتے ہیں۔ اس لیے صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ معاہدے کر رہے ہیں۔ بنجار کے امیر شرف الدین کے متعلق سلطان ایوبی کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ والیٔ موصل عزالدین کا دوست ہے اور اس دوستی کی بنیاد یہ ہے کہ سلطان ایوبی کے خلاف محاذ مضبوط کیا جائے۔

حسن بن عبداللہ نے اپنے جاسوسوں کا جائزہ لیا۔ جاسوس وہی تھے جنہیں وہ محسوس کر رہا تھا۔ ذکی، ذہین اور جرأت مند جاسوس کو اُن کے پاس بھیجا جائے کہ وہ اسے خیال فگار کے صلیبیوں کا ذخیرہ معلوم کرنا مشکل کام ہو سکتا ہے۔ حسن الادریس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ حسن بن عبداللہ اسے نہیں بھیجنا چاہتا تھا کیونکہ وہ بے حد قیمتی تھا۔ اس سے پہلے حسن الادریس صلیبیوں اور ارناط وغیرہ کے علاقہ میں رہ چکا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے کہا کہ وہ اگر بیروت چلا جائے تو اسے بہروپ دھارے گا۔ جنہیں اسے پہچانتے ہیں وہ بھی نہیں پہچان سکیں گے۔ وصل میں تو اُسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ آخر اسی کو روانہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور سلطان ایوبی نے خود اسے کچھ ہدایات دیں۔

"بیروت پہنچ کر دوست بنانے میں سلطان ایوبی نے اپنے تجربے پر کہا کہ حسن الادریس سے کہا۔ تاریخیں نام سلطان ایوبی کا آنے کا بشارت کھاؤں گا تو تاریخ مجھے شرمسار کیے گی اور فتح حاصل کر کے لوٹوں گا تو فوج میری تعریف کے پھول چڑھائیں گے اور آنے والی نسلیں مجھے خراجِ تحسین پیش کریں گی۔ یہ بہت بڑی بے انصافی ہوگی۔ فتح کا سہرا تمہارے سر ہوگا۔ تمہارے ان ساتھیوں کے سر جو دشمن کے اندر جا کر خبریں لاتے رہے۔ میری فتح کا باعث بنتے ہیں۔ خدا حافظ حسن! کوچ کرنے سے پہلے خدا اپنے ہاتھوں باندھے گا۔ میں شکست کھاؤں گا تو یہ میری اپنی غلطی ہوگی کہ میں نے تمہاری اطلاع کے مطابق عمل نہ کیا۔ اور میں فتح حاصل کروں گا تو یہ تمہاری فتح ہوگی کیونکہ میری آنکھیں اور میرے کان تم ہو۔ میری راہ تمہاری قبر پر پھول چڑھاتی رہے گی بشرطیکہ تم جو اندھیرے جاسوسی ساتھی میری کوئی غلطی نہیں۔ میں پوری فوج لے کر جا رہا ہوں۔ تم اکیلے جا رہے ہو۔ میں چوتھائی فوج کے ساتھ حاصل کروں گا۔ تم اکیلے کرو گے۔ خدا حافظ دوست! خدا حافظ!"

جب حسن الادریس ایک غریب مسافر کے بھیس میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر نصیبہ کی خیمہ گاہ سے نکلا، اُس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ دور نکل گیا تو اسے بیشمار گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ وہ رک گیا۔ اُسے معلوم تھا یہ گھوڑے کس کے ہیں۔ یہ صلح الدین ایوبی سنجار کو محاصرے میں لینے جا رہا تھا۔ اُس نے نصیبہ سے اپنا کیمپ اکھاڑا نہیں تھا۔ اپنا ہیڈ کوارٹر اور کچھ عملہ وہیں رہنے دیا اور اپنے محفوظ (ریزرو ٹروپس) کو بھی تیاری کی حالت میں نصیبہ چھوڑ گیا تھا۔

☆

"تم یہاں یہ معلوم کرنے آئے ہو کہ صلیبی پہاڑوں میں اپنا ذخیرہ کہاں رکھیں گے"۔ موصل کے جاسوسوں کے کمانڈر نے کہا۔ "اور ہم یہاں یہ معلوم کرنے کی سوچ رہے ہیں کہ یہ درویش کون ہے جو انہی پہاڑوں میں کہیں جا بیٹھا ہے۔ کوئی اُسے امام مہدی کہتا ہے اور کوئی ولی"۔ اُس نے حسن الادریس کو پوری تفصیل سے بتایا کہ اس درویش کو شہر میں اور اردگرد کے علاقے میں کیسی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ "اُن پہاڑیوں کے قریب سے گزرنے کی بھی ہمت

نہیں۔ کچھ تو اپنی فوج کے سنتری ہیں اور کچھ اپنی سے اوپر کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔ درویش کسی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ اسے خدا آسمان سے کوئی اشارہ دے گا۔ رات کو لوگ اپنی چھتوں پر کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو وہ چیخ اٹھتے ہیں، وہ بتا رہا ہے۔ لوگ خدا اور رسول کو بھول رہے ہیں"۔

جاسوس جاسوس تھے۔ انہیں خصوصی ٹریننگ دی گئی تھی جس میں یہ تسلیم بھی شامل تھی کہ توہم پرستی حرام ہے اور خدا اور رسول کے بعد جو کچھ ہے وہ انسان خود ہے۔ جہاں موصل کے جاسوس کے دماغ نے درویش کو مسترد کیا تھا، وہاں یہ چار جاسوس درویش کی حقیقت معلوم کرنے کی فکر میں تھے۔

میرے دوستو! میرے ایک جنگی قیدی نے مجھے بتایا تھا: حسن الادریس نے کہا۔ "صلیبیوں کا ذخیرہ ہے، اور یہ کوئی معمولی ذخیرہ نہیں ہوتا۔ اس حصے کو لوگ کے لیے ضرور تو درویش کا ڈھونگ نہ رچایا جاتا۔ تم جانتے ہو کہ اتنے بڑے علاقے کے اندر گھوڑ سوار فوج کا پیرو کھڑا کر دو تو بھی کوئی نہ کوئی آدمی پکڑا ہی جاتا ہے، لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ یہاں خدا کا بھیجا ہوا ایک درویش بیٹھا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کے نکاتے میں کوئی آئے تو کوئی ادھر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کرتا"۔

"یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ جس نے اس علاقے میں جانے کی اور درویش کو دیکھنے کی کوشش کی تو وہ کوہ ہو جائے گا اور اس کے بچے اندھے ہو جائیں گے"۔ حسن الادریس کے ایک اور ساتھی نے کہا۔ "تم نے بتایا کہ صلیبی وہاں کچھ رکھیں گے۔ ہمارا آدھا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ درویش صلیبیوں کا کوئی ڈھونگ ہے یا یہ معلوم کرنا ہے کہ انہوں نے وہاں کیا ذخیرہ کیا ہے؟"

"درویش کو ذخیرے کے ساتھ تباہ کرنا ہے"۔ حسن الادریس نے کہا۔

"اور لوگوں کو اس وہم سے نجات دلانی ہے جو ان پر طاری کر دیا گیا ہے"۔ جاسوسوں کے کمانڈر نے کہا۔ "صلیبیوں کی حفاظت کی ترکیب کریں۔ وہ ہر ایک درویش کو بھیج کر ذخیرے کو لوگوں کی نظروں سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ موصل کی فوج اور لوگوں کو درویش موصل کر کے خدا کے تماشے کا جھانسہ دے کر جنگی تیاریوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ فوج بھی اور لوگ بھی خدا کے اس اشارے کے انتظار میں بیٹھ گئے ہیں جو درویش کو دے گا۔

"تو ہی موصل کا درویش سے متعلق کیا منصوبہ ہے"۔ حسن الادریس نے پوچھا۔

"درویش اُس کے حل میں اس کی چھ گھوڑوں کی بگھی پر کیا تھا"۔ کمانڈر نے جواب دیا۔ "درویش کی بگھی میں پہاڑیوں میں گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صلاح الدین بھی اس سازش میں شامل ہے یا وہ اس سازش کا شکار ہے جو کچھ بھی ہے، بہرحال معلوم ہو جائے گا۔ بنجار کے محل میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ محل میں درویش کی حیثیت کیا ہے؟"

اس مشورے کے بعد حسن الادریس نے درویش کی حیثیت معلوم کرنے پر غور کرنا شروع کر دیا۔

☆

سنجار کے قلعے کی دیواروں پر سنتری نیم بیدار تھے۔ وہ زمانہ جنگ و جدل کا تھا مگر سنجار کے امیر شرف الدین بن قسیم الدین کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ صلیبیوں کا حاشیہ بردار تھا اس لیے اُن سے اُسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ والیٔ حلب عماد الدین اور والیٔ موصل عزالدین نے اُسے کہا تھا کہ اُسے جب بھی ضرورت پڑی وہ دونوں اس کی مدد کو پہنچیں گے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس کی نیت کا علم نہیں۔ وہ شراب اور عورت میں بدمست ہو کر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ صلیبیوں نے اُسے دو بڑی حسین لڑکیاں تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ یہ لڑکیاں اُسے بیداری کے خوابوں میں مگن رکھتی تھیں۔

قلعے کی دیوار کے اوپر سے ایک شعلہ سا گزر گیا۔ اس کے فوراً بعد ایک اور پھر ایک اور ۔۔۔ سنتری پر دہشت طاری ہو گئی۔ یہ شرارے قلعے کے اندر گرے اور بھیانک شعلے بن گئے۔ قریب ہی کوئی سلطان پڑا تھا اور اُس کے قریب ایک مکان تھا۔ دونوں کو آگ لگ گئی۔ یہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی فوج نے منجنیقوں سے پھینکی تھیں۔ ان کے ساتھ جلتے ہوئے نیلتے بندھے ہوئے تھے۔ ہانڈیاں مٹی کی تھیں جو گر کر ٹوٹیں تو اندر کا سیال پھیل گیا اور جلتے ہوئے نیلتوں نے اُسے آگ لگا دی۔

قلعے میں قیامت بپا ہو گئی۔ قلعے کے اوپر رات روشن ہو گئی۔ ہر کوئی بھاگ اٹھا۔ امیر شرف الدین کو جگایا گیا۔ اُس نے کھڑکی میں سے شعلے دیکھے تو وہ بھی تباہی کا تاب نہ لا سکا۔ کسی وقت شرف الدین مردِ میدان ہوا کرتا تھا مگر صلیبیوں نے اُسے شراب اور لڑکیوں سے اس حال تک پہنچا دیا تھا کہ اُس رات اس کے قدم نہیں اٹھتے تھے۔ راتوں کو ریگزاروں اور سنگلاخ وادیوں میں چھاپے مارنے والا تجربہ کار جنگجو چھپنے کے قابل نہیں رہا تھا.... پھر قلعے کا رات کی ڈیوٹی والا کمانڈر اوپر سے دوڑا آیا اور شرف الدین کو بتایا کہ قلعہ کہاں سے جل رہا ہے۔

"کس بدبخت نے حملہ کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"سلطان صلاح الدین ایوبی نے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "وہ باہر سے للکار رہے ہیں کہ قلعے کے دروازے کھول دو، ورنہ ہم قلعے کو جلا کر بھسم کر دیں گے۔"

شرف الدین کا نشہ اُتر گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ بہت دیر بعد بولا۔ "دروازے کھول دو۔ ہم خود باہر جائیں گے۔"

کچھ دیر بعد قلعے کا دروازہ کھلا اور شرف الدین باہر نکلا۔ اس کے ساتھ مشعل بردار تھے۔ اُدھر سے سلطان ایوبی نے اپنے ایک سالار سے کہا کہ وہ آگے جا کر شرف الدین کو اس کے پاس لے آئے۔ وہ خود ہی آ رہا تھا۔ اُس کے استقبال کے لیے سلطان اپنی ایک قدم آگے نہ بڑھا۔ شرف الدین سلطان ایوبی کے سامنے جا کر گھوڑے سے اُترا اور باندر چھلا کر اس کی طرف دوڑا لیکن سلطان ایوبی نے ایسا سرد رویہ اختیار کیا کہ بددلی سے اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

"شرف الدین!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اپنی فوج اور جنگی سامان کے سوا قلعے میں سے جو کچھ لے جانا چاہتے ہو، صبح طلوع ہونے سے پہلے نکال کر لے جاؤ، پھر ادھر کا رُخ نہ کرنا۔" اُس نے اپنے ایک سالار سے کہا۔ "کچھ نفری اپنے ساتھ لے جاؤ اور نفری کم کر کے قلعے سے فوج اور جنگی سامان باہر نہ جائے۔ فوج کی گنتی کرو اور اسے اپنی فوج میں شامل کر لو۔"

"میں آپ کا غلام ہوں سلطان!" شرف الدین نے کہا۔ "قلعہ اور فوج آپ کی ہو گی۔ مجھے قلعے میں رہنے دیں۔"

"قلعے کی ضرورت تھی تو مقابلہ کرتے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم جیسے بزدلوں اور ایمان فروشوں کو حق حاصل

نہیں کہ اتنے بڑے قلعے کے امیر کہلائیں۔"

"میں اور آپ کا مقابلہ کرتا؟" شرف الدین نے کہا۔ "میں نے سنا کہ آپ آئے ہیں تو میں باہر آئی۔ مسلمان مسلمان کے خلاف کیسے لڑ سکتا ہے؟"

"جیسے پہلے لڑ چکا ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "شرف الدین! تم صلیبیوں کے دوست ہو اور تم کہتے ہو کہ مسلمان۔ ذرا اپنی حالت دیکھو۔ تم سپاہی سے کیا بن گئے ہو۔ ایمان بیچ کر حیاش خریدنے والوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ شراب اور عورت نے تم میں جرأت نہیں رہنے دی۔ تم جھوٹ بھی بولتے ہو۔ اگر تم میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو اپنا تحفظ دیے بغیر اور میرے بغیر میرے حوالے کیے نہ کرتے۔"

"سلطانِ عالی مقام!" شرف الدین نے التجا کی۔ "مجھے قلعے میں رہنے دیجیے۔"

سلطان نے اپنے ایک سالار سے کہا۔ "اسے قلعے میں سے جائز اور قیمتی مال دو۔ اس کی خواہش پوری کر دو۔"

تین چار آدمی آگے بڑھے تو شرف الدین نے سلطان ایوبی کے قریب ہو کر کہا۔ "میں دوصل جانا چاہتا ہوں۔"

"ہاں۔ عزالدین تمہارا دوست ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اُس کے پاس چلے جاؤ۔"

سنجار پر سلطان ایوبی نے قبضہ کر لیا اور تقی الدین کو اس کا قلعہ دار اور امیر مقرر کیا۔

اس سے آگے آمد ایک قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے رات باقی حصہ سنجار قلعے میں گزارا اور صبح آمد کی طرف کوچ کر گیا۔ آمد جسے آج کل امید کہا جاتا ہے، دجلہ کے کنارے ایک مشہور قصبہ تھا اور اس کا بھی امیر مسعود تھا۔ یہ قصبہ ایک قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے محاصرے میں لے لیا۔ وہاں کی فوج اور شہریوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر آٹھویں روز امیر نے ہتھیار ڈال دیے۔ سلطان ایوبی نے وہاں کا جو امیر یعنی قلعہ دار مقرر کیا اس کا نام فخر الدین تھا۔ یہ ایوبی کا بیٹا تھا۔

☆

رعدی چار صلیبیوں کے ساتھ ابھی سفر میں تھی۔ اس کی جسمانی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔ صلیبیوں نے اُس کے آرام کا بہت خیال رکھا تھا لیکن اُس رات کے بعد جب اُس نے انہیں اپنی زندگی کی کہانی سنائی تھی اُن کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ اُس کے ذہن میں صلیبی کے یہ الفاظ گونج رہے تھے "تمہیں خدا نے دھتکار دیا ہے۔ کوئی نیکی کرو، خدا تمہیں بخش دے گا۔" اُس کی جسمانی حالت تو ٹھیک تھی لیکن جذباتی حالت بہت بُری تھی۔ وہ جس کے ساتھ حج کو جا رہی تھی، اُس کی یاد اُسے تڑپاتی رہتی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی اس کے تصوروں میں حجاز کے قافلے سُوئے منزل چلتے رہتے تھے۔ وہ جب بہت پریشان ہو جاتی تو یہ سوچنے لگتی کہ خدا اُسے اُس کے گناہوں کی سزا دے رہا ہے۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ گناہوں سے بخشش کس طرح مانگی جاتی ہے۔

رعدی اپنے چار محافظوں کے ساتھ منزل کے قریب آ گئی تھی۔ یہ اب موصل کے علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک شتر سوار دیکھا جس نے انہیں دیکھ کر اونٹ روک لیا تھا۔ اُس نے سر اور چہرہ سیاہ پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اُس کی نظریں رعدی پر جمی ہوئی تھیں۔ صلیبی سپاہی اپنی فوجی وردی میں نہیں تھے اس لیے کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ صلیبی سپاہی ہیں۔ انہیں دیکھ کر مسافر کہا جا سکتا تھا۔

"اس شتر سوار کی آنکھیں دیکھی تھیں؟" ایک صلیبی نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"بہت غور سے دیکھی تھیں؟" دوسرے سپاہی نے جواب دیا۔ "میں ان نظروں کو پہچانتا ہوں۔ اب ہمیں زیادہ ہوشیار رہنا پڑے گا۔ یہ لڑکی اتنی خوبصورت ہے کہ کسی ڈاکو کی نظر میں آگئی تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔ آگے علاقہ پہاڑی ہے۔"

دو دن بھر چلتے رہے۔ شام کے بعد دو چٹانوں کے درمیان موزوں جگہ دیکھ کر انہوں نے گھوڑے روک لیے اور کھانے پینے کا اہتمام کرنے لگے۔ کھانے کے بعد وہ بے سدھ سو گئے۔ صرف ایک سپاہی ہر رات کی طرح جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اسے کوئی آہٹ سنائی دی۔ یہ کسی گیدڑ وغیرہ کے چلنے سے ڈھلان سے پتھر لڑھکا ہوگا لیکن سپاہی چوکنا ہو گیا۔ اس نے کان کھڑے کر لیے۔ آہٹ پھر سنائی دی۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو جگایا اور اسے کان میں بتایا کہ اسے کسی کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔

وہ بھی اٹھا۔ دونوں نے کمانوں میں تیر ڈال لیے اور ایک ایک طرف اور دو سرا دوسری طرف کھڑا ہو گیا۔

رات تاریک تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اب کوئی آہٹ سنائی نہیں دیتی تھی۔ رات کے سکوت میں یکے بعد دیگرے دو مرتبہ "پنگ پنگ" کی آواز سنائی دی۔ پیشتر اس کے کہ دونوں سپاہی ان آوازوں کی سمت معلوم کر سکتے ایک ایک تیر دونوں کی پسلیوں میں اتر گیا۔ ان کے ساتھی دن بھر کے تھکے ہوئے گہری نیند سو رہے تھے۔ ان دونوں نے تیر کھا کر انہیں آوازیں دیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ بھاگتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں تو ایک مشعل بھی جل اٹھی جو ان دونوں سپاہیوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ فوراً بعد وہ سات آٹھ آدمیوں کے محاصرے میں آ گئے۔ ان میں ایک نے چہرہ اور سر پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا۔ یہ وہی معلوم ہوتا تھا جو دن کے وقت اونٹ پر سوار تھا اور اس نے رک کر رعدی کو گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

دونوں سپاہی تھے۔ انہوں نے تلواروں سے مقابلہ کیا لیکن سات آٹھ برچھیوں نے ان کے جسم چھلنی کر دیئے اور رعدی حملہ آوروں کے قبضے میں آ گئی۔ وہ الگ کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ مشعل کے ناچتے ہوئے شعلے میں اس کا حسن ایسا پراسرار لگ رہا تھا جیسے وہ اس دنیا کی مخلوق نہ ہو۔

رعدی کو گھوڑے پر سوار کر لیا گیا۔ سیاہ پگڑی والا بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو چلنے لگے۔ اس آدمی کے رعدی سے پوچھا۔ "اپنے متعلق کچھ بتاؤ گی؟" رعدی نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔

☆

رعدی کو جہاں لے جایا گیا، وہ کوئی محل یا مکان نہیں بلکہ ایک چھوٹا خیمہ تھا۔ اس کا آدھا حصہ زمین کے اوپر اور باقی نصف زمین میں تھا۔ تنابیں اور اوپر شامیانہ چھوٹا اور ریشمی کپڑے کا تھا۔ اندر قالین بچھا ہوا اور چھوٹا پلنگ تھا۔ فانوس روشن تھے۔ گمان نہیں ہوتا تھا کہ یہ خیمہ ہے۔ شراب کی صراحی بھی رکھی تھی۔ وہاں تین آدمی موجود تھے جن کے متعلق فوراً پتہ چل گیا کہ صلیبی ہیں۔ انہوں نے رعدی کو دیکھا تو وہ خاموشی سے اور حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ سیاہ نقاب پوش اس کے ساتھ تھا۔ اس نے پگڑی کا نقاب اتار پھینکا اور بولا۔ "ایسا تحفہ پہلے کبھی دیکھا ہے؟... اور یہ رفاسہ ہے۔"

رعدی خاموش کھڑی رہی۔ فانوس کی روشنی میں اس کا حسن اور زیادہ طلسماتی لگتا تھا۔ وہ یہاں بھی خوف زدہ نہیں تھی۔ اسے پلنگ پر بٹھایا گیا اور پوچھا گیا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہی تھی۔ رعدی نے اپنی زندگی کی کہانی ایک بار پھر سنا دی۔ اس کی کہانی سے وہاں کوئی بھی متاثر نہ ہوا۔ ان لوگوں کے پاس متاثر ہونے والے جذبات کی کمی تھی۔ اس سوال کے

جواب میں کہ وہ کہاں جا رہی تھی، اس نے کہا۔ "مجھے کسی مسیحی بادشاہ کے پاس لے جایا جا رہا تھا۔"

"تو کیا تم نے چار صلیبیوں کو قتل کر دیا ہے؟" ایک آدمی نے غصے سے اس لڑکی سے پوچھا۔ [illegible]

وہ صلیبی نہیں لگتے تھے۔ اس نے جواب دیا۔ "تم نے مجھے بتایا کہ رفاسہ میں تمہارے آدمی اس لڑکی کو بہلانے کا کوئی ذریعہ نہ دیکھ کر اتفاق سے یہ نظر آ گئی۔ میں نے ان چاروں کو مشکوک مسلمان سمجھا۔ اچھا کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ لڑکی لے آیا۔"

"تمہارے ساتھ کون کون تھا؟"

"صرف دو اور اپنے آدمی تھے۔" اس نے جواب دیا۔ "باقی پانچ موصل کے مسلمان تھے جو یہاں پہنچ کر کام کرتے ہیں۔"

"اگر یہ راز فاش ہو گیا کہ تم نے اپنے کسی مکمران کا تحفہ اس کے محافظوں کو قتل کر کے اڑا لیا ہے تو اس کا نتیجہ جانتے ہو کیا ہوگا؟"

وہ خاموش رہا۔ اچانک ایک آدمی غصے میں اترا اور بولا۔ "یہ راز فاش نہیں ہوگا۔ تم ڈرتے ہو کہ ہم جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں، یہ راز فاش کر دیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا۔"

"یہ کون ہے؟"

"یہ میرا خاص آدمی ہے۔" سیاہ پگڑی والے نے جواب دیا اور موصل کے کسی بڑے آدمی کا نام لے کر کہا۔ "اس نے دیا ہے۔ قابلِ اعتماد اور عقل مند ہے۔"

"میں آپ ہی کا آدمی ہوں۔" اس نے کہا۔ "موصل اور اس علاقے کے جو راز آپ کے پاس جاتے ہیں، میرے اور میرے ساتھیوں کے حاصل کیے ہوئے ہوتے ہیں۔"

اس سے کچھ اور باتیں پوچھی گئیں جن کے جواب میں اس نے ایسے انداز سے باتیں کیں کہ سب نے اسے قابلِ اعتماد سمجھ لیا۔ کسی کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہوا کہ یہ صلاح الدین ایوبی کا بڑا ہی خطرناک جاسوس ہے جس کا اصل نام حسن الادریسی ہے۔ خدا نے اس کے چہرے مہرے اور جسم کی ساخت میں ایسی جاذبیت پیدا کی تھی کہ دیکھنے والا اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی زبان اور لب و لہجے میں ایسا جادو پیدا کر لیا تھا جسے سننے والا مسحور ہو جاتا تھا۔ وہ اداکاری اور لہجہ بدل کر بات کرنے کا ماہر تھا۔ موصل میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس تھے ان کا ذمہ حکام کے حلقے تک بھی تھا۔ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اس درویش سے والیٔ موصل عزالدین بھی متاثر ہے۔ اس نے موصل کے برباشندے کی طرح تسلیم کر لیا تھا کہ درویش کو آسمان سے اشارہ ملے گا اور اس کے بعد عزالدین اپنی فوج کو باہر نکالے گا پھر یہ فوج فتح پر فتح حاصل کرتی چلی جائے گی۔

جاسوسوں کو عزالدین کے عقیدے کے متعلق اس کی بیوی رضیع خاتون (بیوہ نورالدین زنگی) نے اطلاع دی تھی۔ اس خاتون کے متعلق آپ پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں۔ وہ سلطان ایوبی کی عقیدتمند تھی۔ عمل کی خبریں اسی کے ذریعے باہر آتی تھیں۔ اس نے جاسوسوں کو تفصیل سے بتایا تھا کہ عزالدین صلیبیوں کے جال میں بری طرح پھنس گیا

نہ میں تمہاری، نہ مصر تمہارا

فتح حاصل کر کے کون خوش نہیں ہوتا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کو کسی معرکے، محاصرے یا بڑی جنگ میں فتح ہوتی تھی تو اس کے چہرے پر نورانی سی رونق آجاتی تھی۔ اس کی فوج جشن مناتی، سپاہی رقص کرتے، گاتے اور راتوں کو سوتے نہ تھے۔ بکرے، دنبے اور اونٹ ذبح ہوتے۔ سپاہی خود پکاتے اور سلطان ایوبی اُن کے لیے مشروبات کے مٹکے کھول دیا کرتا تھا، مگر ۱۱۸۲ء (۵۷۹ ہجری) کے دوران اُس کے چہرے پر رونق نہیں تھی نہ ہی اس کی فوج جشن منا رہی تھی حالانکہ اُس نے ایک سال کے عرصے میں متعدد قلعے سر کر لیے اور شاہ ارمینیا جیسے طاقتور حکمران سے شکست کے عہدنامے پر دستخط کرا کے اُس سے اپنی شرائط منوالی تھیں۔

مؤرخوں نے اِس دَور کو سلطان ایوبی کی فتوحات کا دور کہا ہے مگر اس کی جذباتی کیفیت یہ تھی جیسے ہر فتح کے بعد اس کے چہرے پر بڑھاپے کی ایک لکیر کا اضافہ ہو گیا ہو۔ یہ لکیریں بڑھاپے اور اداسی کی تھیں۔ وہ اِن میں سے کسی ایک فتح اور کسی ایک کامیابی پر بھی خوش نہ تھا۔ اُسے جب چھاپہ ماروں کا سالار صارم مصری فاتحانہ انداز سے رپورٹ دیتا تھا کہ گزشتہ رات چھاپہ ماروں نے فلاں جگہ شب خون مار کر دشمن کو اتنا نقصان پہنچایا ہے تو سلطان ایوبی آہستہ سے سر ہلا کر اُسے خراجِ تحسین پیش کرتا اور پھر اس کا سر یوں جھک جاتا تھا جیسے اُس کے ضمیر پر ایسا بوجھ آپڑا ہو جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔

"مجھے مبارک باد اُس روز کہنا جس روز تم صلیبیوں کو شکست دو گے"۔۔۔ ایک روز سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ وہ اُسے دیارِ بکر کی فتح کے بعد مبارک باد کہنے آئے تھے۔ اس روز تو اس کی آنکھیں لال ہو گئیں جیسے وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُس نے کہا۔۔۔ "تم محسوس نہیں کر رہے کہ ہم گھروں سے نکلے تھے صلیبیوں کو شکست دینے اور انہیں اپنی سرزمین سے نکالنے کے لیے مگر انگلیوں پر گنو کہ تم کتنے برسوں سے اپنے ہی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں اور حساب کرو کہ ہم ایک دوسرے کا کتنا خون بہا چکے ہیں۔ کیا تم اُسے فتح کہتے ہو؟ میں اس خانہ جنگی میں جو بھی فتح حاصل کرتا ہوں وہ میری اور تمہاری نہیں وہ صلیبیوں کی فتح ہوتی ہے۔ جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو خوشی اور کامیابی اُن کے دشمن کی ہوتی ہے۔ میں اُسے فتح نہیں کہتا جو ہم نے اپنے بھائیوں پر حاصل کی ہے۔"

"صلیبی کیوں دبک گئے ہیں؟"۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔ "ہم آپ کو ان پر بھی فتح حاصل کر کے دکھا دیں گے۔"

"انہیں وہاں سے نکلنے اور لڑنے کی کیا ضرورت ہے جہاں وہ دبک کر بیٹھ گئے ہیں"۔۔۔ سلطان ایوبی نے

کہا۔ "جنگ کا پہلا اصول کیا ہے؟.... دشمن کی عسکری قوت کو تباہ کرنا۔ صلیبیوں نے ہماری عسکری قوت کو ہمارے بھائیوں کے ہاتھوں تباہ کرانے کا کامیاب انتظام کر رکھا ہے۔ ہم آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور صلیبی ہر صورت حال سے اور اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے ہیں۔ فلسطین پر اُن کا قبضہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ حکمرانی سدا اللہ کی ہے مگر حکمرانی کا نشہ جب انسان پر طاری ہوتا ہے تو مذہب اور ملت کا وقار تو دُور کی بات ہے، وہ اپنی بیٹیوں کو ننگا سنچانے لگتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کاری کو وہ جائز اور ضروری سمجھنے لگتا ہے۔ صلیبی اُمتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاستوں میں تقسیم کرتے چلے جا رہے اور اللہ کی فوج کو اِن ریاستوں میں تقسیم کر کے اسلام کی عسکری قوت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔"

"ہمیں اِن علاقوں سے فوج کے لیے بہت بھرتی مل رہی ہے۔" ایک سالار نے کہا۔ "بڑے اچھے سپاہی اور سوار بڑی خوشی سے آ رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں۔" سلطان ایوبی نے سب کو چونکا دیا۔ اس نے کہا۔ "یہ لوگ صرف اس لیے ہماری فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں کہ جس شہر کو فتح کیا جاتا ہے وہاں ہماری فوج لوٹ مار کرتی ہے اور وہاں سے حسین عورتیں ملتی ہیں۔"

"ہم نے اپنی فوج کو ایسی لوٹ مار اور آبرو ریزی کی اجازت کبھی نہیں دی۔" ایک اور سالار نے کہا۔

"مگر ہمارا دشمن ہماری فوج کے خلاف یہی مشہور کر رہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو لوٹ مار کی اور مفتوح کی جوان لڑکیاں اٹھا لے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ دشمن نے ہماری فوج کے خلاف یہ بے بنیاد باتیں اس لیے مشہور کر رکھی ہیں کہ خود مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی فوج کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور یہیں کہیں سے بھی لوگوں کا تعاون نہ ملے بلکہ ہم جس شہر کا محاصرہ کریں وہاں کے لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہماری اس فوج کے خلاف لڑیں جو اسلامی فوج ہے اور جو ہر لحاظ سے حزب اللہ کہلانے کی حقدار ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! قوم بغیر فوج کے اور فوج قوم کے دانشمانہ تعاون کے بغیر دشمن کے لیے آسان ہوتی ہے۔ اپنے دشمن کو پہچانو۔ تمہارا دشمن دانشمند ہے۔ اُس نے ہماری قوم اور فوج میں منافرت پیدا کرنے کا بڑا اچھا اہتمام کیا ہے۔ قرآن نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کا حکم صرف قوم یا صرف فوج کو نہیں دیا۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار قوم اور فوج مل کر بنتی ہے۔ اس دیوار میں شگاف ڈالنے کا یہ طریقہ کار گر ہے کہ فوج کو نااہل، بزدل، زانی اور ڈاکو کہہ کر قوم کی نظروں سے گرا دیا جائے۔"

"دیارِ بکر کے لوگوں پر تو ایسا کوئی اثر نہیں دیکھا۔" صارم مصری نے کہا۔ "انہیں جونہی پتہ چلا کہ محاصرہ کرنے والے ہم ہیں اور اُن کا حکمران اپنی فوج کو اسلامی فوج کے خلاف لڑا رہا ہے تو لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے تھے۔"

"وہاں ہمارے جاسوس زیادہ تعداد میں تھے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہاں کی تمام بڑی مسجدوں کے امام ہمارے آدمی تھے۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو صرف نماز، روزہ اور حج، زکوٰۃ کے وعظ نہیں دیئے۔ اس کے ساتھ وہ لوگوں کو صلیبیوں کے عزائم اور

اپنے ایمان فروش امراء اور حاکموں کے متعلق بھی بتاتے رہے ہیں اور یہ بھی کہ جب ایک مسلمان دوسرے کا خون بہاتا ہے تو عرش معلیٰ لرز جاتا ہے اور خدا اس بستی پر اپنا قہر نازل کرتا ہے جہاں کے مسلمان مسلمانوں کے خلاف لڑتے اور خون بہاتے ہیں۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ دیارِ بکر میں صلیبیوں کے جاسوس اور تخریب کار بھی درویش، صوفیوں اور عالموں کے بہروپ میں موجود تھے اور لٹریچر کی تخریب کاری کر رہے تھے لیکن ہمارے آدمیوں نے ان میں بعض کو خفیہ طریقوں سے اغوا اور قتل کیا اور اُن کی آواز کو بیکار کر دیا، مگر ہم اس وقت جس علاقے میں ہیں یہاں صلیبیوں کی تخریب کاری کامیاب ہو رہی ہے۔"

"یہ جو سپاہی اور سوار لوٹ مار کے لالچ سے بھرتی ہو رہے ہیں کیا یہ پوری فوج کو خراب نہیں کریں گے؟" سالار نے پوچھا۔

"تم نے دیکھا نہیں کہ انہیں کس قسم کی تربیت دی جا رہی ہے؟" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں نے تمہیں تربیت اور جنگی مشقوں کا جو نیا طریقہ بتایا ہے وہ انہیں صحیح سورج پر لے آئے گا۔ میں فوج میں ان کی تقسیم ایسے طریقے سے کر رہا ہوں کہ یہ فوج پر نہیں بلکہ فوج ان پر اثر انداز ہوگی۔ تم بہت جلدی میرا یہ تحریری حکم بھی دیکھ لو گے کہ مفتوحہ علاقے میں اپنا کوئی سپاہی لوٹ مار کرتا یا کسی عورت پر ہاتھ ڈالتا دیکھا جائے تو اُسے تیر کا نشانہ بنا دیا جائے یا قریب جا کر اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ دشمن کے بے بنیاد الزامات کو غلط ثابت کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ فوج اپنے کردار سے مفتوح لوگوں پر اور اپنی قوم پر بھی دل موہ لینے والا اثر پیدا کرے۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبی اور یہودی ہر جگہ میں اسلام کی فوج اور قوم کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ قوم کی کردار کُشی الگ اور فوج کی الگ کریں گے اور اس طرح دونوں کا ایمان اور قومی جذبہ برباد کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنائے رکھیں گے۔ یہ کام وہ مسلمانوں کے ہاتھوں کرائیں گے۔"

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس نے کئی ایک چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو مطیع بنا لیا اور متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ وہ مسلمان حکمران تھے جو درپردہ صلیبیوں کے دوست اور سلطان ایوبی کی مخالف تھے۔ سلطان ایوبی کی منزل بیت المقدس تھی جس پر صلیبیوں نے قبضہ کر کے اسے یروشلم کا نام دے رکھا تھا مگر اپنے مسلمان حکمران اور امراء سلطان ایوبی کے راستے میں حائل ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی فوج کو چند دن آرام دینے کے لیے فرات کے کنارے رک گیا تھا۔ وہاں گھوڑوں، خچروں، اونٹوں اور رسد کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی فرات کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ گھوڑ سوار دستوں کا سالار اور چھاپہ مار دستوں کا سالار صارم مصری تھا۔ اُن سے کچھ دُور سفید جُبّے میں ملبوس ایک آدمی کھڑا تھا جس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا رکھے تھے۔ سلطان ایوبی اُدھر چل پڑا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں چار قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے سرہانے ایک ڈنڈا گڑا تھا اور اس کے ساتھ لکڑی کی ایک تختی تھی جس پر لال رنگ سے

عربی زبان میں لکھا تھا:

عمر المملوک

اللہ تیری شہادت قبول کرے

نصر المملوک

اس کے ساتھ کی قبر پر بھی ایسی ہی تختی لگی ہوئی تھی جس پر اسی قسم کی لال تحریر تھی!

نصر المملوک

اللہ میری شہادت قبول کرے

سلطان ایوبی نے دونوں تحریریں پڑھیں اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو قبروں پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ وہ وضع اور لباس سے عالم فاضل لگتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس کی طرف دیکھا تو اُس نے ذرا جھک کر کہا۔ "میں اس گاؤں کا امام ہوں۔ جہاں کہیں پتہ چلتا ہے کہ شہید کی قبر ہے وہاں چلا جاتا ہوں اور فاتحہ پڑھتا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس جگہ شہید کے خون کا قطرہ گرتا ہے وہ جگہ مسجد جتنی مقدس ہو جاتی ہے۔ میں لوگوں کو یہی بتایا کرتا ہوں کہ مجاہد وہ عظیم شخصیت ہے جس کے گھوڑے کے سموں کی اُڑائی ہوئی گرد کا احترام خدا نے بھی کیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو خدائے ذوالجلال نے افضل عبادت کہا ہے۔"

"مگر اللہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والے ایسے ہی گمنام لوگ ہوتے ہیں جن کی قبریں آپ دیکھ رہے ہیں۔ تاریخ میں اُن کا نہیں میرا نام آئے گا مگر مجھے عظمت دینے والے یہ لوگ تھے۔" اُس نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا اور قبروں کی دونوں تختیوں کی تحریروں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "یہ الفاظ لال رنگ میں انگلی ڈبو کر لکھے گئے ہیں۔ لکھنے والا ایک ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"لال رنگ نہیں سلطان محترم!" چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری نے کہا۔ "یہ خون ہے۔ عمر المملوک کی قبر کی تختی نصر المملوک نے اپنے خون سے لکھی تھی اور اس نے اپنے ہی خون سے اپنی قبر کی بھی تختی لکھی اور شہید ہو گیا تھا۔ سولہ سترہ دن گزرے رات کو دریا سے ہم نے ایک بہت بڑی کشتی پکڑی تھی جس میں دشمن کے چھاپہ ماروں کے لیے رسد جا رہی تھی۔ آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ یہ کشتی ہمارے آٹھ چھاپہ ماروں نے پکڑی تھی۔ ان میں سے یہ چار شہید ہو گئے تھے۔ ہمیں پہلے اطلاع مل گئی تھی کہ ایک بڑی کشتی رات کو گزرے گی جس میں دشمن کی رسد اور اسلحہ ہوگا۔ میں نے اپنے آٹھ چھاپہ مار بھیجے۔ یہ ایک چھوٹی سی کشتی میں تھے....

"آدھی رات دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ وہ کشتی جا رہی تھی۔ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ اس میں چار پانچ آدمی ہوں گے لیکن ہمارے چھاپہ ماروں کی کشتی اُس کے قریب گئی تو اُس میں کم و بیش بیس آدمی تھے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے چھاپہ مار دشمن کی کشتی میں کُود جاتے۔ دشمن کے آدمی جو تلواروں سے مسلح تھے، ہماری کشتی میں کود آئے۔ ہمارے یہ چھاپہ مار دریائی چھاپوں کا تجربہ رکھتے تھے۔ وہ اپنی کشتی سے دریا میں کُودے اور دشمن کی کشتی پر چڑھ کر اس کے بادبانوں کے رسّے کاٹ دیئے۔ دونوں کشتیوں میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ ہمارے

چھاپہ ماروں نے بڑی کشتی سے اپنی کشتی پر تیر پھینکے جس میں دشمن کے آدمی تھے۔ بہرحال ہمارے جانباز عقل اور داؤ پیچ سے معرکہ لڑ کر دونوں کشتیاں لے آئے۔ دشمن کے آدمی جو مرے نہیں تھے دریا میں کود کر دوسرے کنارے پر چلے گئے....

"کشتیاں کنارے لگیں۔ مجھے اطلاع ملی تو میں انہیں دیکھنے گیا۔ صبح طلوع ہو رہی تھی۔ ایک کشتی میں عمر المملوک کی اور اس کے دو ساتھیوں کی لاشیں تھیں اور باقی سب زخمی تھے۔ نصر المملوک سب سے زیادہ زخمی تھا۔ دو گہرے زخم برچھی کے اور تین زخم تلوار کے تھے۔ وہ ہوش میں تھا۔ مرہم پٹی کے لیے لے گئے تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے ایک تختی دی جائے جو وہ اپنے دوست کی قبر پر لگانا چاہتا ہے۔ میں نے ترکمانوں سے اُسے تختی منگوا دی۔ اس دوران اُس نے اپنی مرہم پٹی نہ ہونے دی۔ تختی آئی تو اس نے اپنے خون میں شہادت کی انگلی ڈبو ڈبو کر عمر المملوک کا نام اور یہ تحریر لکھی اور تختی مجھے دے کر کہا کہ یہ عمر کی قبر پر لگا دی جائے۔ میں نے یہ تختی ایک ڈنڈے کے ساتھ لگا کر عمر المملوک کی قبر کے سرہانے لگا دی....

"نصر المملوک کے زخموں سے خون نکلتا رہا۔ بند نہیں ہو رہا تھا۔ تیسرے دن اُس کی حالت بگڑ گئی۔ میں اُسے دیکھنے آیا تو جراح نے مایوسی کا اظہار کیا۔ خود نصر المملوک کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اُس نے مجھے کہا کہ اُسے ویسی ہی ایک تختی دی جائے۔ میں نے تختی منگوا دی۔ اُس نے تختی اپنے پاس رکھ لی۔ رات کو مجھے اطلاع ملی کہ نصر شہید ہو گیا ہے۔ میں گیا تو اُس کے ایک زخمی ساتھی نے تختی مجھے دی اور بتایا کہ نصر نے اپنے ایک زخم سے پٹی کھول لی۔ خون نکل رہا تھا۔ اُس نے اپنے خون میں انگلی ڈبو ڈبو کر یہ تحریر لکھی۔ 'نصر المملوک۔ اللہ میری شہادت قبول کرے'۔ اُس کے ساتھی نے بتایا کہ نصر نے کہا تھا کہ اُسے اپنے دوست عمر المملوک کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ اس طرح یہ دونوں تختیاں ایک ہی شہید کے خون سے لکھی گئی ہیں۔"

"یہ دونوں مملوک تھے محترم امام!" سلطان ایوبی نے امام سے کہا۔ "آپ جانتے ہوں گے کہ مملوک کس نسل سے ہیں۔ یہ اُن غلاموں کی نسل سے ہیں جنہیں آزاد کرا دیا گیا تھا۔ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا تھا کہ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ ذرا دیکھو ان غلاموں نے کیسا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ یہ آٹھ تھے لیکن بیس آدمیوں سے اتنی بڑی کشتی چھین کر لے آئے ہیں۔ مجھے اپنی فوج میں مملوکوں اور ترکوں پر جتنا بھروسہ ہے اور کسی پر نہیں۔"

"اب انسان پھر انسان کا غلام بنتا جا رہا ہے۔" امام نے کہا۔ "حکمرانی حاصل کرنے کے فتن اسی لیے کیے جاتے ہیں کہ انسانوں کو غلام بنایا جائے لیکن انسان سمجھتا نہیں کہ تخت و تاج نے کسی کے ساتھ کبھی وفا نہیں کی۔ فرعون بھی مٹی میں مل گئے۔ خدا نے ہر اُس انسان کو عبرتناک سزا دی ہے جس نے تخت و تاج سے پیار کیا اور ہر اُس انسان کا خون بہایا جس سے اُسے اپنی بادشاہی کے لیے خطرے کی بُو آئی۔"

سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا کمانڈر ایک آدمی کو ساتھ لیے آ رہا تھا۔ اس آدمی کی حالت بتا رہی تھی کہ بڑے لمبے سفر سے آیا ہے۔ کمانڈر نے قریب آ کر کہا۔ "قاہرہ سے قاصد آیا ہے۔"

"کیا خبر لائے ہو؟" سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

"خبر اچھی نہیں" قاصد نے کہا اور کمربند سے ایک کاغذ نکال کر سلطان ایوبی کو دیا۔

سلطان ایوبی اپنے خیمے کو چل پڑا۔

☆

خیمے میں بیٹھ کر اس پیغام کو کھولا۔ یہ اس کے جاسوسی اور سراغرسانی کے سربراہ علی بن سفیان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ لکھا تھا۔ "ہمارا سب سے زیادہ دیندار اور دلیر نائب سالار حبیب القدوس دس دنوں سے لاپتہ ہے۔ صلیبیوں کی تخریب کاری زوروں پر ہے۔ ہم یہاں زمین دوز جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایمان فروشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس مسئلے پر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دشمن کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ پریشانی حبیب القدوس نے پیدا کر دی ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کا صرف لاپتہ ہو جانا پریشان کن نہیں۔ ہم ایک اور خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبیب القدوس کے ماتحت جتنے دستے ہیں، وہ ان میں اتنا ہر دلعزیز ہے کہ سپاہی اس کے اشارے پر جانیں قربان کرتے ہیں۔ اگر وہ خود دشمن سے جا ملا ہے تو یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنے دستوں کو جو اس کے زیر اثر ہیں سلطنت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتا ہے۔ میں اسے تلاش کرنے کی کوششوں سے دستبردار یا مایوس نہیں ہوا۔ میں آپ سے صرف یہ اجازت لینا چاہتا ہوں کہ اگر تلاش کے دوران وہ سامنے آ جائے اور ضرورت محسوس ہو کہ اسے مار ڈالا جائے تو اسے مار دیا جائے۔ آپ کے تا مقام امیر مصر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ صرف یہ اجازت دی ہے کہ میں آپ کو براہ راست خط لکھ کر اجازت لے لوں۔ اگر میں اسے تلاش نہ کر سکا تو آپ مجھ سے باز پرس کریں گے اور اگر وہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تو بھی آپ پسند نہیں کریں گے۔ اس نائب سالار کا ہمارے دشمن کے پاس رہنا ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔"

سلطان ایوبی نے اسی وقت کاتب کو بلایا اور پیغام کا جواب لکھوانے لگا:

"عزیز علی بن سفیان! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ حبیب القدوس پر مجھے اتنا ہی اعتماد تھا جتنا تم پر ہے۔ جو انسان اپنا ایمان فروخت کرنے پر آمادہ ہے وہ خدا سے نہیں ڈرتا، وہ مجھ جیسے حقیر انسان سے کیوں ڈرے گا۔ تمہیں اس پر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ حبیب القدوس جیسا انسان بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے مگر یہ زہرت اور جواہرات کی طرح چمکتا نہیں۔ اس میں عورت کے حسن و جمال کی کشش نہیں اور ایمان تخت اور تاج بھی نہیں۔ جب انسان پر دنیا کی لذتوں کا سرور اور زر و جواہرات کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان سے دستبردار ہونے میں کچھ وقت نہیں لگتا..... حبیب القدوس کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کبھی ضرورت محسوس ہو کہ اسے قتل کر دیا جائے تو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے، لیکن یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کرنا کہ اسے اغوا تو نہیں کیا گیا؟ حالات تمہاری نظر میں ہیں۔ جو بہتر سمجھو وہ کرو۔ مفاد سلطنت اور مذہب مقدم ہے۔ ایک انسان کی زندگی اور موت اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ جہاں فوج کی اتنی زیادہ تعداد ماری جا رہی ہے،

سپاہی اپنی جانیں دے رہے ہیں وہاں ایک غدار حاکم کو مار دینے سے پہلے اتنا زیادہ نہ سوچو کہ تمہارا قیمتی وقت اس پر صرف ہوتا رہے۔ اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہو۔ ہم سب گناہگار ہیں۔ پاک ذات صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ تم حق پر ہو تو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

سلطان ایوبی نے پیغام کے نیچے اپنی مہر لگائی اور پیغام قاصد کے حوالے کر دیا اور اسے کہا کہ وہ رات بھر آرام کر کے علی الصبح روانہ ہو جائے۔

وہ تاریخ اسلام کا پُرآشوب دور تھا۔ ادھر سرزمین عرب مسلمانوں کے خون سے لال ہو رہی تھی، صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں میں غدار اور سازشی پیدا کر کے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں الجھا دیا تھا۔ اُدھر مصر میں یہی کفار مسلمان حاکموں میں غدار پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر رہے تھے اور سلطان ایوبی کی فوج پر بڑے ہی شرمناک الزامات کی تشہیر کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ مہم زمین دوز طریقے سے چلا رکھی تھی۔ علی بن سفیان اور تاجر کا کوتوال غیاث بلبیس اس مہم کے اثرات زائل کرنے اور مجرموں کو پکڑنے میں سرگرم رہتے تھے۔

ایک نائب سالار کا غائب ہو جانا معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس کا کچھ بھی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ حبیب القدوس کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے لیکن اس وقت میں غداری ایک عام سی چیز بن کے رہ گئی تھی۔ حبیب القدوس لاپتہ ہوا تو سب نے یہی کہا کہ وہ کوئی فرشتہ تو نہیں تھا۔ اس کی تین بیویاں تھیں اور یہ کوئی معیوب امر نہیں تھا۔ اس کی حیثیت کے حاکموں نے چار چار بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور جو ذرا زندہ دل تھے ان کے ہاں ایک دو داشتہ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ حبیب القدوس کی زندگی میں شراب اور راگ رنگ کا ذرہ بھر دخل نہ تھا۔ موم و صلاۃ کا پابند تھا اور میدان جنگ میں دشمن کے لیے سراپا قہر۔ شجاعت کے علاوہ فن حرب و ضرب میں مہارت رکھتا تھا۔ جنگی منصوبہ بندی ایسی کہ کم سے کم نفری سے کثیر تعداد دشمن کا ستیاناس کر دیتا تھا۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے دستوں میں ہر دلعزیز تھا۔ اس کے ماتحت جو کمانڈر اور سپاہی تھے اُن کے لڑنے کا انداز یہ ہوتا تھا جیسے وہ حکم سے نہیں عقیدت سے لڑ رہے ہوں۔ بعض اوقات تو یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ دستے اس کی ذاتی فوج ہیں اور یہ سلطان ایوبی کے حکم سے نہیں حبیب القدوس کے اشارے پر ہی لڑتے ہیں۔ اُن کی تربیت اس نے اتنی سخت کر رکھی تھی اور انہیں اتنی جنگی مشقیں کراتا تھا کہ آج کی زبان میں یہ "کمانڈو" بن گئے تھے۔ اُن کی نفری تین ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار تھی۔ تیراندازی میں اتنے ماہر جیسے اندھیرے میں آواز پر تیر چلائیں تو تیر بولنے والے کے منہ میں لگے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر تھا۔ غیاث بلبیس کوتوال تھا اور سول انٹیلی جنس میں مہارت رکھتا تھا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حبیب القدوس کو دشمن نے اس کی اسی خوبی کی وجہ سے اپنے جال میں لیا ہے کہ وہ اپنے پانچ ہزار نفری کے دستوں کو باغی کر سکے گا۔ پانچ ہزار نفری معمولی نفری نہیں تھی۔ ان دونوں

کر نہتہ کر دینے کی بھی تجویز پیش ہوئی تھی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ دلیل دے کر مسترد کر دی تھی کہ اس طرح یہ باغی نہ ہوئے تو بھی باغی ہو جائیں گے۔ اس کی بجائے انہوں نے ان دستوں میں کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے جو بارکوں میں سپاہیوں کی گپ شپ سنتے رہتے تھے۔ کمانداروں پر بھی اُن کی نظر تھی۔

گہری نظر حبیب القدوس کے گھر پر رکھی گئی تھی۔ اس کی تین بیویوں میں ایک کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان تھی اور دو چوبیس پچیس سال کی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا۔ انہوں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ ایک شام اس کے پاس دو آدمی آئے تھے۔ حبیب القدوس اُن کے ساتھ نکل گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ ملازموں سے بھی بہت گہری تفتیش کی گئی۔ ان سے بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ بیویوں کے متعلق درپردہ معلوم کیا گیا۔ ان میں کوئی بھی مشکوک نہیں تھی۔ صرف اتنا پتہ چلا کہ چھوٹی عمر کی دو بیویوں میں سے ایک کے ساتھ جس کا نام زہرہ تھا اُسے سب سے زیادہ پیار تھا۔ یہ اُس کے ایک سوار دستے کے کماندار کی بیٹی تھی۔

اس کماندار سے پوچھا گیا کہ اس نے اپنی عمر کے آدمی کو اپنی جوان بیٹی کیوں دی تھی؟ کیا حبیب القدوس نے اُسے ماتحت سمجھ کر مجبور کیا تھا؟

"نہیں۔" کماندار نے جواب دیا۔ "نائب سالار حبیب القدوس اسلام اور جہاد کے اتنے ہی متوالے ہیں جتنا میں ہوں۔ میں نے اُن کے ساتھ لڑائیاں لڑی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مومن کی تلوار نیام سے نکل آئے تو نیام میں اس وقت تک نہیں آنی چاہیئے جب تک دشمن کا ایک بھی سپاہی سامنے موجود ہے اور وہ کہا کرتے تھے کہ کفر کا فتنہ ختم ہونے تک جہاد جاری رہتا ہے۔ غداروں سے وہ اتنی نفرت کرتے تھے کہ ایک سرحدی لڑائی میں سوڈانیوں نے اچانک حملہ کیا تو ہمارے دو سوار بھاگ اٹھے۔ نائب سالار نے دیکھ لیا۔ انہیں پکڑنے کا حکم دیا۔ انہیں پکڑ لائے۔ نائب سالار نے اُن سے کچھ پوچھے اور کہے بغیر دونوں کو انہی کے گھوڑوں کے پیچھے اپنے ہاتھوں باندھا اور گھوڑوں پر دو سوار بٹھا کر حکم دیا کہ گھوڑے دوڑاؤ اور رُکو اُس وقت جب گھوڑے خود تھک کر رُک جائیں....

"جب گھوڑے واپس آئے تو اُن کا پسینہ بہہ رہا تھا اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ ان کے پیچھے بندھے ہوئے سپاہیوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور اُن کی کھالیں اُتر گئی تھیں۔ جسم پر گوشت بھی پورا نہیں تھا۔ لڑائی اس طرح ختم ہو گئی تھی کہ سوڈانیوں میں سے زیادہ تر مارے گئے، کچھ پکڑے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ حبیب القدوس نے تمام دستے کو اکٹھا کر کے ان سپاہیوں کی لاشیں دکھائیں اور کہا کہ اللہ کی راہ میں لڑنے سے بھاگنے والوں کی یہ سزا دنیا کی ہے، اگلے جہان اُن کے جسم سالم ہوں گے اور انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا....

"ہم سب جہاد اور شہادت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ایک روز میری بیٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اپنی بیٹی کو بھی وہی تربیت دے رکھی ہے جو باپ نے مجھے دی تھی۔ میرا ایک بیٹا اس وقت سلطان کی فوج کے ساتھ شام میں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو بتایا کرتا تھا کہ ہمارے نائب سالار حبیب القدوس سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہد ہیں۔

میری بیٹی کو اس روز نائب سالار نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کون ہے۔ میں نے بتایا کہ میری بیٹی ہے اللہ یہ چاہتا ہے۔ بہت دنوں بعد انہوں نے مجھے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کی ان سے بات کی تو اُس نے کہا کہ بیٹی پہلے ہی کہتی ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے جو اسلام کی پاسبانی میں اپنی جان کی بازی لگانے والا ہو۔ اس طرح میں نے بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی نائب سالار سے کر دی اور میری بیٹی نے انہیں دلی طور پر قبول کر لیا۔ اب سنا ہے کہ وہ لاپتہ ہیں۔ میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اُن کے متعلق اگر دل سے کسی کو رنج ہے تو وہ صرف میری بیٹی ہے۔ وہ اسی کو زیادہ چاہتے تھے۔ باقی دو بیویاں کہتی ہیں کہ یہ مر گیا تو کسی اور کے ساتھ شادی کریں گی۔"

☆

"مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اُس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔" یہ آواز تاہرز سے بہت دُور اُن کھنڈروں سے آئی تھی جہاں کسی فرعون نے اپنے زمانے میں محل بنایا تھا۔ اُس زمانے میں یہ جگہ بہت خوبصورت اور سرسبز ہو گی۔ علاقہ پہاڑی تھا اور دریائے نیل کے کنارے پر تھا۔ پہاڑیوں پر درخت اور سبزہ تھا اور وہاں دریا کچھ اندر کو آ جاتا تھا۔ کسی فرعون نے یہ محل بنایا تھا۔ سلطان کے دور میں یہ ڈراؤنا کھنڈر بن چکا تھا۔ دیواروں اور ستونوں پر کائی اُگی ہوئی تھی۔ چمگادڑوں جتنے بڑے چمگادڑوں کے سیاہ بادل اس کھنڈر میں سمٹے رہتے تھے۔ کھنڈروں کے برآمدوں اور کمروں میں انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اُس دور کے ہتھیار بھی اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ اُدھر اب کوئی نہیں جاتا تھا۔ مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں جنوں، چڑیلوں اور بددعوں کا بسیرا ہے جو زندہ انسانوں کا شکار کرتی ہیں۔

اس ہولناک کھنڈر میں جس کے میلوں دُور سے بھی کوئی نہیں گزرتا تھا، ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔ پھر اُس نے کہا۔ "نہیں آئے گا تو یہاں سے زندہ نہیں نکلے گا۔"

"ہم اُسے اس لیے نہیں لائے کہ یہاں لا کر اُسے قتل کر دیں۔" دوسرے نے کہا۔ "اگر قتل کرنا ہوتا تو اُسے اُس کے گھر سے اٹھانے اور اتنی دُور لانے کی بجائے وہیں قتل نہ کر دیتے؟ اُسے اس کام کے لیے تیار کرنا ہے جس کے لیے اسے لائے ہیں۔"

"حشیش اپنا کام کر رہی ہے۔"

"تم کسی کو نشہ پلا کر اُس سے ایسی باتیں کرا سکتے ہو جن کا اُس کی عقل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حشیش سے تم کسی کے ایمان اور نظریئے کو نہیں بدل سکتے۔ یہ شخص پانچ ہزار نفری کی جنگی قوت کا حامل ہے۔ ہمیں صرف اُسے نہیں اُس کی پوری نفری کو اپنے ہاتھ میں لے لینا اور اسے مصر کی فوج کے خلاف لڑانا ہے، پھر مصر ہمارا ہو گا اور پھر صلاح الدین ایوبی کی حالت اُس شیر جیسی ہو گی جو بہت سے شکاریوں کے گھیرے میں ہو گا۔ وہ سب کو چیر پھاڑ دینے کو جھپٹے گا مگر اُسے صرف موت ملے گی.... اگر سلطان ایوبی کا یہ نائب سالار حبیب القدوس اپنے دستوں کو اشارہ کر دے تو وہ کچھ سوچے بغیر اُس کا حکم مانیں گے۔"

حبیب القدوس اسی کھنڈر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا جسے صاف کر لیا گیا تھا۔ اُس کے نیچے نرم گدّے بچھے ہوئے اور اس کے پیچھے گول تکیے تھے۔ آسائش کا سارا سامان موجود تھا۔ اس کے سامنے ایک آدمی بیٹھا تھا جس نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال رکھی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ "مصر میری مملکت ہے۔ صلاح الدین ایوبی عراقی کُرد ہے۔ اُس نے میری مملکت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے میری مملکت کی حسین لڑکیوں سے اپنا حرم بھر رکھا ہے۔ میرے پانچ ہزار جانباز پورے مصر پر قبضہ کر لیں گے۔"

حبیب القدوس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس کے چہرے پر رونق تھی۔ وہ بڑبڑانے کے لہجے میں کہنے لگا۔۔۔ "میری تلوار کہاں ہے؟ میرا گھوڑا تیار کرو۔ میں صلاح الدین ایوبی کو قتل کروں گا۔ میرے پانچ ہزار جانباز ایک دن میں مصر کی فوج سے ہتھیار ڈلوا لیں گے۔"

"صلیبی میرے دوست ہیں"۔۔۔ اُس آدمی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا۔۔۔ "وہ میری مدد کو آئیں گے۔ دوست وہ جو بُرے وقت میں مدد دے۔"

"میری تلوار کہاں ہے؟" حبیب القدوس خلاصات آواز میں بولنے لگا۔۔۔ "مصر بہت خوبصورت ہو گیا ہے۔ مصر کی لڑکیاں زیادہ حسین ہو گئی ہیں۔ مصر میرا ہے۔ مصر میرا ہے۔"

ایک لڑکی آئی جس کا لباس ایسا تھا کہ برہنہ لگتی تھی۔ اُس کے بال ملائم اور کھلے ہوئے تھے۔ اس کا جسم بلّے کی بی رنگ کا اور سڈول تھا۔ وہ حبیب القدوس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنا ایک بازو حبیب القدوس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ حبیب القدوس اپنا گال اُس کے ریشمی بالوں سے مس کرنے لگا۔ اُس نے مخمور لہجے میں کہا۔۔۔ "مصر بہت حسین ہو گیا ہے۔"

لڑکی ایک طرف ہٹ گئی اور بولی۔۔۔ "لیکن مجھ پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہے۔"

حبیب القدوس نے پلک کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اپنے قریب گھسیٹ کر بولا۔۔۔ "تم پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ تم میری ہو، مصر میرا ہے۔"

"جب تک صلاح الدین ایوبی زندہ ہے یا جب تک مصر پر اُس کی بادشاہی ہے، نہ میں تمہاری ہوں نہ مصر تمہارا ہے۔"

"میں اُسے قتل کر دوں گا۔" حبیب القدوس نے کہا۔۔۔ "میں اُسے قتل کر دوں گا۔"

"رک جاؤ۔" ایک سخت غصیلی آواز کمرے میں گونجی۔ یہ ایک صلیبی تھا جو مصری زبان بول رہا تھا۔ یہ وہی تھا جسے کشتی میں کسی دوسری جگہ ایک مصری بتا رہا تھا کہ اب یقین ہونے لگا ہے کہ اس شخص (حبیب القدوس) کا دماغ ہمارے قبضے میں آ رہا ہے اور اُس نے کہا تھا کہ اسے حشیش کے نشے کے بغیر اپنے کام میں لانا ہے۔ وہ اس کمرے میں آیا جہاں حبیب القدوس کے دماغ کو حشیش کے نشے کے زیرِ اثر اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اُس نے غصّے میں کہا۔۔۔ "تم حسن بن صباح کے پجاری حشیش اور خفیہ قتل کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے۔ لڑکی کو اس کے پاس رہنے دو اور تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ باہر لے جا کر اُسے کہا۔۔۔ "اب اُسے حشیش نہ دینا۔ اس کا نشہ اُتر جانے دو۔ ہمیں اس کے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل نہیں کرانا۔ ہمیں اس کے دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ میں بہت دیر سے پہنچا ورنہ اس کا یہ حال نہ ہونے دیتا۔ ہوش میں رکھ کر اسے صلاح الدین ایوبی کا دشمن بنانا ہے۔ تم لوگوں نے اُسے جس خوبی سے اغوا کیا ہے اُس کی میں دل سے تعریف کرتا ہوں اور اس کی تمہیں اتنی قیمت دی جا رہی ہے جو پہلے تمہیں کہیں سے نہیں ملی ہو گی مگر تم نے اسے حشیش دے دے کر بیکار کام مسخل بنا دیا ہے۔ اسے اب وہ سفوف اور شربت دو جس سے نشے کا اثر اُتر جاتا ہے۔"

☆

صلیبیوں کی جاسوسی اور تخریب کاری اور مسلمان نوجوانوں کی کردار کشی کے طریقے اناڑیوں والے نہیں تھے۔ اُن کے اُس فن کے ماہرین انسانی فطرت کی کمزوریوں اور مطالبات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُن کی نظر سلطان ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کے ہر افسر پر تھی۔ اُدھر عرب کے اُمراء وزراء اور مختلف ریاستوں کے مسلمان حکمرانوں کی خامیوں سے بھی وہ آگاہ تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ حکمران اور حاکم اُن کے زیرِ اثر ہو جائیں اور سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہودی اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کی صورت میں اُن کی پوری مدد کر رہے تھے۔ ان کفار کے ماہرین نے مسلمان حکمرانوں وغیرہ کو چند ایک زمروں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک زمرے میں انہیں رکھا گیا تھا جو ایک دو خوبصورت اور شوخ لڑکیوں، شراب اور سونے چاندی کے عوض اپنا ایمان بیچ ڈالتے تھے۔ دوسرے زمرے میں وہ تھے جو اپنی الگ ریاست بنا کر اس کے خود مختار بادشاہ بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تیسرے میں وہ تھے جو ملک و ملت کے وفادار اور پکے مسلمان تھے۔ ان میں سے صلیبی یہ دیکھتے تھے کہ کون اثر و رسوخ والا ہے جسے ہاتھ میں لایا جائے تو وہ سلطان ایوبی کی خفیہ پالیسیوں اور پروگراموں سے قبل از وقت اطلاعات دے سکتا ہو اور اُن میں کون ایسا ہے جس کا فوج کے کچھ حصّے پر اثر ہو اور وہ اس حصّے کو اپنی سلطنت کے خلاف باغی کر سکتا ہو۔ اِن پکّے دینداروں اور مجاہدوں کو ہاتھ میں لینے کے لیے ان کے پاس کچھ طریقے تھے جن میں ایک اغوا کرنا اور اسے اپنا اتحادی بنانا تھا۔ ایک طریقہ قتل کا بھی تھا لیکن قتل کم ہی کرائے جاتے تھے۔ اگر ضرورت پڑے تو قتل حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں سے کرایا جاتا تھا۔

نائب سالار حبیب القدوس ایسا حاکم تھا جس قتل کرانے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ہاتھ میں لینا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مصر کی فوج کی پانچ ہزار نفری اس کی مرید تھی۔ صلیبیوں کے مسلمان ایجنٹوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ شخص ایمان نہیں جان دینے والا ہے اور اس میں اتنا شدید جذبہ اور غیر معمولی اہلیت ہے کہ اگر اسے اپنے انہی دستوں کے ساتھ ایک لاکھ کے لشکر کے خلاف لڑایا جائے تو شام کا سورج اتنی جلدی افق میں نہیں گرے گا جتنی جلدی اس کے آگے دشمن کی لاشیں اور ہتھیار گریں گے۔

صلیبیوں نے تجربہ کر لیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کبھی اس کے پاس کوئی نوجوان اور غیر معمولی طور پر

خوبصورت لڑکی ایک نادار، یتیم اور مظلوم لڑکی کے بہروپ میں مدد لینے کے لیے بھیجی۔ کبھی کسی لڑکی کو کسی اور ذاتی کام سے بھیجا۔ ضیافتوں اور کھیل تماشوں میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں اُس کے پیچھے ڈالیں مگر وہ اس جال میں نہ آیا جیسے پتھر ہو۔ مصر میں بغاوت کرانا صلیبیوں کے لیے ضروری ہوگیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی شام اور فلسطین کے علاقوں کے بکھرے ہوئے مسلمان امراء کو دلائل سے یا تلوار سے اپنا مطیع بناتا چلا جارہا تھا اور اُس کے بعد اسے فلسطین کا رُخ کرنا تھا۔ اُس کی توجہ فلسطین سے ہٹانے کے لیے ایک طریقہ یہ ہوسکتا تھا کہ مصر میں اُس کی جو فوج ہے اُسے بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

اس سے پہلے صلیبی سوڈانیوں کو مصری فوج کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کرچکے تھے۔ سوڈانی فوج نے حملہ کیا بھی تھا مگر سوڈانی فوج میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی تھی اور وہ توہم پرست تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہجوم کی صورت میں لڑتے اور ہجوم کی صورت میں بھاگ گئے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں مصر کے خلاف ہی رکھا، لیکن لڑنے کی نہ سوچی۔ اب بغاوت مصر کی فوج ہی سے کرائی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جو موزوں سالار دیکھا وہ حبیب القدوس تھا۔ جاسوسوں اور ماہرین نے اس کے اغوا کا فیصلہ کیا اور حسن بن صباح کے فرقے کے فدائیوں کو منہ مانگی اجرت دے کر اُن سے اغوا کرالیا۔

اغوا کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک شام دو آدمی اس کے گھر گئے اور کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ وہاں کی مسجد کی چھت بیٹھ گئی ہے اور پوری مسجد از سرِ نو تعمیر کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رات کو گاؤں کے لوگ جمع ہورہے ہیں اور وہ بھی چلیں تاکہ لوگ دل کھول کر مالی مدد دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایسی جذباتی باتیں کیں کہ وہ اُن کے ساتھ چل پڑا۔ شہر سے باہر نکل گئے تو چار اور آدمی ملے۔ ان سب نے اُسے جکڑ لیا اور اس کھنڈر میں لے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی اُسے دھوکے میں حشیش پلادی۔ صلیبی جو اس سے بات کرنے اور اسے اپنا ہم خیال بنانے پر مامور تھا، وہ کسی اور کام سے کہیں بھیجا گیا۔ اُسے اغوا کرنے والے کھنڈر میں موجود رہے۔ کھنڈر کے ایک کمرے میں اس کے لیے آسائش کی ہر چیز پہنچادی گئی۔ دو لڑکیاں بھی تھیں جو حسین ہونے کے علاوہ دلوں کو موہ لینے اور پتھر جیسے سخت کردار کے آدمیوں کو بھی حیوان بنادینے کے فن کی ماہر تھیں۔

ان سب کو معلوم تھا کہ اس نائب سالار کو کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ انہوں نے انعام واکرام کے لالچ میں از خود ہی اس کے ذہن کو اپنے مخصوص طریقے سے اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں شروع کردیں۔ یہ طریقہ حشیش کی ایک خاص قسم سے نشہ طاری کرنے کا تھا جس کے دوران مطلوبہ فرد کے ذہن میں باتوں کے ذریعے نہایت دلکش تصورات ڈالے جاتے تھے۔ یہ ایک قسم کا ہپناٹائز کرنے کا طریقہ تھا۔ اس میں نیم عریاں خوبصورت لڑکیاں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ یہ گروہ کئی دنوں سے حبیب القدوس پر یہ طریقہ استعمال کررہا تھا اور اس نے اُن کے ساتھ مطلب کی باتیں شروع کردی تھیں جن سے انہیں اُمید بندھ چلی تھی کہ انہوں نے اُس کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

☆

اُدھر قاہرہ میں مصری فوج اور کوتوالی کے جاسوس اس کی تلاش میں پریشان ہورہے تھے۔ سب کا یہی خیال تھا کہ وہ سوڈانیوں یا صلیبیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ حبیب القدوس کا اثر اپنے دستوں پر کس قدر زیادہ ہے اس لیے اس نے مصر کے قائمقام امیر کی اجازت سے سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی تھی۔ توقع یہی تھی کہ وہ اپنے معتمد کمانداروں کو کوئی پیغام بھیجے گا۔ جاسوسوں اور سراغرسانوں نے ہر طرف نظر رکھی لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ اس کا پیغام کسی کی طرف نہیں آیا۔ یہ بھی دیکھا جارہا تھا کہ ان دستوں میں سے کون سا کماندار غائب ہوتا ہے لیکن اتنے دنوں میں کوئی بھی غیر حاضر نہ ہوا۔

اتنے میں وہ صلیبی کھنڈرات میں آگیا جسے حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرنی تھی۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ حشیش رکوائی اور حبیب القدوس کا نشہ اُتارا۔ صلیبی نے پوری رات نشے کے اثرات اُترنے کا انتظار کیا۔ اگلے روز وہ حبیب القدوس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ ابھی سویا ہوا تھا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اُس کی نظر صلیبی پر پڑی تو وہ فوراً اُٹھ بیٹھا اور صلیبی کو بڑی غور سے دیکھنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ اتنے حیران اور پریشان نہ ہوں۔ یہ بدبخت آپ کو حشیش پلاتے رہے اور آپ کو بڑے خوبصورت خواب دکھاتے رہے ہیں۔ آپ حشیش اور فدائیوں کے اس طریقے سے یقیناً واقف ہوں گے۔ آپ کی توہین کی گئی ہے جس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ کو کوئی خواب نہیں دکھاؤں گا۔ بڑی خوبصورت حقیقت آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اپنے آپ کو قیدی نہ سمجھیں۔ میں آپ کا رتبہ اونچا کروں گا۔ کم نہیں ہونے دوں گا۔"

"یہ لوگ دھوکے میں مجھے یہاں لے آئے تھے۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "پھر شاید یہ مجھے کہیں اور لے گئے تھے۔" اُس نے نگاہیں گھما کر ہر طرف دیکھا اور حیران سا ہوکے بولا۔ "وہ کوئی بہت ہی خوبصورت جگہ تھی..... مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"اپنے آپ کو بیدار کریں۔" صلیبی نے کہا۔ "یہ سب حشیش کا اثر تھا۔ آپ پہلے روز سے یہیں ہیں۔"

"مجھے اغوا کیا گیا تھا؟" حبیب القدوس نے حقیقت کو سمجھتے ہوئے ذرا رُعب سے کہا۔ "تم کون ہو؟"

"میں آپ کا ایک مسلمان بھائی ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "مجھے آپ سے لینا کچھ بھی نہیں کچھ دینا ہے۔"

"اگر میں لینے دینے سے انکار کردوں تو؟"

"تو زندہ واپس نہیں جاسکیں گے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ قاہرہ سے اتنی دُور ہیں کہ آپ کو میں نے آزاد کردیا تو آپ راستے میں مرجائیں گے۔"

"مجھے وہ موت زیادہ پسند ہوگی۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "میں اپنے دشمن کی قید میں نہیں مرنا چاہتا۔"

"نہ آپ قید میں ہیں نہ میں آپ کا دشمن ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "ان خبیثوں نے آپ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرکے آپ کو بدظن کردیا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"ان باتوں کے لیے مجھے اغوا کرکے اتنی دُور لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

اُس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ اُس نے رُک کر کہا "وہ جہنم میں جل گیا ہے" جو کہتا تھا منہ سے اشارہ دے کر۔ اس کے اشارے سے عبرت حاصل نہ کرنے والا تم سب اسی جہنم میں، اسی دنیا میں جلو گے۔ خدا نے تمہیں رات کو بجلی کی کڑک کی زبان سے اشارہ دے دیا ہے۔ یہ سیاہ دھواں دیکھو۔ اللہ کے قہر سے ڈرو۔ اس کتاب کو مانو جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ قرآن پاک ہے۔"

"خدا کے لیے ہمیں کچھ بتا" ایک بوڑھے نے آگے ہو کر پوچھا۔ "یہ سب کچھ کیا تھا؟ وہ کون تھا، تم کون ہو؟ ہمیں بتا کہ رات زمین کیوں لرزی تھی اور یہ سیاہ دھواں کیسا ہے؟"

"وہ مجذوب تھا" درویش نے کہا۔ "پاگل تھا۔ اُس نے اللہ کے راستوں کی دنیا میں دخل دیا۔ اللہ کے سوا کوئی اور فتح کا یا کسی خوشخبری کا اشارہ نہیں دے سکتا۔ فتح اور شکست، خوشی اور غم اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو اللہ کا ایلچی کہا اور گناہگار ہوا۔ اُس نے سزا پالی۔ جا کر دیکھو۔ اُس کی ایک ہڈی بھی نظر نہیں آئے گی۔ وہ جس پہاڑ پر بیٹھا تھا اُس پہاڑ کو بھی سزا ملی۔ وہ سیاہ دھواں دیکھو۔ پہاڑ ابھی تک جل رہا ہے۔ اُس جھوٹے درویش کو اب بھی سچا مانو گے تو تم بھی جلو گے۔"

"ہمیں بتا سچا کون ہے؟" لوگوں نے پوچھا۔ "کیا تو سچا ہے؟"

"نہیں" اُس نے جواب دیا اور قرآن بلند کر کے کہا۔ "اللہ کا یہ کلام سچا ہے۔ اُس درویش کو بھول جاؤ۔ اس کتاب کی بات مانو۔ جو اشارے اللہ نے اس میں دیئے ہیں وہ کوئی انسان نہیں دے سکتا۔"

وہ آگے کو چل پڑا۔

☆

وہ دن بھر موصل میں یہی صدا لگاتا پھرتا رہا۔ "وہ جہنم کی آگ میں جل گیا ہے۔ وہ اپنی آگ میں جل گیا ہے۔" جس اُسے بھیک دیتے وہ اس موضوع پر دو فقرے دیتا کہ غیب کا حال کوئی انسان نہیں جانتا اور خدا کے اشارے یہی ہیں جو قرآن میں ہیں۔ اُس نے ظہر کی نماز ایک مسجد میں پڑھی، عصر کی کسی دوسری مسجد میں اور مغرب کی ایک اور مسجد میں پڑھی۔ جہاں مسجد میں گیا وہاں نمازیوں کے ہجوم جمع ہو گئے۔ اُس نے ہر مسجد میں یہی وعظ دیا کہ برحق صرف قرآن ہے اور اے لوگو! قرآن کے اشاروں پر عمل کرو۔

وہ عشاء کی نماز پڑھ کر نکلا تو رات گہری ہو چکی تھی۔ وہ ایک ویرانے کی طرف چل پڑا۔ لوگ بھی اُس کے پیچھے چل پڑے۔ اُس نے سب کو روک کر کہا۔ "اب میرے پیچھے کوئی نہ آئے۔ میں ساری رات ویرانے میں عبادت کروں گا اور تمہارے گناہوں کی بخشش مانگوں گا۔"

اُس نے لوگوں پر ایسا تاثر پیدا کر دیا تھا کہ اُن کے دلوں سے پہلے درویش کی دہشت نکل گئی تھی۔ اُس نے لوگوں سے زمین چومنے کو کہا تو وہ رک گئے۔ اُس نے کچھ دعائیہ الفاظ کہے اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ لوگ دیر تک چہ میگوئیاں کرتے رہے۔ کسی میں اُس کے پیچھے جانے کی جرأت نظر نہیں آتی تھی مگر ایک آدمی ایسا تھا جو اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ لوگوں کی نظریں بچا کر درویش کے پیچھے جا رہا تھا۔ درویش لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر تیز چلنے لگا تھا۔ اُس کے پیچھے جانے والے آدمی نے بھی قدم تیز کر لیے۔ اس کے قدموں کی آواز پر درویش نے پیچھے دیکھا۔ وہ آدمی جسے اندھیرے میں درویش سائے کی طرح نظر آ رہا تھا، فوراً رک گیا اور بیٹھ گیا۔ درویش کو کچھ بھی نظر نہ آیا تو وہ چل پڑا لیکن وہ بار بار گھوم کر دیکھتا تھا۔

کچھ اور آگے گئے تو یہ آدمی درویش کے قریب پہنچ گیا۔ درویش نے بلند آواز سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ کسی آیت کا ورد تھا۔ اُس نے قدم سست کر لیے۔ پیچھے والے آدمی نے اپنے اور درویش کے درمیان رہ گیا تھا۔ اُس نے خنجر والا ہاتھ اوپر کیا۔ پیچھے سے درویش پر وار کر کے اُسے ختم کرنے کو تھا۔ خنجر ابھی اوپر ہی تھا کہ درویش بجلی کی تیزی سے گھوما۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ اوپر کو گھمایا۔ عصا اُس آدمی کی خنجر والی کلائی پر لگا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے اس آدمی کے پیٹ میں لات ماری۔ وہ آدمی دُہرا ہو گیا۔ درویش کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا اس لیے وہ ایک ہی ہاتھ سے لڑ سکتا تھا۔ اس نے عصا اُس آدمی کے سر پر مارا۔ اُس کا خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

درویش نے خنجر اٹھا لیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اُٹھ رہا تھا۔ درویش نے اُسے کہا۔ "خنجر میرے ہاتھ میں ہے۔ پیٹ کے بل لیٹے رہو۔"

وہ آدمی پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ درویش نے منہ سے کسی جانور کی آواز نکالی۔ ایسی ہی آواز اُسے بھی سنائی دی۔ اس نے پھر آواز نکالی۔ اندھیرے میں دوڑتے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ وہ آدمی درویش کے قریب آ کے رکا۔ درویش نے ہنس کر کہا۔ "اس بدبخت نے وہی حرکت کی ہے جس کا میں پہلے ہی خطرہ تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس وقت موصل کے کسی دریچے سے تیر آئے گا اور میرے دل میں اُتر جائے گا لیکن انہوں نے مجھے رات کو اس سے قتل کرانے کی کوشش کی ہے۔ یہ لو اس کا خنجر۔" درویش نے زمین پر لیٹتے ہوئے آدمی کو عصا کی ہلکی سی ضرب لگا کر کہا۔ "اُٹھ، دیکھ! تو مسلمان ہے؟"

"ہاں میرے بزرگ!" اس شخص نے ادب سے کہا۔ "میں مسلمان ہوں۔"

درویش اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے قہقہہ لگایا۔ درویش نے اُسے کہا۔ "مجھے بزرگ نہ کہو دوست! میں تم سے زیادہ جوان ہوں۔"

"تمہارا بہروپ کامیاب رہا ہے۔" درویش کو اُس کے ایک ساتھی نے کہا۔

اس آدمی کو تینوں اپنے ساتھ دور ایک خیمے میں لے گئے جس کے قریب چار پانچ اونٹ بندھے تھے۔ وہ گرد چٹائیں تھیں۔ اس آدمی کو خیمے میں بٹھایا گیا۔ ایک دیا جل رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ درویش کا چہرہ تو جھریوں بھرا تھا جیسے وہ اسی سال کا بوڑھا ہو لیکن اب اُس کی آواز جوانوں جیسی تھی۔ درویش نے سفید داڑھی اور سر کے لمبے بال اُتار دیئے۔ اُس کے ایک ساتھی نے اُسے پانی میں بھیگا ہوا کپڑا دیا تو درویش نے اپنے منہ پر گھما۔ بڑھاپے کی جھریاں غائب ہو گئیں۔ ان میں سے جو چہرہ برآمد ہوا وہ ایک جوان آدمی کا چہرہ تھا جس پر سلیقے سے تراشی ہوئی چھوٹی داڑھی تھی۔

"تم اصل میں کون ہو؟" حملہ کرنے والے نے اس سے پوچھا۔

"جسے تم قتل کرنے آئے تھے۔" اس نے کہا۔ "اب تم بتلاؤ کہ تمہیں کس نے میرے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ کچھ چھپانے کی کوشش کرو گے تو بہت بُری موت مرو گے۔"

"میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ بھی نہیں۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "مجھے موصل کے ایک حاکم احمد بن عمرو نے کرتہ شہر میں ایک درویش بھیجا ہے۔ اُس نے مجھے تمہارا حلیہ اور تمہاری صدائیں بتائی تھیں اور کہا تھا کہ اس درویش کو اندھیرے میں قتل کرنا ہے کسی کو پتہ نہ چلے۔ احمد بن عمرو نے کہا تھا کہ درویش کو قتل کر کے آؤ گے تو دو سو دینار میں گے۔"

"کیا احمد بن عمرو تجھے بوڑھا درویش سمجھ رہا تھا؟"

"اُس نے بتایا نہیں۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔ "اُس نے یہی کہا تھا کہ درویش کو قتل کرنا ہے۔"

درویش کا بہروپ دھارنے والے اُس کے دونوں ساتھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمین دوز گروہ کے فدائی تھے جو موصل میں کام کر رہے تھے۔ پچھلی کہانی میں جس درویش کا ذکر آیا ہے اُس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے سلطان ایوبی کے گروہ کے ان آدمیوں نے ایک آدمی کو درویش بنایا اور اُسے شہر میں گھمایا تھا۔ لوگ تو ہم پرست تھے۔ درویشوں کو خدا کی مخلوق سمجھتے تھے۔ پہلے درویش کو صلیبیوں نے اپنے ایک فریب کی کامیابی کے لیے استعمال کیا تھا۔ سلطان ایوبی کے آدمیوں نے اپنے ایک جوان ساتھی کو درویش کے بہروپ میں پیش کر کے لوگوں کو توہم پرستی سے ہٹا کر حقیقت کی طرف واپس کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔

احمد بن عمرو جو موصل میں ابن عمرو کے نام سے مشہور تھا، والیٔ موصل عزالدین کی انتظامیہ کا ایک اعلیٰ حاکم تھا جس کی حیثیت وزیر جتنی تھی۔ اُسے اطلاع ملی کہ ایک درویش شہر میں پہلے درویش کے خلاف صدائیں لگاتا پھر رہا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ سلطان ایوبی کے حامی گروہ کا آدمی ہے، لہٰذا اسے قتل کرنا ضروری ہے ورنہ لوگوں کو پہلے درویش کی حقیقت کا علم ہو جائے گا اور انہیں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ پہاڑوں میں کیا جل رہا ہے۔ سلطان ایوبی کے اس آدمی کو قتل کرنے کے لیے محل کے حفاظتی دستے کا ایک سپاہی منتخب کیا گیا اور اُسے دو سو دینار کا لالچ دے کر "درویش" کے قتل کے لیے بھیجا گیا۔ جسے قاتل سمجھ رہا تھا وہ ایک جوان آدمی نکلا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ بڈھے کے بہروپ میں یہ جوان آدمی تجربہ کار گوریلا کا جاسوس اور چھاپہ مار ہے۔

ابن عمرو کے بھیجے ہوئے اس قاتل کو دیئے کی روشنی میں خیمے میں بٹھا کر بہت کچھ پوچھا گیا لیکن اس سے کوئی راز معلوم نہ ہو سکا۔ وہ صلیبیوں کے کسی باقاعدہ جاسوس یا تخریب کار گروہ کا آدمی نہیں تھا۔ وہ اُجرت پر مرد قتل کرنے آیا تھا۔ جس آدمی نے درویش کا بہروپ دھارا تھا اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کر لیا۔ ان میں ایک اُٹھا اور خیمے سے رسّی کا ایک گز بھر لمبا ٹکڑا اٹھایا۔ وہ کرائے کے اس قاتل کے پیچھے گیا اور تیزی سے رسّی اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر ایسا پھندا بنایا کہ یہ آدمی تڑپنے لگا اور ذرا سی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا۔

☆

دوسرے دن احمد بن عمرو والیٔ موصل عزالدین کے دربار میں اُس کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ وہ غصے میں تھا اور عزالدین کے چہرے پر پریشانی تھی۔ احمد بن عمرو کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ ان کے سامنے فرش پر ایک لاش پڑی تھی جس کی گردن کے گرد رسّی لپٹی ہوئی تھی اور اس رسّی کے ساتھ ایک کاغذ بندھا ہوا تھا۔ یہ حفاظتی دستے کے اُس سپاہی کی لاش تھی جسے اُس نے درویش کو راستے سے ہٹانے کے لیے مامور کر کے بھیجا تھا۔ ابن عمرو ساری رات اس سپاہی کا انتظار کرتا رہا تھا۔ صبح اُسے محل کے دروازے کے سامنے ایک لاش پڑی ملی۔ وہ باہر گیا۔ زمین پر اس کے سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ اُس میں کوئی ہوئی تھی۔ گردن کے گرد رسّی تھی اور رسّی کے ساتھ کاغذ بندھا تھا۔

کاغذ پر لکھا تھا۔ "عزالدین والیٔ موصل کے نام۔ تمہارے ایک حاکم احمد بن عمرو کے لیے بھیجا تھا۔ میں اس کی لاش عزت و احترام سے احمد بن عمرو کی دہلیز پر رکھ چکا ہوں۔ یہ بدنصیب ہمیں قتل نہیں کر سکا۔ تم بھی اسی طرح کے بدنصیب ہو جو سلطان ایوبی کا ابھی تک کچھ نہیں بگاڑ سکے اور آئندہ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔ کفار کی دوستی سے تم ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکو گے۔ ہم تمہیں جس طرح چاہیں ختم کر سکتے ہیں۔ ایک روز تمہاری لاش بھی تمہارے محل کی دہلیز پر پڑی ہو گی۔ احمد بن عمرو جیسے حاکموں اور مشیروں سے پھر۔ یہ خوش ہو کہ تمہارا کبھی وفادار نہیں ہو سکتا۔ یہی لوگ تمہارے زوال کا باعث بنیں گے۔ ہوس اقتدار کچھ تمہارا نوشتہ تقدیر ہے۔ تم بیروت صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ معاہدے کے لیے گئے لیکن ہم نے اُسے ناکام کر دیا۔ اب سلطان ایوبی کے پاس ہے۔ تمہارے صلیبی دوستوں نے پہاڑیوں کو کھود کر اُن کے اندر جنگی سامان رکھا۔ ہم نے یہ سامان تباہ کر کے تمہاری ریاست کو زلزلے کا جھٹکا دیا۔ تم نے اپنے ایک سپاہی کو میرے قتل کے لیے بھیجا اور ہم نے تمہارے سپاہی کی لاش تم تک پہنچا دی۔ ہم جنوں اور بھوتوں کی طرح تم پر غالب رہیں گے مگر تم ہمیں دیکھ نہیں سکو گے۔ تمہارا زوال شروع ہو چکا ہے۔ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لو اور اپنی فوج اس کے حوالے کر دو۔ ہمیں قبلۂ اوّل آزاد کرانا ہے۔ اس دنیاوی بادشاہی اور جاہ و جلال سے باز آ جاؤ۔ تخت تاج نے کسی کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔"

احمد بن عمرو نے لاش اپنے گھر کے سامنے اٹھوائی اور عزالدین کے سامنے جا رکھوائی۔ عزالدین نے بھی یہ تحریر پڑھی اور کاغذ ابن عمرو کو دے کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ ابن عمرو غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ عزالدین خاموش بیٹھا رہا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسجدوں میں بھی اس نئے درویش کے چرچے ہو رہے ہیں۔" عزالدین نے کہا۔ "اب اس تحریر سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کوئی درویش نہیں بلکہ صلاح الدین کا کوئی آدمی ہے۔" اس نے کاغذ درویش پر پھینک دیا۔

"میں اسے تلاش کر لوں گا۔" ابن عمرو نے غصے سے کہا۔ "اور سر عام اس کا سر تن سے جدا کراؤں گا۔"

"ٹھنڈے دل سے سوچو۔" عزالدین نے کہا۔ "اس ایک آدمی کو قتل کر دینے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہمیں کچھ اور کرنا ہے، کچھ اور سوچنا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ صلیبی صلاح الدین پر حملہ کر دیتے

مگر معلوم نہیں وہ آگے کیوں نہیں آرہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں صلاح الدین سے براہ راست ٹکر لوں پھر وہ میری مدد اس طرح کریں گے کہ اُن کے چیلے ملد دستے صلاح الدین کے پہلوؤں اور عقب پر اور اس کی رسد پر شب خون مارتے رہیں گے۔ اس طرح مجھے میدانِ جنگ میں برتری اور کامیابی حاصل ہوگی۔"

"اور ضرور ہوگی"۔۔۔ بن عمرو نے فرش پر پاؤں مارتے ہوئے کہا۔

"اس تحریر میں صحیح لکھا ہے کہ تم خوشامدی ہو"۔۔۔ عزالدین نے کہا۔۔۔ "میں ایک اُلجھن میں پڑا ہوا ہوں اور تم خوش کرنے کے لیے بچوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔ کیا تم مجھے کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکتے؟"۔۔۔ اُس نے تالی بجائی۔ ایک نوجوان خادمہ دوڑی آئی۔ اس نے جھک کر سلام کیا۔ عزالدین نے کہا۔۔۔ "دربان سے کہو یہ لاش اٹھوالے اور کہیں دفن کردے"۔۔۔ یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا جو اس کا خاص کمرہ تھا۔ احمد بن عمرو بھی ساتھ تھا۔ عزالدین پھر ادھر آیا اور خادمہ سے کہا۔۔۔ "صراحی اور پیالے لے آؤ۔ دربان سے کہو کسی کو ادھر نہ آنے دے۔"

☆

خادمہ نے لاش دیکھی تو وہ ڈر گئی۔ اس کی نظر مروڑے ہوئے کاغذ پر پڑی۔ وہ عربی پڑھ سکتی تھی۔ اُس نے تحریر پڑھی اور کاغذ اپنے کپڑوں کے اندر چھپا لیا۔ دوڑ کر باہر گئی۔ دربان سے کہا کہ لاش اٹھوا کر دفن کرا دے اور صراحی اور دو پیالے سنہری تھال میں رکھ کر عزالدین کے کمرے میں چلی گئی۔

"شاہ آرمینیا نے میرے پیغام کا جواب دے دیا ہے"۔۔۔ عزالدین بن عمرو سے کہہ رہا تھا۔۔۔ "اُس نے مجھے اپنے دارالحکومت تل خالد میں ملنے کی بجائے مجھے ہرزم بلایا ہے۔ وہ تل خالد سے روانہ ہوگیا ہے۔ میں دو روز بعد اُسے ملنے جا رہا ہوں۔"

خادمہ نے پیالوں میں جلدی جلدی شراب ڈالنے کی بجائے کپڑے سے پیالے پونچھنے شروع کر دیے۔ اُس کے کان عزالدین کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

"میرا خیال ہے شاہ آرمینیا تل خالد سے ہرزم بلانے کی غلطی کر رہا ہے"۔۔۔ بن عمرو نے کہا۔

"کیونکہ صلاح الدین تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے"۔۔۔ عزالدین نے کہا۔۔۔ "تمہیں یہ ڈر ہے کہ شاہ آرمینیا کی غیر حاضری میں صلاح الدین ایوبی تل خالد کو محاصرے میں لے لے گا.... ایسا نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہوا بھی تو ہم صلاح الدین کی فوج پر عقب سے حملہ کر دیں گے۔ ہم اس لڑائی کو طول دیں گے اور صلیبیوں کو اطلاع دیں گے کہ وہ بھی صلاح الدین پر حملہ کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ صلاح الدین کی فوج پس کے رہ جائے گی۔"

"آپ کب جا رہے ہیں؟"۔۔۔ بن عمرو نے پوچھا۔

"دو روز بعد"۔۔۔ عزالدین نے جواب دیا۔

خادمہ شراب پیش کرنے میں اس سے زیادہ تاخیر نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے پیالوں میں شراب ڈالی اور دونوں کو پیش کی۔ عزالدین نے اُسے کہا کہ وہ چلی جائے۔ وہ ڈیوڑھی نما کمرے میں گئی تو وہاں سے لاش اٹھائی جا چکی تھی۔

خادمہ ابھی وہاں سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ اُسے ڈیوٹی پر رہنا تھا۔ وہ بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ اچانک اُس کے منہ سے 'ہائے' نکلی۔ اُس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ لیے اور دوہری ہوگئی۔ دربان اور دوسرے ملازم دوڑے آئے۔ اس نے کراہتے ہوئے بتایا کہ اُسے پیٹ میں اچانک درد اٹھا ہے۔ اُس کی جگہ نوراً دوسری خادمہ بلا کر وہاں بٹھا دی گئی اور اسے طبیب کے پاس لے گئے۔ طبیب کو اُس نے بتایا کہ اسے پیٹ میں درد ہے۔ اسے دوائی دی گئی۔ اُس نے کہا کہ وہ کام کے قابل نہیں رہی۔

کچھ دیر بعد اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ طبیب نے اُسے دو دنوں کی چھٹی لکھ دی اور اُسے کہا کہ اپنے گھر چلی جائے۔ وہ اپنے گھر کو جانے کی بجائے غلام گردشوں وغیرہ سے گزرتی عزالدین کی بیوی رضیع خاتون کے کمرے میں چلی گئی۔ رضیع خاتون کے متعلق پہلے تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ تھی۔ عزالدین نے اُس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ رضیع خاتون نے اس اُمید پر شادی قبول کی تھی کہ عزالدین کو وہ سلطان ایوبی کا دوست اور اتحادی بنا دے گی اور مسلمان اُمرا اور حکمران متحد ہو کر فلسطین سے صلیبیوں کو نکال دیں گے، مگر عزالدین نے جس نیت سے شادی کی تھی وہ رضیع خاتون کی نیت سے اُلٹ تھی۔ دمشق، بغداد اور ان مقامات کے گرد و نواح کے تمام علاقوں پر رضیع خاتون کا اثر تھا اور رضیع خاتون اپنے مرحوم خاوند نورالدین زنگی کی طرح سلطان ایوبی کی معتقد اور اُس کے نیک عزائم کی حامی تھی۔ اُس نے جوان لڑکیوں کی فوج بنا رکھی تھی۔

عزالدین نے اِس عظیم خاتون کے ساتھ اس نیت سے شادی کی تھی کہ اسے سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکا تو اُسے زوجیت کی قید میں رکھے تاکہ دمشق اور بغداد کے لوگ اس کی قیادت سے محروم ہو جائیں۔ رضیع خاتون نے شادی کے بعد اُس کی نیت پہچان لی تھی۔ پہلے تو اُس نے احتجاج کیا لیکن عورت عقل والی تھی۔ اُس نے عزالدین پر اپنا اعتماد پیدا کر کے جاسوسی شروع کر دی اور شہر میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس تھے، ان کے ساتھ درپردہ رابطہ قائم کر لیا۔ اس کی بیٹی (جو زنگی کی بیٹی تھی) شمس النسار جوان تھی۔ وہ بھی جاسوسی کر رہی تھی۔ ماں بیٹی نے سلطان ایوبی تک بڑے قیمتی راز پہنچائے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رضیع خاتون نے عزالدین کے دو سالاروں اور ایک مشیر کو اپنے ہاتھ میں کر لیا تھا۔ عزالدین کو اُس نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اب سلطان ایوبی کے حق میں نہیں رہی یا کم از کم اس کے خلاف نہیں رہی۔ رضیع خاتون خوبصورت عورت تھی۔ اس نے نسوانیت کی شیرینی اور زبان کی چاشنی سے عزالدین کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی محل کے اندر بھی جاسوسوں کا گروہ بنا لیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ عزالدین کی نوجوان خادمہ اندر آئی۔

"پیٹ درد کا بہانہ کر کے آئی ہوں"۔۔۔ خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا۔۔۔ "طبیب نے آج اور کل کی چھٹی دے دی ہے"۔۔۔ اُس نے قمیض کے اندر سے وہ کاغذ نکالا جو اُس نے لاش سے اٹھایا تھا۔ کاغذ رضیع خاتون کو دیا اور اسے بتایا کہ یہ کاغذ ایک سپاہی کی لاش کے ساتھ تھا۔

رضیع خاتون نے تحریر پڑھی اور بولی۔۔۔ "آفرین، ہمارے مجاہد کام کر رہے ہیں، تو اُس کا مطلب یہ ہوا کہ ان

کمبختوں نے بھولے آدمی کو قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ ہمارے اس درویش نے لوگوں کے دلوں سے صلیبیوں کے درویش کی دہشت اور وہم نکال دیا ہے۔"

"یہ تحریر اُسی کی ہے"۔۔۔ خادمہ نے کہا۔" میں اُس کا ہاتھ پہچانتی ہوں۔"

رضیع خاتون نے ہنس کر کہا۔" مجھے معلوم ہے کہ تم اُس کا ہاتھ ہی نہیں اُس کا دل بھی پہچانتی ہو، لیکن یہ خیال رکھنا کہ دلوں کے جال میں ہی نہ اُلجھ جانا۔ فرض پہلے۔"

خادمہ شرما سی گئی۔ کہنے لگی۔" ابھی تک اپنے جذبات کو فرض کے راستے میں نہیں آنے دیا۔ میں فہد کو بھی یہی کہا کرتی ہوں کہ اُسے مجھ سے دلی محبت ہے تو اپنے فرض کو جذبات پر حاوی رکھے۔"

فہد وہی جوان سال آدمی تھا جس نے درویش کا روپ دھارا تھا۔ وہ بغداد کا رہنے والا تھا۔ اُس میں جاسوس بننے کی تمام تر خوبیاں موجود تھیں۔ خوبرو جوان تھا۔ دو سال سے موصل میں مقیم تھا اور کامیابی سے جاسوسی کر رہا تھا اور نظریاتی محاذ پر بھی اُس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نمایاں کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ اسی سلسلے میں اس کی ملاقات عزالدین کی اس خادمہ سے ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے دل میں اُتر گئے تھے۔ خادمہ شہر میں رہتی تھی لیکن اُس کا زیادہ وقت محل میں گزرتا تھا۔ جاسوسی کی زمین دوز کارروائیوں کے علاوہ بھی ان دونوں کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

"میں جو خبر لائی ہوں وہ ابھی بتائی ہی نہیں"۔۔۔ خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا۔" عزالدین دو روز بعد شاہ آرمینیا سے ملنے ہرزم جا رہے ہیں۔ میں نے شراب پیش کرنے کے دوران اُن سے یہ بات سُنی ہے۔ وہ احمد بن عمرو کو بتا رہے تھے کہ شاہ آرمینیا نے انہیں پیغام بھیجا ہے کہ وہ تل خالد سے ہرزم روانہ ہو رہا ہے اور عزالدین اسے وہاں ملیں۔۔۔ میں رات سے فارغ نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے پیٹ کے درد کا بہانہ بنایا اور آپ تک پہنچی ہوں۔"

رضیع خاتون نے اپنے زانو پر ہاتھ مار کر کہا۔" صلاح الدین ایوبی تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے مجھے معلوم نہیں کہ تل خالد میں اپنے جاسوس ہیں یا نہیں۔ یہ خبر صلاح الدین تک پہنچنی چاہیئے۔ ہو سکتا ہے وہ اِن دونوں کو ہرزم میں پکڑ لے۔ یہ کام تم ہی کرو۔ فہد یا اس کے کسی اور ساتھی تک پہنچو اور اسے یہ خبر سنا کر میرا پیغام دو کہ صلاح الدین ایوبی تل خالد کے راستے میں ہوگا، یہ خبر اس تک پہنچا دو۔ ابھی جاؤ۔"

خادمہ چلی گئی۔

☆

کچھ ہی دیر بعد عزالدین رضیع خاتون کے کمرے میں داخل ہُوا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ بڑی صاف تھی۔ رضیع خاتون کو معلوم تھا کہ وہ کیوں پریشان ہے، پھر بھی اس پریشانی کی وجہ پوچھی۔

"میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اور صلیبیوں کی دوستی کے پتھروں میں پس رہا ہوں"۔۔۔ عزالدین نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری تمام تر دلچسپیاں آپ کے ساتھ ہیں"۔ رضیع خاتون نے کہا۔" مگر میں صلاح الدین کے حق میں

کوئی بات کرتی ہوں تو آپ کو شک ہوتا ہے کہ میں اُس کی حامی اور آپ کے خلاف ہوں۔ آپ کی پریشانی کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کے اور صلاح الدین کے درمیان عداوت پیدا ہو گئی ہے، اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے اُس قوم کو دوست سمجھ لیا ہے جو آپ کی دوست ہو سکتی ہے آپ کے مذہب کی دشمن ہی رہے گی۔ صلیبی اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے آپ کو دھوکہ دیں گے اور ضرور دیں گے۔"

"تو کیا میں صلاح الدین کے قدموں میں جا کر تلوار رکھ دوں؟"۔ عزالدین نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔" اگر میں ایسا کر گزروں تو اپنی فوج کے سامنے کس منہ سے کھڑا ہوں گا؟"

"صلاح الدین آپ کو اپنا محکوم نہیں اپنا استحادی بنانا چاہتا ہے"۔ رضیع خاتون نے کہا۔

"تم اس شخص کی نیت کو نہیں سمجھ سکی"۔۔۔ عزالدین نے کہا۔" وہ سلطنتِ اسلامیہ کی بات کرتا ہے مگر اُسے اپنی ذاتی سلطنت بنائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ آپ اس سے لڑیں گے"۔۔۔ رضیع خاتون نے کہا۔" اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو پریشان ہونے کی بجائے جنگ کی تیاری کریں۔ فوج میں اضافہ کریں۔"

"میری پریشانی یہ ہے کہ صلاح الدین نے جاسوسوں اور تباہ کاروں کا جال بچھا دیا ہے"۔۔۔ عزالدین نے کہا۔" تمہیں معلوم ہے کہ میرا اتنا قابل فوجی مشیر احتشام الدین بیروت بالڈون سے معاہدہ کرنے گیا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ صلاح الدین کے ساتھ ہے۔ ہمارے تمام راز اُس کے پاس ہیں۔ میں نے صلیبیوں سے اسلحہ آتش گیر سیال اور دیگر سامان کا ذخیرہ اپنے قریب جمع کرایا تھا۔ وہ تباہ ہو گیا ہے۔ آج میرے حفاظتی دستے کے ایک سپاہی کی لاش میرے پاس آئی ہے۔"

"اُسے کسی نے قتل کیا ہے؟"۔۔۔ رضیع خاتون نے انجان بن کر پوچھا۔

"ہاں"۔۔۔ عزالدین نے اصل بات پر پردہ ڈال کر کہا۔" اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اسے ایک خاص کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے قاتل صلاح الدین کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

اس لاش کے ساتھ فہد کا لکھا ہُوا جو کاغذ تھا وہ رضیع خاتون کے پاس تھا لیکن وہ انجان بنی رہی۔ اُس نے سوچا کہ عزالدین گھبرایا ہُوا ہے، اس پر اور زیادہ گھبراہٹ طاری کی جائے۔

"آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ صلاح الدین صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑتا"۔ رضیع خاتون نے کہا۔" وہ جب اپنے گھر میں سویا ہوا ہوتا ہے تو اس کے دشمن سمجھتے ہیں جیسے وہ اُن کے سر پر بیٹھا ہے۔ اِس وقت وہ تل خالد کی طرف جا رہا ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ موصل میں بیٹھا ہے اور اپنی نگرانی میں تباہی کرا رہا ہے۔ صلیبیوں کی فوج کا اندازہ کریں۔ صلاح الدین کی فوج سے دس گنا زیادہ ہے مگر صلیبی آگے بڑھ کر اُس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ صلیبیوں کے مقابلے میں آپ کے پاس جو فوج ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ آپ کی فوج میں ایسے کمانڈر موجود ہیں جو آپ کے وفادار نہیں۔ وہ آپ کو دھوکہ دے سکتے ہیں؟"

عزالدین اور زیادہ گھبرا گیا اور بولا۔" میں اس حد تک پھنس چکا ہوں جہاں سے میں آسانی سے واپس نہیں